تنگ آمد

علیم الحق حقی

تنگ آمد

ایک شریر میاں بیوی کی ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کردینے والی شرارتوں بھری کہانی۔ وہ ہنسی خوشی رہنے کے باوجود محبت جیسے لطیف جذبے سے بے خبر تھے۔ انہیں اپنے اندر چھپی ہوئی محبت کی کھوج تھی۔ پھران کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ محبت کا مفہوم کھل کر ان کے سامنے آگیا اور وہ اپنا سب کچھ ایک دوسرے پر قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

"بڑے سرکار' آپ چل کر ایک نظر باغیچے کو دیکھ تو لیں۔" مالی نے گھگیا کر کہا۔

"میں پوچھتا ہوں' ہوا کیا ہے؟" مقصود الزمان جھنجلا گئے۔ مالی مسلسل یہی اصرار کیے جا رہا تھا اور وہ ملنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھے۔

"سرکار۔ بس ایک نظر..........."

"خاموش!" زمان صاحب نے گرج کر کہا۔ "سیدھی طرح بتاؤ' بات کیا ہے؟"

مالی بری طرح سہم گیا۔ "سرکار.......... گلاب کے پودے میں سورج مکھی کے پھول' موتیے میں........... چنبیلی' چنبیلی پر چمپا..........."

"کیا بکواس کر رہا ہے؟" زمان صاحب بیگم کی طرف مڑے۔ "میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"جا کر دیکھ لیجئے نا ایک نظر۔" بیگم نے مشورہ دیا۔

"اچھا بابا' دیکھتا ہوں۔" زمان صاحب نے کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے باہر چلے گئے۔ مالی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئے اور کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

بیگم زمان چند لمحے انہیں پُرتشویش نظروں سے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "کیا ہوا' خیریت تو ہے؟"

"خیریت' خیریت کا اس گھر میں کیا کام؟" زماں صاحب نے بے بسی سے کہا۔

"دیکھ لو' صبح سے اب تک یہ چھٹی شکایت ہے۔"

"کچھ بتائیں گے بھی۔" بیگم جھنجلا گئیں۔

"ارے' وہی دونوں ہیں' میں تو عاجز آ گیا ہوں۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟"

"وہی جو مالی کہہ رہا تھا۔" زماں صاحب نے پھر اپنا سر پکڑ لیا۔ "یقین کرو' مجھے چکر آ گئے۔ ایسا لگا کہ دنیا الٹ گئی ہے۔ ذرا سنبھلا تو اندازہ ہوا کہ بے چارے مالی پر کیا گزری ہو گی۔"

بیگم زماں خاموش رہیں۔ بس سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"تم دیکھ لیتیں تو بس پاگل ہی ہو جاتیں۔" زماں صاحب نے مزید کہا۔

"وہ تو اب بھی ہو جاؤں گی۔ مجھے پتا ہی نہیں چل رہا ہے کہ بات کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ مالی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ گلاب کے پودوں پر سورج مکھی کے پھول کھلے ہیں۔ سورج مکھی پر گیندا بہار دکھا رہا ہے۔ چمپا کی شاخوں پر موتیا ہے تمام پھولوں کی جگہیں بدل دی گئی ہیں۔ یہی حال درختوں کا ہے۔ کیلے کے پیڑ پر امرود' امرود کے درخت پر کیلے۔ ایسا لگتا ہے کہ باغیچہ پاگل ہو گیا ہے۔"

بیگم زماں الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔ "کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں آپ؟ باغیچہ پاگل ہو گیا ہے.......... ہونہہ۔"

"بغیر دیکھے کچھ نہیں سمجھو گی۔" زماں صاحب جھنجلا کر بولے۔ "تصور کرو.......... اگر میری آنکھیں ٹھوڑی پر ہوں' ناک کی جگہ دو کان لگے ہوں' کانوں کی جگہ ہونٹ ہوں اور ناک پیشانی پر کھڑی ہو تو کیسا لگے گا؟"

بیگم زماں حیرت سے انہیں دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ چند لمحے بعد واپس آئیں تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ "واقعی.......... ایک لمحے کے لئے تو میں بھی خود کو پاگل محسوس کرنے لگی لیکن یہ سب کیا کیسے ہو گا انہوں نے۔ نہیں جی.......... مجھے یقین نہیں آتا۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ یہ بھوتوں کا کیا دھرا ہے؟"

"جی ہاں۔ مجھے تو کوئی آسیبی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ دونوں بھوت اور آسیب سے کم نہیں۔ جہاں ہوں گے' وہاں سے بھوت بھی بھاگ جائیں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" بیگم زماں نے دہرایا۔

"نہ آئے.......... مجھے کیا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ان دونوں نے میری ارتھمیٹک درست کر دی ہے۔ ایک جمع ایک دو ہرگز نہیں ہوتے.......... گیارہ ہوتے ہیں۔" زماں صاحب نے پھر سر تھام لیا۔

چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ باورچی نازل ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھا۔ "کیا بات ہے نصیرے؟" بیگم زماں نے پوچھا۔

"بڑے سرکار کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

زماں صاحب نے چونک کر سر اٹھایا۔ "نصیرے.......... تو بھی؟" انہوں نے دردناک لہجے میں کہا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟"

"پڑھ لیجئے سرکار!" نصیرے نے کاغذ ان کی طرف بڑھایا۔

"بڑے صاحب نے کاغذ کو دیکھا۔ وہ تہہ شدہ تھا۔ انہوں نے اسے کھولنے کے بجائے نصیرے کو گھور کر دیکھا۔ "بات کیا ہے؟"

"پڑھ لیجئے نا بڑے سرکار؟" نصیر گھگیا کر بولا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ سرکاری ملازموں والی حرکتیں یہاں نہیں چلیں گی۔" زماں صاحب نے ڈپٹ کر کہا۔ "زبانی بتا.......... کیا چاہتا ہے' تنخواہ بڑھوانی ہے؟"

"نہیں بڑے سرکار! آپ کی مہربانیاں پہلے ہی کم نہیں ہیں۔"

"تو پھر؟"

"تبادلہ چاہتا ہوں بڑے سرکار!"

"یعنی ٹرانسفر؟"

"جی بڑے سرکار!" نصیرا اور گھگیانے لگا۔

"ابے.......... یہ میرا گھر ہے یا سرکاری محکمہ!" زماں صاحب دہاڑے۔ "کس قسم کا ٹرانسفر چاہتا ہے۔ مالی سے ڈیوٹی بدلے گا کیا؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم گھاس پھوس کھا کر گزارہ نہیں کر سکتے۔"

"یہ بات نہیں بڑے سرکار! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا ٹرانسفر برابر والے گھر میں کر دیں۔"

"یعنی صدیق صاحب کے گھر؟"

"اِس طرف والے نہیں سرکار' اُس طرف والے گھر کی بات کررہا ہوں۔"

"مشہود کے گھر؟"

"جی ہاں بڑے سرکار!"

"یہ کیسے ممکن ہے' دونوں گھر الگ الگ ہیں۔"

"دیکھیں نا بڑے سرکار۔ ایک ٹرانسفر تو پہلے ہی ہوچکا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔" زمان صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ جی.......... آخر لبنیٰ بی بی کا ٹرانسفر بھی تو ہوا ہے.......... وہاں سے یہاں۔" نصیرے نے نظیر پیش کی۔

زمان صاحب کیلئے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانا دوبھر ہوگیا۔ "مردود.......... اسے ٹرانسفر نہیں' شادی کہتے ہیں۔"

بیگم زماں کی سمجھ میں بات کچھ کچھ آنے لگی۔ "اوہو.......... یہ شاید شبو سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیوں' یہی بات ہے کیا؟" زماں نے نصیرے سے پوچھا۔

"جی.......... اب تو نہیں ہے یہ بات۔"

"گویا پہلے تھی؟" بیگم صاحبہ نے آنکھیں نکالیں۔

"جی بیگم صاحبہ' تھی تو سہی لیکن شبو نے انکار کردیا۔ کہنے لگی' اب تو میرے سکھ چین سے رہنے کے دن آئے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ میں اب دہرے عذاب میں پھنس جاؤں۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔"

"سکھ چین سے رہنے کے دن! شبو کے؟" زماں صاحب نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں بڑے سرکار! وہ لبنیٰ بی بی جو یہاں آگئی ہیں۔"

بیگم زماں کو ہنسی آگئی۔ "تو تُو گھر داماد بن جا۔"

"میں تو اس کے لئے بھی تیار تھا جی۔ سکھ چین سے رہنے کے لئے تو آدمی کچھ بھی کرسکتا ہے۔ پر شبو نے منع کردیا' کہنے لگی ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔"

"اچھا.......... یہ بتا' تیرا ٹرانسفر ہوگیا تو یہاں کھانا کون پکائے گا؟" بیگم زماں نے پوچھا۔

"میری جگہ شبو یہاں آجائے گی' وہ جی بڑے سرکار! کیا کہتے ہیں ایسے ٹرانسفر کو؟" نصیرا زماں صاحب کی طرف مڑا۔

"میوچوئل ٹرانسفر.......... باہمی تبادلہ۔" زماں صاحب نے بلا ارادہ کہا پھر وہ کھسیائے اور اس کے بعد انہیں غصہ آگیا۔ "کیا بکواس ہے؟"

"اچھا' تو تُو شبو کو شادی سے انکار کی سزا دینا چاہتا ہے؟" بیگم زماں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم بیگم صاحبہ' یہ بات نہیں۔ وہ جی چھوٹے سرکار بھی کم نہیں تھے کہ اب لبنیٰ بی بی بھی آگئیں۔ کل میں نے چائے بنائی اور کسی کام سے کچن سے باہر آیا۔ لبنیٰ بی بی نے چائے میں مسالے ملائے اور تو اور جی بگھار بھی لگا دیا۔ پھر مجھے زبردستی پلایا.......... سوپ کہہ کر۔ لگ تو کچھ کچھ سوپ ہی رہا تھا۔ میں بھی مزے میں پی گیا۔ اب تک پیٹ میں درد ہے۔"

بیگم زماں ہنسنے لگیں۔ "تو شبو بھی یہاں آکر روئے گی۔"

"چھ چھ ماہ بعد ٹرانسفر کرتی رہئے' سب کا کام چل جائے گا۔ تمام نوکروں کی لسٹ بنا لیجئے.........." نصیرا خوب سوچ سمجھ کر آیا تھا۔

"بس.........۔" زماں صاحب ہاتھ اٹھا کر دھاڑے۔ "مجھے لگتا ہے' تُو نوکروں کی یونین بنا ڈالے گا۔ ڈسمس' دفع ہوجا۔"

"برابر والے گھر میں؟"

"ہرگز نہیں' کچن میں جا اور چائے بنا کرلا۔ سر میں درد کردیا تُو نے۔"

نصیرے نے جلدی سے ایپرن کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اور کاغذ نکال کر زماں صاحب کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" زماں صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پڑھ لیجئے سرکار۔"

"بکواس مت کر' زبانی بتا۔"

"یہ استعفیٰ ہے بڑے سرکار!"

زماں صاحب کو ہنسی آگئی۔ "اچھا جا۔ میں تیری ٹرانسفر کی درخواست پر غور کروں

گا۔" انہوں نے کہا۔

نصیرا شکریہ ادا کرکے کچن کی طرف چلا گیا۔ زماں صاحب نے پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "اکلوتی اولاد کو پیدا ہوتے ہی گولی مار دینی چاہئے۔" چند لمحے بعد انہوں نے سر اٹھا کر کہا۔

"تو کیا اولاد کے ماتھے پر لکھا ہوتا ہے کہ وہ اکلوتی ہے۔" بیگم چڑ گئیں۔

"اچھا آپ تشریف لے جائیں اور مجھے اس سلسلے میں کچھ سوچنے دیں۔" زماں صاحب نے کھسیا کر کہا۔

☆======☆======☆

مسئلہ تھا دو اکلوتی اولادوں کا۔ مقصود الزماں اور مشہود الزماں بھائی تھے اور دونوں میں بڑی محبت تھی۔ مسعود، مقصود صاحب کی اکلوتی اولاد تھا اور لبنیٰ مشہود صاحب کی۔ مسعود اور لبنیٰ کے درمیان بہت سی قدریں مشترک تھیں۔ دونوں والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ دونوں ذہین تھے اور طبعاً شریر بھی۔ بچپن کے ساتھی تھے اور ان کے درمیان وابستگی اتنی گہری تھی کہ ان کی شادی لازمی ہونی تھی لیکن شرارتوں کی وجہ سے شادی کچھ جلد ہی ہوگئی۔ دونوں بھائیوں کا خیال تھا کہ ان کا لاابالی پن شادی ہی کے ذریعے ختم ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات کہ نتیجہ برعکس نکلا۔ وہ یکجا ہوئے تو......... دو آتشہ ہوگئے۔ ملازموں کی روز مرہ شکایتوں میں بھی اضافہ ہوگیا۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ دونوں بچے ہوں۔ جس وقت شادی ہوئی، لبنیٰ اکیس سے اوپر تھی اور مسعود پچیس کے قریب تھا۔ لبنیٰ نے گریجویشن کرلیا تھا اور مسعود ایم اے کرچکا تھا۔ اب ان کی شادی کو چھ ماہ ہوچکے تھے۔

ایک ہفتہ پہلے مقصود صاحب نے مسعود سے بات کی تھی۔ "بیٹے، اب تمہیں اپنے کاروبار کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" انہوں نے کہا تھا۔ "آخر مستقبل میں تمہی کو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔" مقصود صاحب کی کنسٹرکشن کمپنی کا شمار ملک کی ممتاز ترین تعمیراتی کمپنیوں میں ہوتا تھا۔

"جی بہت بہتر پاپا!" مسعود نے کہا تھا۔ "جب آپ حکم کریں گے، میں دفتر جانا شروع کردوں گا۔"

مقصود الزماں کو کبھی کبھی اس پر بہت حیرت ہوتی تھی کہ مسعود اتنا سعادت مند ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شرارتوں کے معاملے میں بے لگام ہونے کے باوجود اس نے کبھی بدتمیزی نہیں کی تھی۔ نہ ہی ان کا کوئی حکم ٹالا تھا۔ اس سے انہیں امید بندھتی تھی کہ لاابالی پن چھوڑنے کے بعد وہ بہت اچھا بیٹا ثابت ہوگا۔ پڑھائی میں بھی وہ بہت اچھا جا رہا تھا۔ اس نے معاشیات میں ایم اے پوزیشن کے ساتھ کیا تھا۔

اس گفتگو کے بعد مقصود صاحب نے مسعود کے لئے دفتر آراستہ کرایا۔ دفتر کے باہر......... مسعود الزماں، ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن کی تختی لگی تھی۔ اب سے چار دن پہلے انہوں نے مسعود کو بتا دیا کہ اگلی صبح سے اسے ہر روز دفتر آنا ہے۔ "تمہیں ایڈمنسٹریشن سنبھالنا ہے۔ کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ دفتر کے معاملات بنے ہوئے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، پھر بھی مشکل ہوئی تو میں گائیڈ کروں گا۔"

اگلی صبح سے مسعود اختر آنے لگا۔ اس کے ایک دن بعد مقصود صاحب کو ضروری کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ اس میں بھی کوئی خلافِ معمول بات نہیں تھی۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ ایسا ہوتا تھا۔ ان کے ماتحت ان کی غیرموجودگی میں بھی کام سنبھال لیتے تھے۔

مقصود صاحب اسلام آباد سے گزشتہ روز ہی واپس آئے۔ دوپہر کے قریب وہ دفتر گئے تو دفتر میں سناٹے نے انہیں پریشان کردیا۔ ان کے قدم تیز ہوگئے۔ اچانک ایک نعرے نے گویا پوری بلڈنگ ہلا ڈالی۔ "وہ مارا......... کلین بولڈ!" مقصود صاحب اب تقریباً دوڑ رہے تھے۔

زیادہ تر کمرے خالی تھے۔ میز پر فائلیں اور کاغذات رکھے تھے لیکن کام کرنے والے ندارد۔ وہ اس طرف چلتے رہے، جہاں سے نعرہ سنائی دیا تھا اور بالآخر ان کے بدترین اندیشے کے مطابق وہ نئے ڈائریکٹر صاحب کا کمرہ ثابت ہوا۔

انہوں نے دروازے سے جو کچھ دیکھا، اس کے بعد انہیں زمین اپنے پیروں تلے سے نکلتی محسوس ہوئی۔ مسعود دونوں ٹانگیں میز پر پھیلائے اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں سامنے رکھے......... ٹی وی پر جمی تھیں، جس کا پہلا حصہ مقصود صاحب کو نظر آرہا تھا۔

مقصود صاحب اس وقت چہرے پہچاننے کے قابل ہی نہیں تھے۔ وہ بس یہ جانتے

تھے کہ کمپنی کے ملازمین میں سے دو مسعود کی میز پر دائیں اور بائیں بیٹھے تھے۔ کمرے کی تمام کرسیاں' صوفے اور کاؤچ گھری ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ فرش پر بھی بیٹھے تھے۔ وہ سب کرکٹ کا ٹیسٹ میچ دیکھ رہے تھے' جو اسی روز شروع ہوا تھا۔

پہلے تو مقصود صاحب کچھ دیر سناٹے کے عالم میں کھڑے رہے پھر انہوں نے گرج کر کہا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

ان کی آواز سنتے ہی وہاں کھلبلی مچ گئی۔ صرف ایک منٹ کے اندر وہاں مسعود کے سوا کوئی نہیں رہا۔ وہ بھی اب بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی نظریں بھی ٹی وی پر نہیں تھیں۔ "آیئے......... آیئے پاپا!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

مقصود صاحب اندر چلے گئے۔ "میں پوچھتا ہوں' یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"میچ دیکھ رہے تھے پاپا!" مسعود نے سادگی سے کہا۔

"دفتر میں؟"

"پاپا......... میں میچ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔"

"لیکن پورے دفتر کو میچ دکھانے کی کیا تک بنتی تھی؟"

"میں نے کسی کو نہیں بلایا تھا پاپا' وہ سب خود ہی جمع ہو گئے تھے۔"

"تو تمہیں ان کو منع کر دینا چاہئے تھا۔"

"جو کام میں خود کر رہا تھا' اس سے انہیں کیسے منع کرتا!" مسعود نے معصومیت سے کہا۔

"تو پھر تم بھی دفتر میں یہ کام نہ کیا کرو۔"

"اب کبھی نہیں کروں گا پاپا! میچ کے دن میں دفتر سے چھٹی کیا کروں گا۔"

مقصود صاحب وہاں سے نکلے اور اپنے دفتر میں آئے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے انٹر کام پر کمپنی کے منیجر شیرازی صاحب کو طلب کر لیا۔ ذرا ہی دیر میں شیرازی صاحب بوکھلائے ہوئے ان کے کمرے میں آئے۔ "تشریف رکھئے۔" مقصود صاحب نے تیکھے لہجے میں کہا۔

شیرازی صاحب بیٹھ گئے مگر وہ نروس نظر آ رہے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ ہمارا دفتر ڈسپلن کے اعتبار سے مثالی ہے شیرازی صاحب!"

"یہ سب چھوٹے صاحب کی وجہ سے ہو رہا ہے جناب!" شیرازی صاحب نے بلبلا کر کہا۔ "پرسوں چھوٹے صاحب نے معاشیات اور بجٹ کے موضوع پر ملازمین کا سیمینار منعقد کیا اور کل تو وہ تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافے کا حکم نامہ جاری فرما رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں روکا۔ آج ٹیسٹ میچ شروع ہو گیا اور شکر ہے کہ آپ بھی آ گئے ورنہ آج شاید میں انہیں روک نہیں پاتا۔"

"تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافہ!" مقصود صاحب نے دہرایا اور پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ "ٹھیک ہے' آپ جایئے۔"

شیرازی صاحب کے جانے کے بعد مقصود الزماں نے انٹر کام اٹھا کر مسعود کو بلایا۔ اس کے آتے ہی وہ شروع ہو گئے۔ "یہ تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافے کا کیا چکر ہے؟" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

"وہ پاپا' پرسوں تین ملازمین میرے پاس آئے تھے۔ انہیں قرضے کی ضرورت تھی۔" مسعود نے بتایا۔

"تو پھر؟" مقصود صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"میں نے منع کر دیا" مسعود نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں نے انہیں بجٹ کی اہمیت سمجھائی۔ بتایا کہ بجٹ کے مطابق وہ گزر بسر کریں تو قرضے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور قرضہ لیں گے تو مزید قرضہ لینا پڑے گا کیونکہ قرضے کی قسط تنخواہ اور کم کر دے گی اس پر وہ کہنے لگے کہ قرض تو سبھی لیتے ہیں۔ سو پاپا' میں نے اگلے دن سیمینار طلب کر لیا۔ اس میں' میں نے بجٹ بنانا سکھایا مگر ثابت یہ ہوا کہ جو تنخواہ ہم انہیں دے رہے ہیں' اس میں صرف بارہ دن کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافہ ناگزیر ہے۔"

"بے وقوف ہو تم۔ چند ماہ بعد وہ تنخواہ بھی بارہ دن کے گزارے کی رہ جائے گی۔"

"یہ ناممکن ہے پاپا!"

"گدھے ہو تم' زندگی کا کچھ پتا ہی نہیں ہے تمہیں۔ میاں' یہ زندگی ہے' علم معاشیات نہیں۔ تنخواہیں بڑھیں گی تو ان کا معیارِ زندگی مقابلتاً تنخواہوں سے زیادہ بلند ہو گا

اور چند ماہ میں وہ وہیں کے وہیں ہوں گے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تم قرضہ ہی منظور کر لیتے۔ خیر..........“ مقصود صاحب نے اچانک اس کے سامنے ہاتھ جوڑ لئے۔ ”مجھ پر اور میری کمپنی پر رحم فرماؤ میرے بچے! اس سے تو اچھا ہے کہ تم کالج میں معاشیات پڑھ کر دوسروں کے بچوں کو خراب کرو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ یہ میری حقیر سی کمپنی تمہارے علم کی متحمل نہیں ہو سکتی‘ جاؤ.......... چلے جاؤ۔“

”بہت بہتر پاپا!“ مسعود نے بے حد سعادت مندی سے کہا تھا۔

اور آج گھر میں شکایتوں کا طومار بندھ گیا تھا۔

مقصود صاحب اس سلسلے میں سوچتے رہے۔ بالآخر انہیں ایک حل سوجھ ہی گیا۔ ان کا تجربہ تھا کہ سفر انسان کو زیست کرنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ شادی کا مقصد سفر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ ”میاں مردود الزماں!“ انہوں نے تصور میں بیٹے کو مخاطب کیا۔ ”اب آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ تم پہاڑ پر جائے بغیر نہیں سدھرو گے۔“

اب انہیں مسعود کا انتظار تھا!

☆------☆------☆

جیسے ہی مسعود گھر میں داخل ہوا‘ انہوں نے اسے پکار لیا۔ وہ آیا.......... اور سلام کر کے سامنے والی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ”جی پاپا!“ اس نے بے حد سعادت مندی سے کہا۔

”تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

”جی پاپا؟“

”دیکھو بیٹے‘ اب تمہاری شادی..........“ مقصود صاحب نے پُرشفقت لہجے میں اسٹارٹ لیا۔

”جی ہاں پاپا! اب میری شادی ہو چکی ہے‘ اب مجھ پر بڑی ذمے داریاں ہیں..........“ مسعود نے اس طرح کہا جیسے کسی کتاب سے رٹا لگا کر آ رہا ہو۔

”کہاں کی ہانک رہے ہو؟“ مقصود صاحب ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

”..........اب مجھے لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے۔“ مسعود نے سنی ان سنی کر کے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اب لبنیٰ بھی میری ذمے داری ہے‘ حالانکہ شادی صرف میری نہیں اس کی بھی ہوئی ہے لیکن اسے کوئی ذمے داری کی تلقین نہیں کرتا۔ اس کا کیا دھرا؟

اب میرے کھاتے میں آتا ہے۔ یہ ہے شادی کا نقصان۔ واقعی.......... اب میری ذمے داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔“

”کیا بکواس ہے یہ؟ مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنا تھی۔“

”اوہ.......... تو کیا یہ بات نہیں کرنی تھی آپ کو؟“ مسعود کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں۔ دراصل میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہاری شادی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔“

”ہو جائے گی پاپا‘ ہو جائے گی۔ میں سمجھ رہا ہوں آپ کا مطلب!“ مسعود نے شرماتے ہوئے کہا۔

”کیا سمجھ رہے ہو تم؟“ مقصود صاحب جھنجلا گئے۔

”جی.......... وہ..........وہ.......... برخوردار امرود الزماں..........“

”امرود الزماں!“ مقصود صاحب نے حیرت سے دہرایا پھر اچانک ان کی سمجھ میں مسعود کی بات آئی اور ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”او مردود!“ انہوں نے دانت پیس کر کہا۔

”چلئے.......... دوسرے کا یہ نام رکھ لیں گے۔“

مقصود صاحب نے کوشش کر کے اپنے غصے اور جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔ بے قابو ہونے کی صورت میں بات وہیں کی وہیں رہتی۔ مسعود سے کوئی کام کی بات کرنا آسان نہیں تھا۔

”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہنی مون کے بغیر شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔“

”لیکن پاپا‘ ہماری شادی کو چھ ماہ ہو چکے ہیں۔“ مسعود نے گھبرا کر کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض اوقات آدمی کا عقیقہ تک ولیمے کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”اور بعض اوقات آدمی کا ولیمہ سوم کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”اب میں ہاتھ جھاڑ دوں گا۔“ مقصود صاحب کے لئے غصے پر قابو رکھنا دوبھر ہو رہا تھا۔

”پاپا‘ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک تو یہ اماوس کی راتیں ہیں‘ پھر مکھیاں اس موسم میں اپنا جمع کیا ہوا شہد خود کھاتی ہیں۔“

”میں تمہیں چاند توڑ کر لانے کے لئے کہہ رہا ہوں نہ شہد کا چھتا توڑ کر لانے کے لئے۔“

"لیکن پاپا' یہ دسمبر کا مہینہ ہے۔" مسعود نے احتجاج کیا۔

"کچھ بھی ہو' تمہیں ہنی مون پر جانا ہوگا۔"

"اس موسم میں تو دو ہی جگہیں ہیں ہنی مون کے قابل۔" مسعود نے دردناک لہجے میں کہا۔ "ملتان یا جیکب آباد۔"

"کہیں بھی جاؤ لیکن جانا پڑے گا تمہیں۔"

"ٹھیک ہے پاپا' جون کے دوسرے یا تیسرے ہفتے میں.........."

"جون میں نہیں' اسی مہینے جانا ہوگا۔"

مسعود نے چپ سادھ لی۔ اکلوتا بھی تھا اور لاڈلا بھی لیکن باپ کا ہر لہجہ پہچانتا تھا۔ سمجھ گیا کہ اب ہیر پھیر کی کوئی گنجائش نہیں' اس لہجے کے بعد تو وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے۔

"بس جلدی سے روانگی کی تیاری کرلو۔"

"بہت بہتر پاپا!"

☆------☆------☆

لبنیٰ پُرتشویش نگاہوں سے مسعود کو دیکھ رہی تھی' جو بے حد پریشان دکھائی دے رہا تھا اور پریشانی کا سبب بتانے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔ "تو تم یوں نہیں مانو گے مچھو!" اس نے مسعود پر آنکھیں نکالیں۔

"نہیں چلے گا۔ یہ مچھو وچھو نہیں چلے گا' اب میں تمہارا شوہر ہوں۔" مسعود نے بگڑ کر کہا۔

"شوہر بننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دُم نکل آئی ہے تمہاری۔ میں تو تمہیں پہلے ہی کی طرح پکاروں گی.......... مچھو۔"

"اچھا یہ بات ہے۔ سوتے میں تمہارے سر کو بالوں سے محروم نہ کردیا تو میرا نام.........."

"مچھو نہیں۔" لبنیٰ نے ہنستے ہوئے گویا جملہ پورا کیا۔ "خیر چھوڑو۔ اب نہیں کہوں گی مچھو لیکن یہ تو بتاؤ کہ پریشان کیوں ہو؟"

"پاپا کا کہنا ہے کہ ابھی ہماری شادی مکمل نہیں ہوئی ہے۔" مسعود نے دلگیر لہجے میں بتایا۔

"کیا.......... کیا مطلب؟" لبنیٰ گڑبڑا گئی۔ "کیا اب ایکشن ری پلے بھی ہوگا شادی کا؟"

"یہ سب تمہاری شرارتوں کا نتیجہ ہے۔" مسعود نے غصے سے کہا۔ "تمہیں اتنا خیال بھی نہیں کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔ اب تم پر کچھ ذمے داریاں بھی ہیں۔ تمہیں لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے۔"

"تو کیا میری شرارتوں کی وجہ سے شادی نامکمل رہ گئی ہے؟"

"اور کیا؟" مسعود نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری شرارتیں بڑھ گئی ہیں بلکہ ناقابلِ برداشت بھی ہوگئی ہیں۔" لبنیٰ بولی۔ "بہرحال' یہ بتاؤ کہ اب کیا ہوگا؟ انکل کیا کہتے ہیں؟"

"ان کا حکم ہے کہ کہیں ہنی مون کے لئے جانا ہوگا۔"

"واہ!" لبنیٰ کھل اٹھی۔ "تب تو مزہ آگیا۔"

"مزہ آگیا.........." مسعود نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری۔ "یہاں ذرا سی ٹھنڈ لگ جائے تو چھینک چھینک کر برا حال کردیتی ہو' چلی ہو پہاڑ پر ہنی مون منانے۔ قلفی جم جائے گی۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" لبنیٰ پریشان ہوگئی۔ "اب کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم پہاڑ پر جائیں گے۔ وہاں تمہیں نمونیا ہوگا پھر تم ٹیں ہوجاؤ گی اور میں بیوہ.......... نہیں بیوہ نہیں' خدا جانے کیا کہتے ہیں اسے.......... خیر' میں جیسے تیسے تمہارا سوگ مناؤں گا پھر میری دوسری شادی ہوگی اور مجھ پر دوبارہ ذمے داریاں آپڑیں گی۔"

"اور اس کے نتیجے میں تم بھی مرجاؤ گے۔" لبنیٰ نے بے حد جل کر کہا پھر اچانک ہی اس کا لہجہ بدل گیا۔ "جان بچانے کی کوئی صورت نکالو نا پلیز!" وہ گھگیانے لگی۔

دونوں کچھ دیر بڑی سنجیدگی سے صلاح مشورہ کرتے رہے پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔ "تم تیاری کرلو جلدی سے۔ ہم آج ہی چلیں گے۔" مسعود نے کہا۔

"ایک سوٹ کیس کافی ہوگا؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"بالکل۔ زیادہ سامان کا کیا کرنا ہے؟"

ایک گھنٹے بعد وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلے۔ نیچے ملازمہ نصیبن ڈرائنگ روم کی صفائی میں مصروف تھی۔ "ہم جا رہے ہیں۔" مسعود نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے بہ آوازِ بلند اعلان کیا۔

"کک.......... کیا.......... کہاں جا رہے ہیں چھوٹے سرکار!" نصیبن ہکلائی۔

مسعود کی آواز کچن میں نصیرے تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ بھاگتا ہوا آیا "کہاں.......... کہاں چلے چھوٹے سرکار!" اس نے سوٹ کیس کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔ اردو میں اسے نہ جانے کیا کہتے ہیں، بہرحال ہم ہنی مون منانے جا رہے ہیں۔"

"اللہ مبارک کرے۔" نصیرے نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "آپ دونوں کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا لیکن جلدی نہ آیئے گا۔ یہاں کی فکر نہ کریں، میں موجود ہوں۔ سب سنبھال لوں گا۔ آب وہوا کی تبدیلی کا اثر فوراً نہیں پڑتا چھوٹے سرکار، دو تین مہینے میں تو پانی راس آتا ہے کہیں۔"

"میں سب سمجھ رہی ہوں۔" لبنیٰ نے دانت پیس کر کہا۔ "واپس آ کر خبر لوں گی تمہاری۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں چھوٹی بی بی۔ مجھے تو آپ کی چائے.......... میرا مطلب ہے سوپ یاد آ رہا ہے۔ میرا دل رو رہا ہے آپ لوگوں کے جانے سے لیکن بات آپ کی خوشی کی ہے.........."

"بات آپ کی خوشی کی ہے۔" لبنیٰ نے اس کی نقل اتاری۔

"وہ چھوٹے سرکار.......... اتنا سا سامان؟" نصیرے نے جلدی سے موضوع بدلا۔

"ہاں۔ یہ بہت کافی ہے ہمارے لئے۔" مسعود نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ کہتے ہیں تو کافی ہی ہو گا۔" نصیرے کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "ویسے زیادہ سامان لے جاتے تو اچھا تھا، مجھے اطمینان رہتا۔"

"ابے تیرے اطمینان کی کیا اہمیت ہے۔" مسعود نے بھنا کر کہا۔ "تُو تو اس وقت مطمئن ہو گا کہ ہم پورا گھر ہی اٹھا کر لے جائیں۔ ابے ہم کوئی عمر بھر کے لئے جا رہے

ہیں.......... اور میں جانتا ہوں، تو نے ہی سب سے زیادہ شکایتیں کی ہیں ہماری۔"

"قسم لے لیجئے سرکار! میں نے کوئی شکایت نہیں کی۔" نصیرا گھبرا کر بولا۔ "میں نے تو بس بڑے سرکار کو ویسی چائے بنا کر دی تھی، جیسی چھوٹی بی بی جی نے مجھے پلائی تھی۔"

"غضب خدا کا؟" لبنیٰ نے سر پیٹ لیا۔ "یہ کیا، کیا تم نے؟"

"مجھے تو وہ چائے اچھی لگی تھی چھوٹی بی بی!" نصیرے نے بڑی معصومیت سے کہا۔

مسعود کی سمجھ میں کچھ آیا، کچھ نہیں آیا۔ اس نے لبنیٰ کو گھور کر دیکھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔ مسعود نصیبن سے مخاطب ہو گیا۔ "بوا.......... پاپا کہاں ہیں؟"

"آفس گئے ہیں۔"

"اور ممی؟"

"وہ بازار گئی ہیں۔"

"بہت خوب۔ انہیں بتا دینا کہ ہم ہنی مون پر چلے گئے ہیں۔" مسعود نے نصیبن سے کہا پھر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے لبنیٰ سے بولا۔ "بس فٹافٹ نکل چلو۔"

"لایئے سرکار، سوٹ کیس میں اٹھا لوں۔" نصیرا تیزی سے آگے بڑھا۔

"بس رہنے دے۔ اب ہم اپنا ہر کام خود کیا کریں گے۔"

وہ دونوں صدر دروازے سے نکل آئے۔ مسعود نے عقب میں قدموں کی چاپ سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو نصیرا ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے نصیرے پر آنکھیں نکالیں۔

"رشید سے گاڑی نکلواؤں آپ کے لئے؟"

"کوئی ضرورت نہیں، ہم پیدل جائیں گے۔"

"جی..........؟" نصیرے نے حیرت سے کہا۔ "اچھا۔ میں آپ کو اسٹیشن چھوڑ آتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں، بس تو واپس چلا جا۔"

"بہت بہتر چھوٹے سرکار! لیکن بڑے سرکار مجھے کھا جائیں گے۔" نصیرے نے مری مری آواز میں کہا۔

"جا کر کھانا پکائے گا تو نہیں کھائیں گے، کھانا نہیں پکا تو یقیناً تجھے کھا جائیں گے۔"

مسعود نے کہا اور لبنیٰ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ نصیرا اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ وہ دونوں گیٹ سے نکل گئے۔

مالی نے انہیں اس طرح جاتے دیکھا تو جلدی سے نصیرے کی طرف لپکا۔ "کیا ہوا؟ چھوٹے سرکار چھوٹی بی بی کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہنی مون منانے۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"پتا نہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔" نصیرے نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"تجھے انہیں چھوڑ کر آنا چاہئے تھا۔" مالی نے کہا پھر پوچھا۔ "گاڑی میں کیوں نہیں گئے؟"

"کہتے تھے، پیدل جائیں گے۔"

"تب تو کہیں قریب ہی گئے ہوں گے۔" مالی نے بے حد مایوسی سے کہا۔

☆------☆------☆

شبو کے ہاتھ سے ایش ٹرے چھوٹ گئی۔ فضا میں چھناکے کی آواز گونجی

"بب........ بی بی صص........ صاحب آپ!" وہ بری طرح ہکلائی۔

"میں ڈیڈی سے کہہ کر تیرا آپریشن کرادوں گی۔" لبنیٰ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کک........ کیسا آپریشن؟"

"گھگی کا!" لبنیٰ نے کہا۔ "تیری گھگی نکلوانا بہت ضروری ہے۔ وقت بے وقت بند ہو جاتی ہے۔"

اسی وقت مشہود صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ "کیا ہوا؟ یہ آواز کیسی تھی؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں پہلے لبنیٰ پھر مسعود دکھائی دیا، جس کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ "یہ کیا؟" وہ ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔ "کب آئے تم لوگ؟ پتا ہی نہیں چلا اور یہ سوٹ کیس........؟"

لبنیٰ نے ملتجی نگاہوں سے مسعود کو دیکھا۔ "السلام علیکم چچا جان۔ دراصل ہم یہاں ہنی مون منانے آئے ہیں۔" مسعود نے کہا۔ "پاپا کا حکم ہے کہ ہم کم از کم ایک مہینہ ہنی مون منائیں۔"

"گدھے ہو تم!" مشہود صاحب نے کہا لیکن ان کے لہجے میں شفقت تھی۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہنی مون کے اس ہنگامی حکم کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ "بھائی جان کا مطلب ہے کہ تم لوگ کم از کم ایک مہینہ شہر سے باہر رہ کر تفریح کرو۔ اچھا........ یہ سوٹ کیس رکھو اور سکون سے بیٹھو، میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔"

مسعود نے جلدی سے سوٹ کیس رکھا اور قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "بات یہ ہے چچا جان کہ ہمیں تفریح کے لئے اس شہر سے باہر جانے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا بہت اچھا گزارہ ہو رہا ہے۔"

"لیکن بھائی جان تمہیں اور طرح کی تفریح کرانا چاہتے ہیں۔"

"مگر ڈیڈی! ہم جائیں گے کہاں؟" لبنیٰ نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ وہ بدستور کھڑی تھی۔

"کسی پُر فضا پہاڑی مقام کا رخ کرو۔ میرے خیال میں مری چلے جاؤ تو سب سے اچھا ہے۔"

"اتنی سردی میں؟"

"ارے کچھ نہیں ہوتا سردی سے۔ دنیا جاتی ہے برف باری دیکھنے۔" مشہود صاحب نے کہا۔ "بہت لطف آتا ہے۔"

"اوہ........ میں نے برف باری بھی نہیں دیکھی۔" مسعود کو پہلی بار ہنی مون میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

"لیکن میرا زکام........ چھینکیں........ نمونیا!" لبنیٰ نے احتجاج کیا۔

"کچھ نہیں ہوتا بیٹے!" مشہود صاحب نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔ "یقین کرو، تمہیں لطف آ جائے گا۔ اب سکون سے بیٹھو، رات کا کھانا کھا کر واپس جانا۔"

"واپس چلے جانا!" مسعود نے کراہتے ہوئے دہرایا پھر اس نے سوالیہ نظروں سے لبنیٰ کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ شبو اب نسبتاً مطمئن نظر آ رہی تھی۔

☆------☆------☆

مقصود صاحب اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ نصیرا بڑے سنسنی آمیز لہجے میں انہیں مسعود اور لبنیٰ کی ہنی مون کے لئے روانگی کا احوال سنا رہا تھا۔ "بڑے سرکار! انہوں نے

مجھے سوٹ کیس بھی نہیں اٹھانے دیا۔ کہنے لگے' اب ہم اپنا کام خود کیا کریں گے۔"

"بے حد تشویش ناک مکالمہ ہے۔" مقصود صاحب نے کہا۔ بیگم صاحبہ پریشان ہونے لگیں۔

"پھر میں نے کہا کہ رشید سے گاڑی نکلواؤں تو بولے' نہیں......... ہم پیدل چلے جائیں گے اور بڑے سرکار......... مجھے اسٹیشن تک ساتھ بھی نہیں چلنے دیا۔"

"پاگل ہوگیا ہے؟ کیسا اسٹیشن' کہاں کا اسٹیشن؟ صاف پتا چل رہا ہے کہ وہ کہیں قریب ہی گئے ہیں۔ بھئی میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔"

"میں کہتی ہوں' تلاش کریں انہیں۔" بیگم صاحبہ تشویش آمیز لہجے میں بولیں۔ "یہ سب آپ کے جبر کا نتیجہ ہے۔"

مقصود صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ مسعود اور لبنیٰ کا نزول ہوا۔ مسعود کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ "یہ لیجئے......... آگئے یہ دونوں۔" مقصود صاحب نے بیگم سے کہا پھر وہ مسعود کی طرف مڑے۔ "کہاں چلے گئے تھے تم؟" انہوں نے گرج کر پوچھا۔

"جی ہنی مون منانے۔" مسعود نے بے حد معصومیت سے کہا۔

"ہنی مون نہ ہوا' فلم شو ہوگیا۔" مقصود صاحب جھلا کر بولے۔ "چھ بجے گئے اور رات نو بجے آگئے' کہاں گئے تھے ہنی مون منانے؟"

"وہ پاپا......... چچا جان کا لان بہت سرد' خوبصورت اور سرسبز مقام ہے۔ ہم تو وہاں ایک مہینہ گزارتے لیکن انہوں نے کھانا کھلا کر رخصت کردیا۔"

"بہت اچھا کیا انہوں نے۔ دیکھو صاحبزادے! میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تمہیں کم از کم ایک مہینہ شہر سے باہر گزارنا ہے۔ خود سے نہیں جاؤ گے تو بلٹی کرادوں گا تمہاری۔"

"جی بہتر۔" مسعود نے مرے مرے لہجے میں کہا اور نصیر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆======☆======☆

وہ دونوں مسعود کے سب سے گہرے اور بے تکلف دوست شاکر کے پاس بیٹھے تھے۔ شاکر ان کی الم ناک روداد سن کر بہت ہنسا۔ مسعود سخت نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے' مجھے پتا چل گیا ہے کہ دوست ایسے ہوتے ہیں۔ تم پر یہ سب

گزرتی تو پتا چلتا۔"

"پتا تو اب بھی چل رہا ہے۔" شاکر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تو مجھے شادی کے نام سے ہی خوف آنے لگا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب میرا کیا ہوگا؟ اب قبول ہے' قبول ہے' قبول ہے تو واپس نہیں ہوسکتا۔"

"میرے بس میں ہوتا تو پہلی فرصت میں تمہارے منہ پر مارتی تمہارا قبول ہے۔" لبنیٰ نے بھنا کر کہا۔

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تمہاری ہی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔" مسعود نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں۔ یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"تم لوگ تو لڑنے لگے۔" شاکر نے مداخلت کی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں تم دونوں کا کیا قصور ہے؟"

"اس مچھونے لان کو پاگل کردیا تھا' یہ اسی کا نتیجہ ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"ناممکن۔ میں نے تو مفت میں پورے گھر کو ایک تبدیلی فراہم کی تھی......... چینج آف سینری۔ اسے تو سراہا جانا چاہئے۔" مسعود بولا۔ شاکر کا منہ کھلا دیکھ کر اس نے لان کو پاگل کرنے کی وضاحت کی۔ شاکر ہنستے ہنستے بے حال ہوگیا۔ "ساری خرابی اس لبنیٰ کی پیدا کردہ ہے۔" مسعود نے کہا۔ "اس کی وجہ سے پاپا کو مسالے والی بگھار لگی چائے پینی پڑی تھی۔"

"میں نے وہ چائے تایا جان کو نہیں' نصیر کو پلائی تھی۔" لبنیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا' میں صادقہ کے گھر جارہی ہوں۔ جاتے ہوئے مجھے پک کرلینا۔"

اس کے جانے کے بعد شاکر نے سنجیدہ لہجے میں مسعود سے کہا۔ "ویسے اب تم لوگوں کو یہ لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے' سنجیدگی اختیار کرو۔"

"یعنی خشک' بے رنگ اور بور زندگی گزار دوں' یہ ہوتی ہے شادی؟"

"شادی کے نتیجے میں تمہیں محبت جو مل گئی۔ اب تمہیں لبنیٰ کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"سب یہی کہتے ہیں۔" مسعود نے آہ بھر کے کہا۔ "حالانکہ لبنیٰ کو اس کی ضرورت

نہیں۔ وہ خود اپنا خیال رکھ سکتی ہے اور یہ جو تم محبت کی بات کرتے ہو تو سچ یہ ہے کہ میں بچپن سے ہی لبنٰی کے ساتھ رہا ہوں' فطری طور پر انسیت ہے اس سے اور بس۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔" وہ کہتے کہتے رکا۔ "بلکہ یہ تو شاید ہم دونوں ہی کو معلوم نہیں کہ محبت ہوتی کیا ہے۔"

"بس تو یہی مسئلہ ہے تم دونوں کا۔" شاکر نے کہا۔ "تم شادی کے بعد بھی میاں بیوی نہیں' ایک دوسرے کے لئے وہی ہو جو پہلے تھے لیکن شادی کے نتیجے میں تم سمجھتے ہو کہ بلاوجہ تمہاری آزادی سلب ہوگئی ہے اور اس کے بدلے تمہیں کچھ بھی نہیں ملا۔"

"یہی بات ہے۔" مسعود نے بہت جوش سے کہا۔ "اور یہی واقعہ بھی ہے۔"

"تم دونوں کو ایک دوسرے کی محبت دریافت کرنا ہوگی۔"

"وہ کیسے ہوگی بھائی؟" مسعود نے آہ بھر کے کہا۔ "ہم دونوں کو یقین ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے بالکل محبت وحبت نہیں ہے۔"

"محبت ہوگی تو کسی بحران میں' کسی مشکل گھڑی میں' کسی آزمائش میں ابھر آئے گی.......... اس طرح کہ تم انکار نہیں کرسکو گے۔ پھر تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ تم اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوجاؤ گے۔" شاکر نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"تم پتا نہیں کہاں کی ہانک رہے ہو۔"

شاکر نے اس کی سنی اَن سنی کردی۔ "انکل نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔" اس نے کہا۔ "جانے پہچانے ماحول سے دور رہ کر شاید تم دونوں خود کو اور ایک دوسرے کو دریافت کرلو اور محبت بھی تم پر منکشف ہوجائے۔ یہاں تو یہ کام آسان نہیں۔"

"خدا جانے' کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"اسے چھوڑو۔ میرا مشورہ مانو اور ڈٹ کر ہنی مون مناؤ۔" شاکر نے کہا۔ "مری میں ہمارا بہت خوبصورت بنگلہ ہے' جو عام طور پر خالی رہتا ہے۔ میں تمہیں پتا بتا دوں گا' اچھی طرح سمجھا دوں گا اور بنگلے کے منتظم شاہد کو ٹیلی گرام کردوں گا۔ وہاں تمہیں بہت لطف آئے گا۔ تمام سہولتیں ملیں گی' کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"اور سردی؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ سردی کہاں نہیں ہوتی۔ بس ذرا تیاری کے ساتھ جانا۔

یقین کرو برف باری میں مزہ آجائے گا۔ لوگ اس موسم میں پہاڑ پر جانے کو ترستے ہیں۔ دراصل سردیوں میں بیشتر ہوٹل بند ہوجاتے ہیں۔ عام طور پر صرف وہی لوگ جاتے ہیں' جن کی وہاں کوئی اپنی قیام گاہ ہو۔ میں تو کئی بار جاچکا ہوں' وہاں سے واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

مسعود کا دل للچانے لگا۔ "اچھا' تب تو ٹھیک ہے۔ تو ٹیلی گرام کب کرو گے بنگلے کے منتظم کو؟"

"کل ٹیلی گرام کروں گا' تم لوگ پرسوں روانہ ہوجاؤ۔"

دوسری طرف لبنٰی سے اس کی سہیلی صادقہ نے بھی کچھ اسی قسم کی گفتگو کی تھی۔ اس نے بھی اسے مسعود کے ساتھ مری جانے کا مشورہ دیا تھا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں وقت گزار سکیں۔

واپسی پر مسعود نے صادقہ کے گھر سے لبنٰی کو پک کرلیا' جو شاکر کے گھر سے تین چار گھر چھوڑ کر رہتی تھی۔ اس نے لبنٰی کو بتایا کہ انہیں مری جانا ہی پڑے گا۔ گھر پہنچنے تک دونوں محبت کے بارے میں سوچتے رہے لیکن اس کے بعد یہ خیال ان کے دل سے محو ہوگیا۔

☆------☆------☆

وہ ٹرین کے ذریعے راولپنڈی پہنچے۔ سفر کے دوران سردی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا اور اسی حساب سے ان کا اپنا وزن بھی بڑھ رہا تھا.......... کپڑوں کی وجہ سے۔ راولپنڈی پہنچتے پہنچتے سردی اور تھکن نے انہیں نڈھال کردیا تھا۔

"لو.......... اب فوراً مری پہنچنے کی فکر کرنی ہے۔" مسعود نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک دن یہاں کسی ہوٹل میں قیام نہیں کرسکتے۔" لبنٰی کے لہجے میں اضمحلال تھا۔

"نہیں۔ اس صورت میں ہم مری کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔" مسعود نے جواب دیا۔ "اپنا تو یہ حال ہے کہ حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے' بیٹھ گئے۔ ایک بار بستر پر ٹک گیا تو میں تین دن تک تو اٹھنے والا نہیں ہوں۔"

"تو ضرورت کیا ہے مری جانے کی؟" لبنٰی جھنجلا گئی۔ "ہنی مون تو یہاں بھی ہوسکتا

ہے۔"

"ضرورت یوں ہے محترمہ کہ پاپا جان نے بہت محدود زادِ راہ عطا فرمایا ہے۔ کہہ رہے تھے' اب تم لوگوں کو بجٹ بنا کر اس کے مطابق زندگی گزارنا سیکھ لینا چاہئے۔ یہ تربیت ہو رہی ہے ہماری۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ مری میں قیام و طعام مفت رہے گا۔ راولپنڈی میں ٹکے تو چار دن میں کنگال ہو جائیں گے اور پاپا نے واضح کر دیا ہے کہ ایک ماہ سے پہلے ہم گھر میں قابلِ قبول نہیں ہوں گے' سمجھیں کچھ؟"

"سمجھ گئی' مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو ہرگز نہ کرتی شادی۔"

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔" مسعود نے گنگنا کر کہا اور پھر اچانک پریشان نظر آنے لگا۔ "لیکن ایک دو گھنٹے کے لئے تو کچھ کرنا ہی ہو گا۔ خیر' دیکھا جائے گا۔ ویٹنگ روم سے کام چلائیں گے۔"

"کیا مطلب؟ کہاں کی ہانک رہے ہو؟" لبنیٰ گڑبڑا گئی۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ دراصل تمہاری پیکنگ بہت پرانی ہو گئی ہے اور نظروں کو بری لگنے لگی ہے۔" مسعود نے منہ بنا کر کہا۔

"یہی دستور ہے مردوں کا۔" لبنیٰ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شادی کے بعد سب کچھ برا لگنے لگتا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ میں نے تو شادی سے پہلے بھی کبھی تمہیں اچھا نہیں کہا اور اس وقت برا بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔ پیکنگ سے میری مراد وہ دو سوئٹر' ایک جیکٹ اور ایک کوٹ ہے جو تم نے اپنے جسم پر چڑھا رکھے ہیں۔ یقین کرو' بلٹ پروف لگ رہی ہو۔"

"خود کو بھی دیکھ لو ایک نظر۔"

مسعود نے سنی ان سنی کر دی۔ "اس وقت اپنا وزن کرا لو تو سیدھا سلمنگ کلینک کا رخ کرو گی۔ خیر' اب جلدی سے پیکنگ تبدیل کرو اپنی۔"

"یہ پیکنگ پیکنگ کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔" لبنیٰ چڑ گئی۔

"اچھی پیکنگ ہر پروڈکٹ کے لئے اہم ہوتی ہے۔ پیکنگ ذرا ناقص ہوئی اور پروڈکٹ کی مارکیٹ ویلیو صفر.........."

"میں پروڈکٹ ہوں؟" لبنیٰ نے آنکھیں نکالیں۔

"اور کیا.......... چچا جان اینڈ ہزوائف لمیٹڈ کا پروڈکٹ ہو تم۔"

"اچھا' فضول باتیں مت کرو۔" لبنیٰ نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر لیڈیز روم کی طرف چل دی۔

اسٹیشن پر اترنے کے ایک گھنٹے بعد وہ شاکر کی ہدایت کے مطابق لاری اڈے پہنچے۔ موسم کی وجہ سے مری جانے والی ویگنیں کم ہی تھیں۔ وہیں ایک فربہ اندام شخص نیلی ڈاٹسن کار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ ان کی طرف لپکا۔ "کہاں جانا ہے صاحب جی!" اس نے مسعود سے پوچھا۔

"مری جانا ہے۔" مسعود نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ دو بیگ اب بھی اس کے کندھوں سے لٹک رہے تھے۔ ایک بیگ لبنیٰ کے پاس تھا۔

"آئیے.......... میں لے چلوں گا۔"

"کتنے پیسے لو گے؟" مسعود نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"تین سو روپے دے دیجئے گا۔"

"تین سو؟" مسعود نے آنکھیں پھیلا کر حیرت ظاہر کی۔ "مذاق کر رہے ہو؟"

"نہیں صاحب جی۔ ویگن والے اسی روپے لیں گے مگر دیر لگائیں گے' کار میں آرام رہے گا۔"

"لیکن.........."

لبنیٰ نے مسعود کو گھور کر دیکھا۔ "میرے بس کا نہیں ہے ویگن کا سفر۔"

"لیکن میرا بجٹ!؟"

"جہنم میں جائے بجٹ۔"

"ٹھیک ہے' خوب عیاشی کر لو۔" مسعود کراہا۔

"لائیے.......... آپ کا سامان ڈگی میں رکھ دوں۔" فربہ اندام ڈرائیور نے کہا۔ سامان ڈگی میں رکھنے کے بعد اس نے بڑے احترام سے ان کے لئے دروازہ کھولا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد وہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی آگے بڑھ گئی۔

ڈیڑھ گھنٹے کا وہ سفر بے حد خوف ناک ثابت ہوا۔ انہیں پہلی بار معلوم ہوا کہ

پہاڑی سڑکیں ایسی ہوتی ہیں۔ سڑک کے ایک جانب بلند و بالا پہاڑ کی عمودی دیوار تھی۔ دوسری طرف گہری کھائیاں اور مہیب کھڈ۔ لبنیٰ نے صرف ایک بار باہر جھانکا تھا۔ اس کے بعد وہ سہم سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے بلندی سے ویسے ہی خوف آتا تھا۔ البتہ مسعود اس سفر سے پوری طرح محظوظ ہو رہا تھا۔

ڈرائیور بہت باتونی تھا۔ پہاڑی سفر شروع ہوتے ہی اس نے باتیں شروع کردی تھیں۔ "آپ لوگ یہاں پہلی بار آئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

مسعود نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں........."

"تمہارا سوال نامکمل ہے۔" لبنیٰ نے جلدی سے کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلی اور آخری بار آئے ہیں۔"

"یہ تو ممکن نہیں بیگم صاحبہ' جو ایک بار یہاں آجائے' اس کا واپس جانے کو دل نہیں چاہتا۔ پھر وہ بار بار یہاں آتا ہے۔"

"مجھے تو اب تک ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔" لبنیٰ نے منہ بنا کر کہا۔

"نیچے وادی میں جھانک کر دیکھیے۔ یہ جگہ سیاحوں کی جنت کہلاتی ہے۔"

"کھڈ میں گرنے کے بعد کہلاتی ہوگی۔" لبنیٰ نے بے زاری سے کہا۔

"اوہ......... شاید آپ ڈر رہی ہیں۔" ڈرائیور نے برا مانے بغیر کہا۔ "خیر مری چل کر دیکھ لیجیے گا۔" پھر وہ مسعود سے مخاطب ہوا۔ "آپ لوگ ٹھہریں گے کہاں؟"

"میرے ایک دوست کا بنگلا ہے مری میں۔" مسعود نے جواب دیا۔ "فلک سیر نام ہے بنگلے کا۔ ہم وہیں ٹھہریں گے۔"

"فلک سیر!" ڈرائیور بری طرح چونکا۔

مسعود نے عقب نما آئینے میں اس کے عکس کو بغور دیکھا۔ "کیوں......... کیا بات ہے؟ تم فلک سیر کا نام سن کر چونکے کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں صاحب جی۔"

"کچھ تو ہے۔" مسعود نے اصرار کیا۔

"میرا خیال ہے' آپ اس بات کی کوئی پروا نہیں کریں گے۔" ڈرائیور نے کہا "حالانکہ بیگم صاحبہ کی وجہ سے آپ کو خیال کرنا چاہیے۔"

اب تو لبنیٰ کے بھی کان کھڑے ہوگئے۔ "کیا بات ہے؟ کھل کر بتاؤ۔"

"وہ جی بیگم صاب' اس بنگلے میں آسیب ہے۔"

"آسیب!" لبنیٰ نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "واہ۔ میں نے کبھی آسیب نہیں دیکھا۔ اب لطف آئے گا یہاں۔"

ڈرائیور نے برا منہ بنایا اور ہونٹ بھینچ لیے۔ مسعود کے چہرے پر پریشانی کا تاثر تھا۔ "کیسا آسیب ہے بھائی! خطرناک ہے کیا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ لوگ تو ایسے بات کررہے ہیں صاحب جیسے آسیب بھی کوئی مذاق ہو۔" ڈرائیور نے چڑچڑے پن سے کہا۔ "آسیب تو ہوتا ہی خطرناک ہے۔"

"پھر بھی' ہمیں بتاؤ تو کہ کتنا خطرناک ہے......... کیسا خطرناک ہے؟"

"وہ جی میں تفصیل تو نہیں بتا سکتا۔ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ کوئی اس طرف جاتا ہی نہیں۔ شکر ہے' بنگلا آبادی سے ہٹ کر ہے۔"

"یہ آسیب وغیرہ ایسی جگہیں پسند کرتے ہیں' تنہائی پسند جو ہوئے۔" مسعود نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"اور کیا!" لبنیٰ نے جلدی سے تائید کی۔ "تاکہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے اور ڈسٹرب کرے تو یہ نقل مکانی کرجاتے ہیں۔"

"آپ لوگ عجیب باتیں کررہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں آپ کی باتیں۔"

"ہم لوگ خود آسیب ہیں......... ڈیڑھ آسیب!" مسعود نے ڈرائیور کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ میری بیوی مکمل آسیب ہے......... مکمل اور پیدائشی۔ اس کا آسیب اس کے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا۔ مجھے آسیب اس سے لگا ہے......... چودہ سال کی عمر میں۔ یہ آسیب بھی چھوت کی بیماری ہوتا ہے۔ ہم لوگ علاج کے سلسلے میں یہاں بھیجے گئے ہیں۔"

ڈرائیور ہنسنے لگا۔

"مذاق سمجھ رہے ہو۔ ذرا میری بیوی کی آنکھیں دیکھو۔"

ڈرائیور نے اضطراری طور پر عقب نما آئینے میں لبنیٰ کو دیکھا' جو مسعود کی بات سنتے ہی بھینگی ہوگئی تھی۔ اس نے آنکھوں میں وحشت لانے کی کوشش بھی کی تھی۔ "خیر مجھے

کیا' آپ لوگ جانیں۔" ڈرائیور نے منہ بنا کر کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ گاڑی اب مری کی حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ سڑک کے اطراف میں بڑی' جدید طرز کی دکانیں تھیں لیکن اس وقت سب بند تھیں۔ شاید اس لئے کہ یہ موسم گرما نہیں تھا' جو مری میں سیزن کہلاتا ہے۔ پھر انہیں کچھ ہوٹل نظر آئے۔ ان میں سے بھی بیشتر بند تھے۔ سڑک پر بھی رونق نہیں تھی۔ البتہ مقامی لوگ نظر آرہے تھے۔

"اب ایسا ہے صاحب کہ میں آپ کو ہوٹل لے چلتا ہوں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ہرگز نہیں!" مسعود بری طرح بدکا۔

"صاحب جی' یقین کریں وہ بنگلا خطرناک ہے۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میرے بجٹ میں ہوٹل کی کوئی گنجائش نہیں۔ بابا نے ہمیں اتنے پیسے ہی نہیں دیئے۔"

"اس موسم میں کمرے کا کرایہ زیادہ نہیں ہوگا۔ میرے ایک دوست کا اپنا ہوٹل بھی ہے۔ وہ آپ کے ساتھ خاص رعایت کرے گا۔"

"اے ڈرائیور صاب.......... ہم لوگ خیراتی نہیں ہیں۔" مسعود نے سخت برا مانتے ہوئے کہا۔ "تم بس ہمیں فلک سیر لے چلو۔"

"بہت بہتر صاب!" ڈرائیور نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ کی اجازت چاہتا ہوں۔" وہ کار سے اترا اور ایک طرف چلا گیا۔ مسعود اور لبنیٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ڈرائیور پانچ منٹ بعد واپس آیا۔ "زمانہ ہی ایسا ہے صاب!" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کسی کو اس کی ضرورت پر قرض دو اور پھر یوں مانگو جیسے خیرات مانگ رہے ہو اور اس کے بعد بھی اپنا پیسہ قسطوں میں واپس ملتا ہے۔"

بازار سے نکلنے کے بعد ایک دوراہا آیا۔ ایک سڑک آبادی کی طرف جارہی تھی اور دوسری پہاڑی سڑک تھی۔ ڈرائیور نے کار کو پہاڑی سڑک پر موڑ لیا۔ کوئی تین کلومیٹر کی ڈرائیو کے بعد سڑک کی داہنی جانب ایک بنگلے کا ایک رخ نظر آیا۔ "یہی ہے جناب فلک سیر!" ڈرائیور نے بتایا۔

ڈرائیور نے اتر کر ڈگی کھولی اور ان کا سامان نکالا۔ اس دوران وہ بنگلے کا جائزہ لیتے

رہے۔ بنگلا بے حد خوبصورت تھا۔ سامنے کے رخ پر بلند محرابی کھڑکیاں تھیں۔ صدر دروازہ بھی محرابی تھا۔ سامنے کے رخ پر عمارت کے آگے لان تھا۔ باہر لوہے کا جالیوں والا دروازہ تھا۔

"صاحب جی' اتار دیا ہے آپ کا سامان۔" ڈرائیور نے انہیں چونکا دیا۔

مسعود نے سامان پر نظر ڈالی پھر اس نے اسے تین سو روپے دیئے۔ ڈرائیور نے شکریہ ادا کیا اور نوٹ جیب میں رکھ لئے۔ اسی وقت لوہے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی نمودار ہوا۔ وہ شلوار قمیض اور اونی واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں پشاوری چپلیں اور سر پر گرم ٹوپی تھی۔ "آپ ماسود میب ہے؟" اس نے مسعود سے پوچھا۔

مسعود کو یہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی کہ وہ اس کا نام لے رہا ہے۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ بنگلے کے منتظم اور نگران شاہد کے بارے میں اس کا تصور بالکل مختلف تھا۔ "تم شاہد ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں' شاہد صایب باہر گیا ہوا ہے۔ وہ ام کو چابی دے گیا تھا۔ ام کو معلوم تھا کہ آپ لوگ آنے والا ہے' امارا نام نصیب خان ہے۔"

ڈرائیور کار لے کر رخصت ہوگیا۔ نصیب خان نے اس کا سامان اٹھایا اور بنگلے میں داخل ہوگیا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ بنگلا ایک منزلہ لیکن بے حد کشادہ اور وسیع تھا۔

"ام نے صفائی پہلے ای کردیا تھا۔" نصیب خان نے فخریہ لہجے میں کہا پھر وہ انہیں بیڈ روم میں لے آیا۔ "یہ آپ کا کمرا ہے۔" اس نے سامان رکھتے ہوئے کہا۔ "آیئے میرے ساتھ۔ ابی میں آپ کو بنگلا دکھادوں۔"

سب سے پہلے وہ انہیں کچن میں لے گیا۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ فریج بھی بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ مسعود کے خیال میں وہاں فریج کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نصیب خان نے انہیں دوسرے کمرے دکھائے۔ پہلی بار انہیں پتا چلا کہ بنگلے کے عقبی حصے میں بھی کمرے ہیں جن کی کھڑکیاں دوسرے رخ پر کھلتی ہیں۔ عقبی حصے میں چار کمرے تھے۔ ہر کمرا پوری طرح آراستہ اور استعمال کے قابل تھا۔

کونے والے کمرے میں پہنچ کر لبنیٰ ٹھٹک گئی۔ "ارے.......... یہ کیا؟" اس کے

منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیا ہوا؟" مسعود نے پوچھا۔

"عجیب بات ہے' یہاں ٹیرس بھی ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

مسعود نے کمرے کا جائزہ لیا اور خود بھی چونک پڑا۔ کمرے کی کھڑکیاں سامنے والے حصے کی طرف بلند اور محرابی طرز کی تھیں۔ کمرے کے بائیں بازو میں دو کھڑکیاں تھیں اور انتہائی بائیں جانب ایک محرابی دروازہ تھا۔ دروازہ بند تھا لیکن شیشوں سے صاف دیکھا جاسکتا تھا کہ دروازہ ٹیرس کی طرف کھلتا تھا۔ ٹیرس کی ریلنگ بھی صاف ستھری نظر آرہی تھی۔

لبنیٰ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور ٹیرس پر قدم رکھا۔ مسعود اس کے ساتھ تھا۔ دونوں ریلنگ کی طرف بڑھے۔ لبنیٰ نے ریلنگ کے پاس پہنچ کر نیچے دیکھا.......... اور اسے چکر آگئے۔ اگر مسعود حاضر دماغی سے کام لے کر اسے اپنی طرف نہ کھینچ لیتا تو وہ یقیناً گر گئی ہوتی اور اتنی بلندی سے گرنے کا مطلب.......... وہ دونوں ہی لرز کر رہ گئے۔

مسعود کچھ دیر اسے بانہوں کے حلقے میں لئے کھڑا رہا۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ مسعود نے اسے اتنا خوف زدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے اس پر پیار آنے لگا۔ اس نے ذرا دور ہٹا کر اسے بہت غور سے دیکھا۔ "ڈر گئیں؟"

"مسعود.......... یہ.......... کیا ہے؟" وہ ہکلائی۔

"تم دیکھ ہی رہی ہو۔ یہ ٹیرس ہے۔" مسعود نے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

"لل.......... لل.......... لیکن.........."

"ارے پگلی' یہ بنگلا پہاڑ پر تعمیر کیا گیا ہے۔" مسعود نے اسے سمجھایا۔ "اس کا عقبی حصہ پہاڑ کے اختتام کی طرف ہے۔ سامنے والے حصے کی طرف سے یہ ایک عام سا ایک منزلہ بنگلا ہے لیکن عقبی حصے کی طرف سے.........." اس نے کندھے جھٹکے۔ "تم نے دیکھ ہی لیا ہے' یہاں ٹیرس بنانا بے سبب نہیں تھا۔ ٹیرس نے اس بنگلے کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔"

لبنیٰ کے جسم کی لرزش کچھ کم ہوگئی تھی۔ مسعود نے اسے ایک طرف ہٹایا اور ریلنگ کی طرف بڑھا۔ "نہیں.......... نہیں مسعود' وہاں نہ جاؤ۔" لبنیٰ چیخی۔

"پاگل نہ بنو۔ مجھے بھی دیکھنے دو۔ کوئی کمال ماہر تعمیر ہوگا جس نے یہ بنگلا تعمیر کیا ہے۔" مسعود نے کہا پھر اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک لمحے کو اسے بھی چکر آگیا۔ وہ تو ذہنی طور پر وہ تیار تھا ورنہ اچانک نیچے دیکھنے والے پر تو جو بھی گزر جائے وہ کم ہے۔ اس رخ سے وہ کسی عمارت کی ۱۰۰ ویں منزل معلوم ہوتی تھی۔ "کمال ہے' واقعی کمال ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اسی وقت نصیب خان ٹیرس پر نمودار ہوا۔ "ابی ام چلتا ہے میب!" اس نے اعلان کیا۔

"تم شاہد کے کون ہو خان؟" مسعود نے پوچھا۔

"وہ امارا دوست اے میب۔ اچھا.......... اگر امارا ضرورت پڑے تو ایدر کسی سے بھی امارا پوچھ لینا۔ خدا آنظ!" وہ انہیں مزید کچھ پوچھنے کا موقع دیئے بغیر رخصت ہوگیا۔

مسعود ریلنگ کے پاس کھڑا رہا۔ سامنے پہاڑ تھا جس پر بلند وبالا درخت بے حد ترتیب سے ایستادہ تھے۔ بے حد حسین اور روح پرور منظر تھا۔ ہوا بے حد سرد لیکن خوشبو سے بوجھل تھی اور تازگی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ سوچتا رہا.......... ڈرائیور نے ٹھیک ہی کہا تھا' یہاں سے واپس جانے کو کس بدذوق کا جی چاہے گا۔

"چلو مسعود' اندر چلو۔" لبنیٰ نے اسے چونکا دیا۔

"کیوں؟ اتنی جلدی کیا ہے؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے یہاں۔"

مسعود نے اپنے سامنے اور خاصا نزدیک چھوٹی چھوٹی بدلیوں کو تیرتے دیکھا اور بولا۔ "بدذوق نہ بنو لبنیٰ۔ دیکھو تو کتنا حسین منظر ہے۔ یہاں تو بادل نیچے دکھائی دے رہے ہیں۔ یعنی ہم لوگ بادلوں سے اوپر ہیں۔" پھر اس نے لبنیٰ کو دیکھا جو اب بھی خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ "اچھا' ایسا کرتے ہیں' کمرے سے کرسیاں لاکر یہاں بچھاتے ہیں۔ پھر یہیں بیٹھ کر یہ منظر دیکھیں گے' تم ریلنگ کے قریب نہ جانا۔" اسی وقت بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تیرتا ہوا آیا اور اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ بے حد لطیف لیکن نم آلود دھوئیں کی طرح کا تھا۔ "ایں.......... یہ کیا؟" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"بادل کا ٹکڑا تھا۔" لبنیٰ نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس ایک لمحے میں وہ یکسر

بدل کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے سے خوف کا ہر تاثر مٹ چکا تھا۔ اس کا کھلنڈرا پن لوٹ آیا تھا۔ "یہاں کے بادل تو بہت شریر ہیں' واقعی بہت خوبصورت مقام ہے۔"

"ہاں۔ فلم مٹھی بھر بادل کی شوٹنگ یہیں ہوئی تھی۔"

لبنیٰ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اب وہ پہلے والی لبنیٰ بن چکی تھی۔ "تم کرسیاں نکال رہے تھے؟" اس نے مسعود کو یاد دلایا۔

"پرانی بات ہے۔" مسعود نے بے نیازی سے کہا۔ "اس وقت تم یہاں بیٹھنے میں انٹرسٹڈ نہیں تھیں۔ اب ہو' اس لئے کرسیاں بھی تم ہی نکالو گی۔"

"اچھا.......... یہ بات ہے۔" لبنیٰ نے دانت پیس کر کہا۔ "میں کھانا نہیں پکاؤں گی۔ پھر دیکھوں گی کہ تمہارے بجٹ کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ارے ارے.......... میں تو مذاق کررہا تھا۔ ابھی لاتا ہوں کرسیاں۔" مسعود نے گڑبڑا کر کہا۔ وہ کمرے میں جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اپنی جگہ جم گیا۔ لبنیٰ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور خود بھی اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ اس کے ذہن میں جو پہلا لفظ گونجا' وہ تھا.......... بھوت!

☆------☆------☆

کمرے اور ٹیرس کا درمیانی دروازہ بدستور بند تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز نہیں سنی تھی۔ شاید اسی لئے ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ شخص اچانک ہی ان کی نگاہوں کے سامنے عدم سے وجود کی سرحد میں داخل ہوا ہے۔

مسعود نے اس کو بغور دیکھا۔ وہ طویل القامت اور قوی الجثہ تھا۔ کندھے چوڑے تھے۔ وہ پرانے فیشن کے اوور کوٹ اور پینٹ میں تھا۔ سر پر ہیٹ تھا۔ اس کے جسم پر موجود ہر چیز بوسیدہ تھی۔ سب سے خوفناک چیز اس کا چہرہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ اسے چہرہ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چہرہ تو خدوخال سے عبارت ہوتا ہے۔ بہرحال اگر وہ چہرہ تھا تو عجیب چہرہ تھا۔ ناک ندارد۔ البتہ اس کی جگہ ایک ابھار موجود تھا۔ بھویں بے حد گھنی تھیں۔ ان کے نیچے آنکھوں کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آنکھیں بہت گہرائی میں تھیں لیکن اس صورت میں بھی آنکھوں سے جھلکنے والی زندگی کی چمک تو نظر آتی ہی ہے۔ یہاں وہ بھی مفقود تھی۔ ہونٹوں کا بھی پتا نہیں چلتا تھا۔ دہانے کی موجودگی کی گواہی محض ایک پتلی سی لکیر دے رہی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا چہرہ تھا جسے چہرہ نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ مسعود کے ذخیرہ الفاظ میں کوئی متبادل لفظ بھی موجود نہیں تھا۔

مسعود کا پہلا تاثر حیرت اور سنسنی کا تھا۔ نہ جانے کیوں' وہ خوف زدہ بالکل نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ آسانی سے خوف زدہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے لبنیٰ کو دیکھا۔ لبنیٰ کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر مسعود کو اس بھوت پر غصہ آگیا۔ "کون ہو تم؟" اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔

اس شخص کے دہانے کی لکیر قدرے کشادہ ہوئی اور چمک سی دکھائی دی۔ "تم بتاؤ.......... تم کون ہو؟" اس کی آواز میں عجیب سی کھرکھراہٹ تھی۔

"پہلے میں نے پوچھا تھا۔" مسعود نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویسے بھی اس وقت اس گھر کا مالک میں ہوں اور تم بغیر اجازت یہاں گھس آئے ہو۔ عافیت اسی میں ہے کہ جلدی سے اپنے بارے میں بتا دو کہ تم کون ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو! اس گھر کا مالک تو شروع ہی سے میں ہوں۔" بھوت نے احتجاج کیا۔

"اوہ......... تو آپ میرے دوست شاکر کے والد ناصر احمد ہیں۔"

"اے......... کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" بھوت نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' کوشش تو کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اب آپ اپنے متعلق بتانا چاہیں تو بتائیں' ورنہ کھسک ہی لیں یہاں سے۔"

بھوت کے دہن والی لکیر اور کشادہ ہوگئی۔ ہیٹ کے نیچے اس کی پیشانی پر سلوٹیں سی پڑ گئیں اور دونوں بھویں مل گئیں۔ شاید وہ سوچ رہا تھا۔ کم از کم مسعود کا یہی خیال تھا۔ بالآخر چند لمحے بعد بھوت کھرکھراتی آواز میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں یہیں رہتا ہوں......... اسی بنگلے میں اور میں انسان نہیں ہوں' بھوت ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ تم واقعی بھوت ہی لگتے ہو۔" مسعود نے کہا اور تشویش آمیز نظروں سے لبنیٰ کو دیکھا لیکن حیران رہ گیا۔ لبنیٰ کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اسے صرف لبنیٰ کی طرف سے تشویش تھی۔ وہ خود تو اس خرافات پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ ایک نیا تجربہ تھا......... مفت کی تفریح.........

لبنیٰ تیزی سے بھوت کی طرف بڑھی۔ اس کا انداز والہانہ تھا۔ بھوت گڑبڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "اے لڑکی' کیا بات ہے۔ وہیں رک جاؤ۔" اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔

لبنیٰ رک گئی۔ "کیا بات ہے جناب؟ کیا آپ ہم سے خائف ہیں؟"

"جمع کا صیغہ مت استعمال کرو۔" مسعود نے جلدی سے تصحیح کی۔ "تم سے تو میں بھی خائف ہوں۔ حالانکہ زندہ بھی ہوں اور دلیر بھی۔ یہ بے چارے تو پھر بھی بھوت ہیں۔"

"یہ تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" بھوت نے بارعب لہجے میں کہا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں بھوت ہوں......... بھوت!"

"اجازت ہو تو آپ کو چھو کر دیکھ لوں!" لبنیٰ نے مئودبانہ فرمائش کی۔

"کیا مطلب؟" بھوت کی آواز کی کھرکھراہٹ میں خفیف سی لرزش بھی شامل ہوگئی۔

"بات یہ ہے کہ میں نے پہلے کبھی کوئی بھوت نہیں دیکھا۔ مجھے بہت اشتیاق ہے سچ مچ کا بھوت دیکھنے کا۔"

"خبردار......... تم نے مجھے چھوا تو اپنے نقصان کی خود ذمے دار ہوگی۔" بھوت نے گرج کر کہا۔

"کیوں......... آپ پاور ہاؤس ہیں؟ کرنٹ دوڑتا ہے آپ میں؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"بس مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ پچھتاؤ گی۔"

"صرف تمہیں منع کر رہے ہیں بھوت صاحب۔ مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔" مسعود نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

بھوت ایک قدم اور پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ تنبیہہ تمہارے لئے بھی ہے اے شریر انسان!" وہ غرایا۔

مسعود رک گیا۔ اس نے سہمنے کی اداکاری کی۔ "بہت بہتر بھوت صاحب!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اچھا میں کرسیاں نکال لوں۔ پھر بیٹھ کر سکون سے باتیں کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"مجھے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔" بھوت نے کڑے لہجے میں کہا۔ "اور میں تم سے باتیں بھی نہیں کرنا چاہتا۔"

"پلیز ہماری خاطر بیٹھ جایئے گا۔" لبنیٰ نے بے حد لجاجت سے کہا۔ "آپ کھڑے رہیں اور ہم بیٹھیں' یہ تو بہت بری بات ہوگی۔ اور ہاں' باتیں بھی ضرور ہوں گی۔ میں آپ سے انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔"

"انٹرویو؟" بھوت کے لہجے میں الجھن تھی۔

"جی ہاں۔ یوں سمجھ لیں کہ میں بھوتوں کے مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی

ہوں۔"

مسعود نے دو کرسیاں لاکر رکھیں اور بولا۔ "بڑے بیک ورڈ قسم کے بھوت معلوم ہوتے ہیں آپ۔ انٹرویو بھی نہیں سمجھتے۔ ٹھہریں میں ایک کرسی اور لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھر کمرے میں چلا گیا۔

"تشریف رکھئے عزت مآب عالی جناب بھوت صاحب!"

بھوت چند لمحے کھڑا رہا۔ اس کے انداز سے الجھن ہویدا تھی۔ "ٹھیک ہے۔ بیٹھ جاتا ہوں۔" بالآخر اس نے کہا۔ "حالانکہ یہ غیر ضروری ہے۔"

اس دوران مسعود تیسری کرسی بھی نکال لایا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ مسعود اور لبنیٰ کی کرسیاں دروازے کے عین سامنے تھیں۔ بھوت ان کے مقابل بیٹھا تھا۔ ٹیرس کی ریلنگ کی طرف اس کی پشت تھی۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟" لبنیٰ نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"یہ سب انسانی چکر ہیں۔ بھوت بننے کے بعد میں نام ونسب کی فکر سے آزاد ہو گیا ہوں۔"

"واہ............ آپ تو تعلیم یافتہ بھوت معلوم ہوتے ہیں۔ کیا فلسفیانہ جواب عطا فرمایا ہے جناب نے۔" مسعود نے لہک کر داد دی۔

"ہاں۔ فلسفے میں ایم اے کیا تھا میں نے۔"

"شادی شدہ ہیں آپ؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"شادی کے بعد ہی تو بھوت بنا ہوں۔" بھوت نے دردناک لہجے میں کہا۔

مسعود نے بوکھلا کر اپنے جسم کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

"کیا ہوا؟ آپ کو کیا ہوا؟" بھوت بھی بوکھلا گیا۔

"سب کچھ آپ ہی کا کیا دھرا ہے۔" مسعود غرایا۔

"لیکن میں نے............ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" بھوت نے کہا۔ "کچھ بتایئے بھی۔"

"ارے بھائی، میں ٹٹول رہا ہوں کہ کہیں میں بھی بھوت تو نہیں بن گیا۔"

"یہ خیال کیوں آیا؟"

"آپ ہی نے تو یاد دلایا ہے کہ میری بھی شادی ہو چکی ہے۔ اگر ابھی تک بھوت نہیں بنا ہوں تو اب بن جاؤں گا۔"

"یقیناً بن جائیں گے۔" بھوت نے بڑی سنجیدگی سے سرہلا کر کہا۔ "شادی کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔"

مسعود اب بھی اپنے جسم کو ٹٹولے جا رہا تھا۔ لبنیٰ نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔ "بس کر چکے مسخرا پن یا ابھی باقی ہے۔ مجھے انٹرویو بھی کرنا ہے بھوت صاحب سے۔"

"اوہ............ تو تمہارے خیال میں یہ مسخرا پن ہے۔" مسعود نے احتجاج کیا اور بھوت کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بھوت بننا مذاق تو نہیں ہے۔ دو کوڑی کی عزت ہو جاتی ہے۔ کیوں عالی جناب؟"

"آپ لوگوں سے ملنے کے بعد پتا چلی ہے یہ بات۔" بھوت نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ورنہ میرا تجربہ تو یہی تھا کہ اس دنیا میں انسانوں سے زیادہ بھوت کی عزت کی جاتی ہے۔ پہلے جو بھی مجھے دیکھتا تھا، خوف اور احترام کے مارے شل ہو جاتا تھا۔ صرف آپ لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے میری عزت نہیں کی............"

"انٹرویو صرف عزت دار لوگوں کے لیے جاتے ہیں۔ انٹرویو لینا عزت کی دلیل ہے۔" لبنیٰ نے بھوت پر آنکھیں نکالیں۔ "پہلے کبھی کسی نے کیا آپ کا انٹرویو۔ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہوں گے لوگ۔ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا ہو گا کوئی؟"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" بھوت نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"صورت ہی ایسی ہے آپ کی۔" لبنیٰ بولی۔ "جو دیکھے گا ڈرے گا ہی۔"

"ٹھیک ہے۔ لڑنے کی ضرورت نہیں۔ تم کرو انٹرویو۔" مسعود نے مداخلت کی۔

"ہاں تو بھوت صاحب، آپ کی شادی کب ہوئی؟" لبنیٰ بھوت سے مخاطب ہو گئی۔

"اب تو ایسا لگتا ہے، صدیاں ہو گئیں۔" بھوت نے آہ سرد بھر کے کہا۔

"یعنی آپ کو یاد نہیں کہ آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟"

"شادی کے بعد آدمی وقت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے یا یوں کہئے کہ وقت کے چنگل میں بری طرح پھنس جاتا ہے۔ برے وقت کو کون یاد رکھتا ہے بی بی۔ بس برا وقت خود کو مسلسل یاد کراتا رہتا ہے۔"

"واہ بھوت صاحب واہ۔ کیا فلسفہ بیان کیا ہے آپ نے۔" مسعود نے داد دی۔

لبنیٰ نے اسے یکسر نظرانداز کردیا۔ "آپ آدمی کے متعلق بات کررہے ہیں.......... حالانکہ آپ بھوت ہیں۔" اس نے اعتراض کیا۔

"بھوت تو شادی کے بعد بنا ہوں۔ پہلے تو آدمی ہی تھا۔"

"ہر بھوت پہلے آدمی ہوتا ہے۔ بھوت تو ارتقائی شکل ہے آدمی کی۔" مسعود نے کہا۔

بھوت کے دانت نکل پڑے۔ "ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" اس نے تائید کی۔

لبنیٰ نے اس کے چمک دار دانتوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ "بہت خوبصورت اور چمکدار دانت ہیں آپ کے۔"

"حسن نظر ہے آپ کا۔ اصفہانی منجن استعمال کرتا ہوں ہمیشہ۔" بھوت نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

"آپ ہر روز اپنے دانتوں کو جیکلین کیا کیجئے۔ اتنے سفید اور چمکدار نہیں رہیں گے۔" لبنیٰ نے مشورہ دیا۔

"لیکن کیوں؟"

"بھوتوں کے دانت اتنے سفید اور چمکدار نہیں ہونے چاہئیں۔ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ بھوتوں پر تو پیلے اور غلیظ دانت ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جیکلینز کے استعمال سے تو دانت اور زیادہ صاف اور چمکدار ہوجائیں گے۔" بھوت نے وضاحت کی۔

"ہرگز نہیں۔ پیلے رہیں گے اور دن بہ دن اور پیلے ہوتے جائیں گے۔"

"میں ٹی وی دیکھتا ہوں۔" بھوت نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "جیکلینز کے کمرشل میں تو اتنے خوبصورت اور چمکدار دانت دکھائے جاتے ہیں.........."

"آپ بھی بس بھوت ہی ہیں۔" لبنیٰ نے حقارت سے کہا۔ "اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔ ریکارڈنگ سے ذرا پہلے ماڈلز نے اصفہانی منجن سے دانت صاف کئے تھے۔"

"معاف کیجئے مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" بھوت نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ویسے مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ جیکلینز سے دانت صاف نہیں ہوتے ہوں

گے۔"

"استعمال کرکے دیکھ لیجئے۔ بلکہ آپ کو تو جیکلینز ہی استعمال کرنا چاہئے۔ بھوت جو ہوئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ لوگ جو لاکھوں روپے اپنے پروڈکٹس کی پبلسٹی پر صرف کرتے ہیں' وہی کوالٹی پر صرف کریں تو پبلسٹی کی ضرورت ہی نہ رہے۔ کوالٹی تو خود سب سے اچھی پبلسٹی ہوتی ہے۔"

"لیکن یہ دور ہی پبلسٹی کا ہے بی بی۔" بھوت نے آہ بھر کے کہا۔

"اوہ.......... تو آپ بھی؟"

"کیا کریں۔ پبلسٹی کی ضرورت تو ہمیں بھی پڑتی ہے۔ پبلسٹی نہ ہو تو تنہائی اور سکون کا ایک لمحہ بھی ہمیں میسر نہ آئے۔ اس لئے ہر آتے جاتے کو ڈرانا پڑتا ہے تاکہ وہ ہماری پبلسٹی کرے۔ اب میں.......... ٹی وی کی پبلسٹی تو افورڈ نہیں کرسکتا۔"

"یہ تم کیا لے بیٹھیں!" مسعود نے جھنجلا کر مداخلت کی۔

"اچھا' آپ یہ بتائیں کہ آپ کی قومیت کیا ہے؟" لبنیٰ نے انٹرویو کا رخ بدلا۔

"میں.......... قومیت.........." بھوت ایک لمحے کو گڑبڑا گیا۔ "دیکھیں.......... بھوتوں کی کوئی قومیت نہیں ہوتی۔ وہ تو بس بھوت ہوتے.........." اچانک بھوت کے گلے میں خراش پڑ گئی۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔

"آپ اپنی اصلی آواز میں بولیں نا۔" مسعود نے جلدی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ شادی سے پہلے.......... میرا مطلب ہے' بھوت بننے سے پہلے آپ کی آواز خاصی خوبصورت رہی ہوگی۔"

بھوت اپنی کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔ جواب دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

"لگتا ہے' آپ کے سائیلنسر میں کوئی خرابی ہے۔" لبنیٰ نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

"میرا خیال ہے' ان کا سائیلنسر ہے ہی نہیں۔ بھوتوں کے ہوتا ہی نہیں ہوگا اسی لئے ان کی آوازیں خراب ہوتی ہیں۔"

بھوت نے پہلے اثبات میں سرہلایا پھر بڑی شدت سے نفی میں سرہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد کھانسی رک گئی تو وہ بولا۔ "سائیلنسر تھا مگر خراب ہوگیا۔"

"تو بدلوا لیتے۔"

"بیکار ہے۔ اسے بھی خراب ہو جانا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"شادی کے بعد ہر حال میں یہی حشر ہوتا ہے۔" بھوت نے عالمانہ شان سے کہا "بعض لوگوں کا حلق چیخنے سے خراب ہو جاتا ہے اور بعض کا عدم استعمال سے بیکار ہو جاتا ہے۔"

"اللہ مجھ پر رحم کرے۔" مسعود نے سہم کر کہا۔

"بھوت صاحب' اپنے چہرے کے خدوخال اور لباس سے آپ بہت پرانے اور بوسیدہ لگتے ہیں۔" لبنیٰ نے کہا۔

"اور ناک تو امتدادِ زمانہ سے گھس گھسا کر تقریباً برابر ہی ہو گئی ہے۔" مسعود نے ٹکڑا لگایا۔

بھوت کے چہرہ نما پر زلزلے کے سے آثار نظر آئے پھر وہ غصیلی آواز میں بولا۔ "یہ بے حد ذاتی معاملات ہیں۔ میں ان پر گفتگو نہیں کروں گا۔"

"چلیں چھوڑیں اس بات کو۔ میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں لیکن پہلے آپ اپنی اہلیہ کے متعلق کچھ بتائیے۔"

"یعنی بھتنی صاحبہ کے متعلق۔" مسعود نے وضاحت کی۔

بھوت نے دانت نکال دیئے۔ "بس ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا۔ "جیسے بھتنیاں ہوتی ہیں۔"

"وہ انسان نہیں ہیں؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"جب میں نہیں ہوں تو وہ کیسے ہو سکتی ہے۔" بھوت نے برہم ہو کر کہا۔ "ہماری سوسائٹی میں عورت مرد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ مسز بھوت ہے تو بھتنی ہی ہوئی نا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" مسعود نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کی سوسائٹی میں تحریکِ آزادیٔ نسواں نہیں چلتی؟" لبنیٰ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"چلتی ہے' تحریکِ آزادی بھتنیاں۔ آئے دن اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔" بھوت نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"آپ اپنی بیوی......... میرا مطلب ہے بھتنی کو ہم سے نہیں ملوائیں گے۔" لبنیٰ نے اشتیاق سے کہا۔

"یہ تو ممکن نہیں بی بی۔ دراصل میری بھتنی آدمیوں کے درمیان خود کو عجیب سا محسوس کرتی ہے اس لئے اس نے آپ لوگوں کے سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تو آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟" مسعود نے پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں۔" بھوت نے بدمزگی سے کہا۔

"یہ عرصہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔" مسعود مسکرایا۔ "یہ فرمائیے کہ 'بھوتنی' کا بھی آیا کہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" بھوت کے لہجے میں حیرت تھی۔

لبنیٰ کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

"میرا مطلب ہے' ولی عہد........." مسعود نے وضاحت کی۔

"اوہ......... نہیں۔" بھوت بھی شرما گیا۔ "جبھی تو میں اتنی آزادی سے گھوم رہا ہوں۔"

"مجھو' بس اب تم چپ ہو جاؤ۔" لبنیٰ نے مسعود کو ڈانٹا پھر وہ بھوت سے مخاطب ہو گئی۔ "میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کی سوشل لائف کیسی ہے۔ خصوصاً اس دشوار اور دور دراز علاقے میں؟"

"ہمارے ہاں جوائنٹ فیملی سسٹم تو ہے نہیں۔" بھوت نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ایک گھر میں دو بھوت......... میرا مطلب ہے دو فیملیز نہیں رہ سکتیں۔ اس کے باوجود بھوت ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لہٰذا خاصی مصروف سوشل لائف ہے اور بی بی' اس کے نتیجے میں ایک اہم مسئلہ ابھرتا ہے......... مادہ پرستی۔"

"مادہ پرستی!" لبنیٰ نے حیرت سے کہا۔ "آپ لوگ خود تو غیرمادی ہوتے ہیں۔"

"ہم غیرمادی سہی لیکن طلب تو مادے ہی کی کر سکتے ہیں۔ غیرمادی چیز کی طلب تو ہو ہی نہیں سکتی۔"

"پھر بھی.......... یہاں اتنے زیادہ بھوت تو نہیں رہتے ہوں گے۔" لبنیٰ نے اعتراض کیا۔

"آپ نہیں جانتیں۔ یہاں ایسے جتنے بنگلے بھی خالی ہیں' ان میں بھوت گھرانے آباد ہیں۔ آئے دن پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں۔ میری بھتنی جب بھی کسی پارٹی سے واپس آتی ہے' کوئی نہ کوئی فرمائش لے کر میرے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔"

"مگر آپ کو انسانوں جتنی پریشانی تو نہیں ہوتی ہو گی۔" مسعود نے تبصرہ کیا۔ "ظاہر ہے' آپ خریداری تو کرنے سے رہے۔ آپ تو دکان سے کوئی بھی چیز اٹھا کر چل دیں۔ کون پوچھنے والا ہے۔"

"کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ ایک بار میں ایک دکان سے کلر ٹی وی اٹھا کر بھاگا تو جان مشکل میں پڑ گئی۔ ٹی وی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

"تو آپ کو بھی شاپنگ کرنی پڑتی ہے؟" لبنیٰ کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"اسی وجہ سے تو بھوت بننا پڑا ہے۔" بھوت نے کہا اور کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"اب مجھے چلنا ہے۔ شام ہو گئی ہے۔ میری بھتنی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

لبنیٰ اور مسعود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆------☆------☆

رات ہوتے ہوتے ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ اسٹور روم میں لکڑیوں کا ڈھیر موجود تھا۔ مسعود آتش دان روشن کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لبنیٰ کچن میں تھی۔

اچانک لبنیٰ کی چیخ سنائی دی۔ مسعود تیزی سے کچن کی طرف دوڑا۔ وہ کچن میں داخل ہوا تو لبنیٰ اپنے سیدھے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ "کیا ہوا؟" مسعود نے پوچھا۔ "اب کیا ہوا؟"

"ہاتھ جل گیا۔" لبنیٰ نے فریاد کرنے والے لہجے میں کہا۔

"اے........ تمہارے کتنے ہاتھ ہیں آخر۔" مسعود نے شک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اب تو مجھے شک ہے کہ تمہارے ہاتھ بچے ہی نہیں ہوں گے۔"

"کھڑے باتیں بناتے رہو گے۔ ٹیوب لاؤ جلدی سے۔" لبنیٰ جھنجلا گئی۔

مسعود بھاگا ہوا گیا اور ٹیوب لایا لیکن ٹیوب میں اب کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ "دوسری

ٹیوب لاؤ۔" لبنیٰ نے کہا۔

"دوسری ٹیوب کہاں سے لاؤں۔ یہ تو ایمرجنسی کے لئے ایک ٹیوب رکھ لی تھی۔ گھر میں ایک ٹیوب ہے جو دو سال سے چل رہی ہے۔ ختم ہی نہیں ہوتی۔ تم نے کچن میں ایک گھنٹا گزارا اور پوری ٹیوب ختم کر ڈالی۔"

"تو کیا کھا گئی میں؟" لبنیٰ روہانسی ہو گئی۔ "کتنی بار دونوں ہاتھ جلے ہیں میرے۔"

"پتا ہے' ۲۴ روپے کی ٹیوب آتی ہے۔ تم نے ایک وقت کا کھانا پکانے میں ختم کر ڈالی۔ میرا بجٹ.........."

"جہنم میں جائے تمہارا بجٹ۔ ٹھیک ہے' اب میں کھانا پکاؤں گی ہی نہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ناشتے میں بھی اگر تم نے آدھی ٹیوب استعمال کر ڈالی تو دن بھر میں ساٹھ روپے کا خرچ تو ٹیوب کا ہی ہو جائے گا۔"

"قسم سے' بڑے ناشکرے ہو۔ یہ فکر نہیں کہ میرے ہاتھوں کا کیا ہو گا۔" لبنیٰ رونے لگی۔

مسعود جھنجلاہٹ کے باوجود اسے چمکارنے' منانے میں لگ گیا۔ ویسے اسے غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کھانا پکانے کے دوران لبنیٰ کے ہاتھ کم از کم پندرہ بار جلے تھے۔ "اسی لئے پاپا کہتے تھے کہ لاابالی پن چھوڑو اور زندگی گزارنا شروع کرو۔ اب پتا چل رہا ہے۔"

وہ لبنیٰ کو کمرے میں لے گیا۔ آتش دان کی وجہ سے کمرا گرم ہو رہا تھا۔ پھر کھانا وہ خود نکال کر لایا۔ کھانے کے بعد لبنیٰ کا موڈ بہت اچھا ہو گیا۔ مسعود کافی بنا لایا۔ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر گفتگو کا رخ بھوت کی طرف مڑ گیا۔ "تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ وہ فراڈ ہے؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"پہلی ہی نظر میں پتا چل گیا تھا۔ کم از کم مجھے تو ماسک صاف نظر آ رہا تھا۔"

"اور تمہارے خیال میں چکر کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہاتھوں سے تو وہ اپنے ہی قبیل کا لگ رہا تھا۔ بہرحال یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہہ خانہ بھی ہے۔"

"کیسے؟"

"دیکھو نا۔ صدر دروازہ ڈبل لاک ہے۔ اسے صرف اندر ہی سے کھولا جا سکتا ہے۔

تمام کھڑکیاں بھی اندر سے بند ہیں اور وہ کسی کمرے میں بھی موجود نہیں تھا۔ پھر اچانک وہ نمودار ہوگیا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ باہر بھی نہیں گیا ہے۔"

"کیا پتا۔ سچ مچ بھوت ہی ہو۔" لبنیٰ نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔" مسعود نے منہ بنا کر کہا۔ "اب اگر یہاں تہہ خانہ ہے تو کوئی گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے' اسمگلنگ کا کوئی چکر ہو۔"

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ بہت جاندار آدمی تھا۔ مجھے اور تمہیں بہ آسانی ٹیرس سے لڑھکا سکتا تھا۔" لبنیٰ نے دلیل دی۔

"بات ٹھیک ہے لیکن ذہن میں رکھو' ایسے لوگ بلا ضرورت کسی کو قتل نہیں کرتے۔"

"خیر' یہ بتاؤ اب کرنا کیا ہے؟"

"صدر دروازے کے سامنے والے کمرے میں قیام کرنا ہوگا اور رات بھر جاگنا ہوگا۔ میں صدر دروازے پر نظر رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تو آتش دان تو جلا دو اس کمرے میں۔" لبنیٰ نے کہا پھر اسے کچھ خیال آیا تو اس نے اضافہ کیا۔ "اور میرا خیال ہے' اس معاملے کو خود ہینڈل کرنے کے بجائے پولیس کے سپرد کردو۔ فرض کرو' تم ان پر ہاتھ ڈالتے ہو اور وہ مسلح ہوئے تو کیا ہوگا۔"

"کیا میں تمہیں اتنا ہی بے وقوف نظر آتا ہوں۔" مسعود نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "میں صورتِ حال دیکھ کر ہی قدم اٹھاؤں گا اور آتش دان میں روشن کرچکا ہوں۔"

رات بارہ بجے کے قریب مسعود نے تمام دروازے اور کھڑکیاں چیک کیں پھر اس نے صدر دروازے کی راہداری میں جلنے والے بلب کو چھوڑ کر تمام روشنیاں گل کردیں۔ اپنے کمرے میں واپس آکر اس نے اونی موزے اور جوتے پہنے اور کوٹ وہ پہلے ہی پہنے ہوئے تھا۔ لبنیٰ بھی پوری طرح تیار تھی۔ وہ دونوں دبے پاؤں مجوزہ کمرے میں چلے آئے اور دروازے کی اوٹ میں کرسیاں لگا کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے وہ صدر دروازے پر نظر رکھ سکتے تھے۔ اب انہیں صرف انتظار کرنا تھا۔ سردی شدید تھی۔ ایسے میں اتنی بے آرامی کی وجہ سے نیند آنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جاگنے پر مجبور تھے۔ وہ

بات بھی نہیں کرسکتے تھے کیونکہ بولنا مخدوش تھا۔

ایسی کیفیت میں انسان سوچنے کے سوا کیا کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچتے رہے۔ لبنیٰ کو اس ایڈونچر میں لطف آرہا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ وہ اس وقت خود کو کسی فلم یا کہانی کا کردار محسوس کر رہی تھی۔ دوسری طرف مسعود اس بات پر پچھتا رہا تھا کہ وہ لبنیٰ کو اس کمرے میں کیوں لایا۔ بہتر تھا کہ وہ اسے اسی کمرے میں سونے دیتا اور اس کے سونے کے بعد تنہا یہاں آتا۔ اب خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو.......... لبنیٰ کو کچھ ہوگیا تو.......... لبنیٰ تو اب اس کی ذمے داری تھی۔ پہلی بار اس کی سمجھ میں ذمے داری کا مفہوم آرہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو پاپا اسے کچا ہی کھاجائیں گے۔ اسے ہر حال میں لبنیٰ کے تحفظ کو اولیت دینی تھی۔

اس عالم میں خدا جانے کتنی دیر گزر گئی۔ اسے تو وہ صدیاں ہی محسوس ہورہی تھیں۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ وہ اب بھی لبنیٰ کو واپس لے جاسکتا ہے۔ اس کے سونے کے بعد وہ واپس آجائے گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ لبنیٰ کی طرف ہاتھ بڑھا کر سرگوشی میں اسے سمجھانے ہی والا تھا کہ باہر آہٹ سی سنائی دی۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس نے لبنیٰ کے جسم میں تناؤ سا محسوس کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آواز محض اس کی سماعت کا دھوکا نہیں تھا۔

پھر قدموں کی چاپ ابھری۔ اس کے بعد ایک نسوانی سرگوشی ابھری "آجاؤ.......... میدان صاف ہے۔"

فوراً ہی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مسعود نے باہر جھانکا۔ وہ دو افراد تھے۔ مرد کو تو اس نے جثے کی وجہ سے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہ وہی تھا' جو بھوت بنا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو سوٹ کیس تھے اور کندھے سے ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک بیگ تھا۔ راہداری کی مدھم روشنی میں ان کے چہروں کے نقوش دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دبے پاؤں صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ "وہ دونوں شاید سوگئے۔" مرد نے سرگوشی کی۔ "یہ اچھا موقع ہے نکلنے کا۔"

"وہ دونوں ہرگز نہیں سوئے ہیں اور یہ نکلنے کا موقع ہی نہیں ہے۔" مسعود نے بلند

آواز میں کہا پھر اس نے تیزی سے سوئچ دبا کر روشنیاں کردیں۔ راہداری جگمگا گئی۔ لڑکی کے حلق سے ایک سریلی چیخ نکلی۔ مرد کے ہاتھوں سے دونوں سوٹ کیس چھوٹ گئے۔ اچھا خاصا دھماکا ہوا۔ ان دونوں نے چونک کر کمرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت لبنیٰ اور مسعود کمرے سے نکل آئے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ مسعود مرد کا اور لبنیٰ عورت کا جائزہ لے رہی تھی۔ بھوت لڑکا ہی ثابت ہوا۔ اس کی عمر ۲۴ سال سے زیادہ ہرگز نہیں تھی۔ وہ خاصا خوبرو تھا۔ لڑکی بھی خاصی دلکش تھی۔ اس نے نرم چرمی جیکٹ پہنی تھی.......... سیاہ سفید جیکٹ۔ کانوں سے سیاہ لڑیوں والے آویزے جھول رہے تھے۔ وہ متوحش نظر آرہی تھی۔ جب کہ لڑکا پُرسکون تھا۔

"آپ.......... آپ کون ہیں؟"

"فضول سوال ہے۔" مسعود نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بھوت صاحب سے تو ہم پہلے ہی مل چکے ہیں۔ یہ یقیناً بھتنی صاحبہ ہیں۔ نام پوچھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ لوگ نام ونسب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

لڑکا کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ "اب تو تعارف کرانا ہی پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "میں شکیل ہوں اور یہ میری بیوی.......... میرا مطلب ہے، بھتنی فرزانہ ہے۔"

لڑکی نے منہ بنا کر اسے دیکھا اور بولی۔ "فضول باتیں مت کرو۔"

"نہیں کروں گا تو جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں تو پہلے ہی سمجھا رہی تھی کہ نکل چلو یہاں سے۔"

"میں تو اس بنگلے میں رہنے کے ہی خلاف تھا۔ بس تمہاری ضد کی وجہ سے مجبور ہوگیا تھا۔" شکیل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"دیکھئے.......... یہ ٹھیک ہے کہ لڑنا آپ کا بنیادی حق ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آپ کو جواب دہی کرنی ہے لیکن یہاں خاصی سردی ہے۔ کیوں نہ ہمارے کمرے میں چلیں۔ وہاں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"واقعی.......... سردی بہت ہے۔" فرزانہ نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"وہ چاروں اس کمرے میں چلے آئے۔ مسعود نے آتش دان میں اور لکڑیاں ڈالیں

"پہلے آپ لوگ سکون سے بیٹھ جائیں۔" اس نے دونوں سے کہا۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں بے حد شرمندہ نظر آرہے تھے اور وہ الزام دینے والی نظروں سے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ لبنیٰ بیڈ پر بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو شکیل صاحب، اب فرمائیے۔" مسعود نے کچھ دیر بعد کہا۔

"فرمانا کیا ہے جی.......... وہی پرانی کہانی ہے۔" شکیل نے کہا۔ "بہرحال، سن لیجئے.........." وہ کہتا رہا۔

پندرہ منٹ بعد بات پوری طرح مسعود کی سمجھ میں آگئی تھی۔ تقریباً وہی کہانی تھی.......... تھوڑے سے فرق کے سوا۔ شکیل ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنی بیوی فرزانہ کے ساتھ ہنی مون منانے آیا ہوا تھا۔ ہوٹل میں کمرا ہیٹر سمیت ڈیڑھ سو روپے روز پر مل رہا تھا۔ یہ ان کی استطاعت سے زیادہ تو نہیں تھا لیکن اس کے بعد وہ ٹائٹ ہو کر بس ایک ہفتہ گزار سکتے تھے۔ جبکہ.......... برف باری کی گارنٹی نہیں تھی اور برف باری دیکھے بغیر واپس چلے جاتے تو انہیں ہمیشہ افسوس رہتا۔ ایسے میں انہیں جناح روڈ پر شاہد مل گیا.......... بنگلے کا منتظم۔ اس نے انہیں پچاس روپے روز پر بنگلے میں رہائش کی پیشکش کی۔ اسے وہ ٹھکرا نہیں سکے۔ شکیل تو ڈر رہا تھا مگر فرزانہ نے اسے مجبور کردیا۔ اس میں دو بڑے فائدے تھے، جنہیں نظرانداز کرنا آسان نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ برف باری کا انتظار کرسکتے تھے.......... اور ان کا بجٹ بھی جواب نہ دیتا دوسرے ہوٹل میں کھانا مہنگا پڑتا۔ جب کہ وہ یہاں خود بھی پکا سکتے تھے۔ یہ مزید بچت کی صورت تھی۔

پھر شکیل کے بیان کے مطابق دو دن پہلے ٹیلی گرام آیا اور شاہد نے اس سے کہا کہ اب وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ اس موقع پر بھی فرزانہ نے شکیل کو اکسایا۔ انہوں نے شاہد کو دھمکی دی کہ وہ اس کی پول کھول دیں گے۔ شاہد نے گھبرا کر انہیں تہ خانے کا راستہ دکھایا اور محتاط رہنے کو کہا۔ بھوت والا آئیڈیا شکیل کا اپنا تھا۔

"اور یہ شاہد کہاں ہے؟" مسعود نے پوچھا۔

"اس نے کہا کہ وہ گاؤں جارہا ہے۔ ہمیں تاکید کی تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے نہ آئیں۔ وہ تین چار دن میں واپس آجائے گا۔ اس دوران نصیب خان بنگلے کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"تو نصیب خان کو آپ لوگوں کے متعلق معلوم ہے؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اسے کچھ پتا نہیں۔"

"ایسا کمزور اور خود اعتمادی سے محروم بھوت میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" مسعود نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں جناب۔ ہمارا واسطہ بھی بھوتوں سے پڑا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو چیخیں مارتا ہوا بنگلے سے بھاگ کھڑا ہوتا۔"

"اب کیا پروگرام ہے۔"

"اب میں اور بھتنی صاحبہ کوچ کریں گے۔ اس چمن میں اب اپنا گزارہ نہیں۔"

"مگر اتنی رات کو؟"

"وقت زیادہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں سورج جلدی غروب ہوتا ہے اور بہت تیزی سے رات ہوجاتی ہے۔" شکیل نے بتایا۔

"آپ کو یہاں کتنے دن ہوگئے؟"

"پورا ایک ہفتہ ہوا ہے اور ہم نے شاہد کو دس دن کا ایڈوانس دیا تھا۔" اس بار فرزانہ بولی۔

"تو آپ لوگ رک جائیں نا۔" لبنیٰ نے کہا۔

"نہیں۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔" شکیل اکڑ گیا۔

"لیکن ابھی تو آپ نے برف باری بھی نہیں دیکھی۔"

"ہاں.......... یہ تو ہے لیکن پھر سہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ کم از کم رات کو رک جائیں صبح چلے جایئے گا۔" مسعود کے لہجے میں قطعیت تھی۔

خاصی ردوقدح کے بعد شکیل رات وہاں رکنے کے لئے تیار ہوگیا۔ کافی کا ایک دور چلا پھر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے۔ برابر والے کمرے میں شکیل اور فرزانہ نے اپنا بندوبست کرلیا تھا۔ سردی بڑھتی جارہی تھی۔

☆======☆======☆

لبنیٰ کے لئے وہ بھوتوں بھری نیند تھی۔ وہ ٹھیک طرح سو ہی نہیں سکی۔ خواب میں

وہ جس گھر میں تھی' اس میں ہر طرف بھوت ہی بھوت تھے.......... رنگا رنگ بھوت.......... بھانت بھانت کے بھوت.......... ہر سائز کے بھوت۔ کچن کیبنٹ میں بھی بھوت تھے۔ کمرے کی دیواری الماری میں بھی بھوت تھے اور کچھ چیونٹیوں جیسے بھوت اس کے جسم پر ناچ رہے تھے۔

وہ جہاں تھی' باہر سے اسے ایسی آوازیں آنے لگیں' جیسے آسمان سے بھوت برس رہے ہوں۔ ٹپاٹپ.......... ٹپاٹپ.......... لیکن وہ قطروں کے گرنے کی آواز نہیں تھی۔ قطرہ تو گر کر پھیل جاتا ہے۔ یہ کوئی ایسی ٹھوس چیز تھی' جو گر کر جم جاتی تھی اور پھر اس پر کچھ اور آکر گرتا تھا۔

بھوت پر بھوت.......... چھوٹے چھوٹے بھوت! اس کے سوتے ہوئے ذہن نے آہستہ سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں زیرو کے بلب کی روشنی تھی۔ مسعود اس کے برابر لیٹا بے خبر سو رہا تھا۔ اور وہ ٹپاٹپ سے ملتی جلتی آواز جاگتے میں بھی آرہی تھی' جسے وہ صحیح صوتی تاثر نہیں دے پا رہی تھی۔ کیا میں اب بھی خواب دیکھ رہی ہوں؟ اس نے سوچا۔ مگر نہیں۔ وہ واضح آواز تھی اور باہر سے آرہی تھی۔

وہ بستر سے اٹھی اور کھڑکی کی طرف بڑھی۔ سردی بھی بہت کم ہوگئی تھی بلکہ کمرے میں گرمی کا احساس ہورہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پردے اٹھائے مگر صرف پردے اٹھانے سے باہر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ کھڑکی کے شیشے دھندلے ہورہے تھے۔ اس نے بلا ارادہ ہاتھ سے شیشے کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں وہ اور بھی دھندلا ہوگیا۔ البتہ اس کا ہاتھ ایسا سرد ہوا کہ جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ شیشہ برف کی طرح سرد ہورہا تھا۔

اس نے کھڑکی کھول دی!

پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ ٹپاٹپ جیسی آوازیں اور بلند ہوگئی تھیں۔ فضا میں ہر طرف روئی کے جیسے گالے اڑ رہے تھے.......... نیچے گر رہے تھے۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی مگر پھر اسے سامنے والے درخت نظر آئے' جو اوپر سے سفید ہورہے تھے۔

اچانک اس کے ذہن میں کسی نے کہا.......... برف باری۔ اس کے ساتھ ہی اس

نے نعرہ لگایا.......... برف باری.........!

وہ اتنے زور سے چلائی تھی کہ مسعود گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی نظر آئی تو وہ اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔ اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

اس وقت تک لبنیٰ برف باری کے منظر سے پوری طرح مسحور ہو چکی تھی۔ "برف باری ہو رہی ہے مجھو!" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "دیکھو تو کیسا خوب صورت منظر ہے۔"

برف باری کا سنتے ہی مسعود پوری طرح بیدار ہو گیا۔ چند لمحے وہ کھڑے اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے پھر مسعود کو شکیل اور فرزانہ کا خیال آگیا۔ "آؤ.......... انہیں جگا دیں۔ کہیں وہ محروم نہ ہو جائیں اس منظر سے۔" اس نے لبنیٰ سے کہا۔ "پھر باہر نکل کر دیکھیں گے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے اور انہوں نے شکیل کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

پندرہ منٹ بعد وہ چاروں باہر نکل آئے۔ باہر وسیع و عریض لان پر وہ ٹہلتے پھرے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے کپڑوں پر برف کے ذرات جم رہے تھے۔

"دیکھو.......... دیکھو، تم پر برف جم رہی ہے۔" مسعود نے لبنیٰ سے کہا۔

لبنیٰ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ بہت خالص ہنسی، بہت سچی خوشی تھی "نہیں.......... آئینہ دیکھ رہے ہو۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

شکیل اور فرزانہ ایسے مسحور ہوئے تھے کہ گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اس خوبصورتی کو اپنے اندر اتار رہے ہیں۔

"مجھے پہلی بار پتا چلا ہے کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے۔" مسعود کے لہجے میں خوشی تھی۔

"اور مسعود.......... یقین نہیں آتا کہ یہ اپنی سرزمین ہے.......... اپنا وطن!" لبنیٰ بولی۔

"خیر.......... وطن کی خوبصورتی کا تو میں آتے آتے ویسے ہی قائل ہو گیا تھا۔"

"واقعی.......... یہاں سے واپس جانے کو کس کا دل چاہے گا۔"

"پاپا نے ہم پر احسان کیا ہے۔"

وہ یونہی باتیں کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان کی تمام حسیں بیدار ہو رہی تھیں۔ بہت کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو گیا تھا۔ ان پر فطرت کے راز منکشف ہو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جب وہ پہلی بار برف گرتے دیکھنے کے تجربے کی سرشاری سے نکلے تو انہیں سکوت کا احساس ہوا۔ وہ بڑا مکمل سکوت تھا۔ ہوا بھی ساکت تھی۔ کہیں کوئی تحرک نہیں تھا۔ کمال یہ تھا کہ گرتی ہوئی برف اور اس کی آواز تک اس سکوت کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے وہ سکوت ٹوٹ ہرگز نہیں رہا تھا۔

"کمال ہے۔ یہ کس طرح کا سکوت ہے۔" مسعود نے حیرت سے کہا۔ "برف گرنے کی آواز بھی اس سکوت کو ختم نہیں کر رہی ہے۔"

"اور مجھے حیرت ہے کہ برف گرنے کے باوجود سردی نہیں ہے بلکہ موسم خاصا خوش گوار ہو گیا ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"برف باری کے دوران سردی نہیں ہوتی۔" شکیل نے پہلی بار لب کشائی کی۔ "اس لئے کہ اس وقت ہوا رکی ہوتی ہے لیکن بہت محتاط رہئے گا۔ برف باری رکنے کے بعد جب ہوا چلے گی تو آپ کو اس برف کی برچھیاں محسوس ہوں گی۔ وہ جسم چھید ڈالنے والی ہوا ہوتی ہے۔"

"یار.......... تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہے۔" مسعود نے بے تکلفی سے کہا۔ "جب کہ تم خود پہلی بار برف باری دیکھ رہے ہو۔"

"ایک تجربہ کار دوست سے پوچھ گچھ کر کے چلا تھا۔"

برف باری صبح کے بعد تک جاری رہی۔ ان لوگوں نے خوب تصویریں کھینچیں۔ شام ہوتے ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ شکیل کی بات درست ثابت ہوئی۔ وہ رات بہت سرد تھی۔

☆======☆======☆

شکیل اور فرزانہ مسعود کے اصرار پر ایک رات اور رک گئے تھے۔ اگلے روز وہ راولپنڈی کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے انہیں کراچی جانا تھا۔ شکیل نے اپنا ایڈریس اور فون نمبر مسعود کو دے دیا تھا۔ مسعود نے بھی اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس سے رابطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اب وہ اکیلے تھے اور خوب انجوائے کر رہے تھے۔ بنگلے کے منتظم شاہد کو انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ نصیب خان دن میں دو بار ضرور آتا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ پوچھتا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ہر بار نفی میں جواب دیتے۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

گویا اچھی گزر رہی تھی۔ بس مسعود کو ایک پریشانی تھی۔ اسے کچن میں لبنیٰ کا ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ انکار کرتا تو کھانے کا بندوبست ہوٹل میں کرنا پڑتا اور اس کے نتیجے میں اس کا بجٹ ڈسٹرب ہوتا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بجٹ کے اندر رہ کر' ہاتھ روک کر خرچ کر رہا تھا لیکن اس سے پہلے اس کی کبھی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی۔ اسے گھر سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

وہ شکیل اور فرزانہ کے جانے کے بعد تیسری رات تھی ان پر ایک نئی افتاد آپڑی............ اور وہ بھی بے حد خطرناک!

وہ بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ دونوں کی آنکھ کھلی اور بیک وقت کھلی۔ وجہ یقینی طور پر بیرونی مداخلت تھی۔ دونوں گہری نیند سے اٹھے تھے ایک ثانیے کو تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا مگر صورتِ حال ایسی تھی کہ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

وہ چار آدمی تھے مگر انہیں دیکھ کر کم از کم مسعود کے ذہن میں لفظ آدمی نہیں آیا بلکہ اس کا ذہن ڈاکو............ ڈاکو............ کی تکرار کرنے لگا۔ وہ چاروں سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے' چہروں پر بھی سیاہ ڈھاٹے تھے۔ ڈھاٹوں اور ٹوپیوں کے درمیاں بس ان کی آنکھیں نظر آرہی تھیں............ اور وہ ڈراؤنی آنکھیں تھیں۔

لبنیٰ تو خوف اور دہشت سے گنگ ہو کر رہ گئی تھی مگر مسعود کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سردی کا احساس ہوا تو اس کو خیال آیا کہ وہ جو کمبل اوڑھ کر سو رہے تھے وہ پائنتی کی طرف سمٹے پڑے ہیں۔ اس نے لبنیٰ کو دیکھا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس لرزے کا سبب یقینی طور پر دہشت بھی تھی اور سردی بھی۔ یہ دیکھ کر اسے غصہ آنے لگا لیکن وہ جانتا تھا کہ غصہ ظاہر نہ کرنے میں ہی عافیت ہے۔ چاروں ڈاکوؤں کے پاس پرانے طرز کی بڑی بندوقیں تھیں' جو بہت خوف ناک لگ

رہی تھیں۔

مسعود اٹھ کر بیٹھا اور اس نے جلدی سے کمبل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک ڈاکو نے بہت تیزی سے بندوق سیدھی کی۔ "سیدھے بیٹھے رہو۔" دوسرا ڈاکو غرایا۔ "کوئی حرکت نہ کرو۔"

لیکن مسعود نے کمبل اٹھا کر لبنیٰ کے جسم پر ڈال دیا۔ وہ اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ "کیا چاہتے ہو تم؟" مسعود نے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے؟" ایک ڈاکو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہمیں پہچانتے بھی نہیں ہوگے۔"

"میں تمہیں نہیں جانتا۔" مسعود نے لہجہ سخت رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہو............ تو ہم تمہیں ڈاکو نہیں لگتے۔" دوسرا ڈاکو ہنسا۔ "اور یہ بھی نہیں جانتے ہو کہ ہم کس لئے آئے ہیں۔"

مسعود خاموش رہا۔ پہلے ڈاکو نے کہا۔ "وقت ضائع مت کرو۔ جلدی سے تلاشی لو۔"

پہلا ڈاکو ان دونوں کو کور کئے کھڑا رہا۔ باقی تینوں ڈاکوؤں نے الماریاں کھولیں اور ان کی تلاشی لینے لگے۔ الماری میں ان کا سوٹ کیس اور بیگ رکھے تھے مگر خالی تھے لبنیٰ تمام سامان سلیقے سے رکھ چکی تھی۔

ایک ڈاکو ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلا آیا اور اس کی درازیں کھول کر دیکھنے لگا۔ چند ہی منٹ میں تینوں ڈاکو واپس آگئے۔ ان کے انداز میں مایوسی تھی "سردار............ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" ایک ڈاکو نے کور کرنے والے کو مطلع کیا۔

"آپ لوگوں کو کس چیز کی تلاش ہے؟" مسعود نے پوچھا۔

"تم بے وقوف نظر نہیں آتے لیکن سوالات سے بے وقوف ہی ثابت ہوتے ہو۔" سردار نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "ایک نئے نویلے شادی شدہ جوڑے سے ہم ڈاکوؤں کو کیا امید ہوسکتی ہے' یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" مسعود نے بے بسی سے کہا۔

"زیورات جگہ بھی کم گھیرتے ہیں اور قیمتی بھی ہوتے ہیں۔" سردار بولا۔

"لیکن میں زیورات ساتھ نہیں لائی۔" لبنیٰ اچانک چہک کر بولی۔ دوسرے نمبر پر ہمیں نقدی اچھی لگتی ہے۔"

"یہاں وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔" اس بار مسعود نے جواب دیا پھر جلدی سے وضاحت کی۔ "دراصل ہمیں بجٹ بنانے کی پریکٹس کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

سردار اور تینوں ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نگاہوں کا تبادلہ ہوا پھر ایک ڈاکو نے کہا۔ "سردار......... یہ تو تگڑی اسامی معلوم ہوتے ہیں۔"

"سیاست داں فیملی سے لگتے ہیں سردار۔" دوسرا بولا۔ "شاید اسے وزیرِ خزانہ بنایا جانے والا ہوگا۔" اس نے مسعود کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ٹھیک کہتا ہے استاد۔" تیسرے نے بھی گل افشانی ضروری سمجھی۔ "اگر یہ سیاست داں ہے تو یقیناً جاگیردار بھی ہوگا۔"

سردار نے سب کی باتیں سنیں اور مسعود کو دیر تک پُرخیال نظروں سے دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے لبنیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "زیورات اور نقدی کے بغیر تم نے اپنی بیوی کو ساتھ لاکر بڑی غلطی کی۔ اے مستقبل کے وزیرِ خزانہ' یہ تو مجھے کوہ نور ہیرے سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے۔"

"نہ میں جاگیردار ہوں' نہ سیاست داں ہو اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی قسم کا وزیر۔" مسعود نے احتجاج کیا اور اسی لمحے اس کی سمجھ میں پوری طرح سردار کی بات آئی' جو اَب بھی لبنیٰ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ "تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں سردار صاحب۔" اس نے غصے سے کہا۔

"اے مسٹر زبان سنبھال کے۔ مجھے سردار صاحب کہنے کی ضرورت نہیں۔" سردار بگڑ گیا۔ "میں کوئی بلوچ سردار نہیں' ڈاکوؤں کا سردار ہوں۔"

"تم جو بھی ہو' میری بیوی کا احترام کرو۔" مسعود نے لبنیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سردار کی نگاہوں سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"ارے واہ' اتنا غصہ!" سردار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس زیور ہے نہ نقدی۔ بیوی کے سوا کچھ ہے نہیں اور اکڑ ایسے رہے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ ہم یہ کوہ نور ہیرا لے جا رہے ہیں۔" اس نے لبنیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ "ایک ہفتے کے اندر

دس لاکھ روپے کا بندوبست کرو اور اسے واپس لے جاؤ ورنہ میں اسے ہی قبول کرلوں گا۔ پھر یہ سردارنی بن کر عیش کرے گی..........."

مسعود طیش کے عالم میں سردار پر جھپٹا۔ اسی لمحے لبنیٰ نے چیخنا شروع کردیا۔ مسعود سردار تک نہیں پہنچ سکا۔ دو ڈاکوؤں نے اسے دائیں بائیں سے جکڑا۔ تیسرے نے ایک رومال اس کی ناک سے لگایا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بے سدھ ہوگیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بڑی بے رحمی سے فرش پر گرا دیا۔ اس دوران سردار بھی یہی سلوک لبنیٰ کے ساتھ کرچکا تھا۔

سردار نے لبنیٰ کو کندھے پر ڈالا اور نکلنے سے پہلے مسعود کو دیکھا' جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ "اسے بستر پر ڈالو اور کمبل اڑھادو۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یہاں پڑا رہا تو یہ سردی میں مر ہی جائے گا۔"

ڈاکوؤں نے منہ بنایا لیکن مسعود پر جھک گئے۔

☆======☆======☆

آنکھ کھلتے ہی مسعود کو سب سے پہلے تو یہ احساس ہوا کہ منہ کا ذائقہ کسیلا ہو رہا ہے۔ ہلکی سے کڑواہٹ حلق تک جا رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اسے رات کے واقعات یاد آئے۔ وہ یہی سوچ سکتا تھا کہ اس نے کوئی خواب دیکھا تھا۔

چند لمحے وہ اس خواب کو یاد کرتا رہا پھر اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ خواب اسے حقیقت کی طرح لگ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اسی کمرے میں' اسی بستر پر تھا' جہاں سویا تھا۔ وہ کمبل بھی اوڑھے ہوئے تھے۔ کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی رات ہی تھی۔ اس نے اطمینان کی سانس لی کہ خواب خواب ہی تھا۔

اس کا ہاتھ بلا ارادہ لبنیٰ کو تھپ تھپانے کے لئے بڑھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایکدم اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے کمبل الٹ دیا اس کے ہاتھ کی اطلاع درست تھی۔ لبنیٰ وہاں موجود نہیں تھی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ باتھ روم میں ہو لیکن تسلی نہیں ہوئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ خواب نہیں تھا۔ ڈاکو بھی حقیقی تھے اور انہوں نے اسے سچ مچ کلوروفام سنگھایا تھا۔ منہ کی کڑواہٹ کا کوئی اور سبب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھا اور لبنیٰ کی تلاش میں پورا بنگلہ چھان مارا۔ وہ ہوتی تو ملتی۔ اب

اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ گھبرایا ہوا بستر پر آبیٹھا۔ اب اسے خواب کی جزئیات یاد آرہی تھیں۔ ڈاکوؤں نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہاں پردیس میں تھا۔ نصیب خان کے سوا وہ یہاں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ بنگلے کے منتظم شاہد کی اس نے اب تک شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے؟

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ دماغ ایسا خالی خالی ہو رہا تھا کہ کچھ سوچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ پھر اسے چکر آنے لگے۔ اچانک اسے پاپا کا خیال آیا تو جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔ ہاں.......... وہ پاپا سے مدد طلب کرسکتا ہے۔ وہ اس کی مدد کریں گے۔

یہ خیال آتے ہی وہ فون کی طرف لپکا۔ ریسیور اٹھا کر اس نے کراچی کا کوڈ اور پھر گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ اسی لمحے اس کی نظر دیواری گھڑی پر پڑی۔ صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اتنی صبح گھر میں کون اٹھتا ہے۔ وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ڈاکو کس وقت آئے تھے اور وہ کتنی دیر بے ہوش رہا تھا۔

اچانک دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا۔ "ہیلو.......... کون ہے؟" مقصود صاحب کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"پاپا.......... یہ میں ہوں.......... مسعود.........." مسعود نے کہا۔

"اتنی صبح کیا پریشانی ہے تمہیں؟" مقصود صاحب گرجے۔ "کیا مجھے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ وہاں پہاڑ کی چوٹی پر سر کے بل کھڑے ہیں اور تمہاری کھوپڑی پر برف اُگ آئی ہے۔ یا پیڑ کے درختوں پر سیب اور انگوروں کی بیل پر تربوز لگے ہوئے ہیں.........."

"پاپا' آپ میری بات تو سنیں.........." مسعود نے فریاد کی۔

"کیا سنوں؟ میری نیند خراب کردی تم نے۔"

"پاپا' لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تمہیں شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔ یعنی ڈاکوؤں نے تمہیں کسی کام کا نہیں سمجھا۔"

"پاپا' انہوں نے دس لاکھ زرِ تاوان کا مطالبہ کیا ہے.........."

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا بجٹ بری طرح فیل ہوگیا ہے اور یہ فون بھی تم ادھار

کر رہے ہو۔"

"آپ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟" مقصود صاحب کا لہجہ سخت تھا۔

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے پاپا۔ لبنیٰ کو بازیاب کرانا ہے۔"

"تم مرد ہو۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ میں تمہیں شروع ہی سے بتا رہا ہوں کہ لبنیٰ اب تمہاری ذمے داری ہے۔ میں کب تک تمہاری ذمے داریاں اٹھاتا رہوں۔ تم کب زندگی گزارنا شروع کرو گے؟ کیا ساری عمر میری انگلی تھام کر چلو گے؟ میرے بعد کیا کرو گے؟" مقصود صاحب بہت غصے میں تھے۔

مسعود روہانسا ہوگیا۔ "میں مانتا ہوں' میں بہت برا اور غیر ذمے دار ہوں پاپا لیکن کیا آپ زندگی کے مشکل ترین وقت میں میری مدد نہیں کریں گے۔ کیا آپ کو لبنیٰ کی پروا بھی نہیں جو اس وقت خونخوار ڈاکوؤں کی قید میں ہے.........."

"دیکھو مسعود' شیر آیا شیر آیا کہانی اچھی نہیں۔" مقصود صاحب کے لہجے میں اب ٹھہراؤ تھا۔ "کبھی سچ مچ بھی شیر آجاتا ہے اور ایسے میں مدد کو کوئی نہیں آتا۔"

"یہ مذاق نہیں ہے پاپا۔ شیر سچ مچ آچکا ہے.........."

"میں اس وقت بھی کھڑکی کھول کر دیکھوں تو مجھے گھر کا پاگل لان ہی نظر آئے گا۔" مقصود صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔ "کیلے کی جگہ امرود' امرود کی جگہ کیلے' گلاب کی جگہ سورج مکھی' گیندے کی جگہ گلاب.........." وہ کہتے کہتے رکے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم پریکٹیکل جوکس کے عادی ہو۔"

"یہ پریکٹیکل جوک نہیں ہے پاپا۔" مسعود نے احتجاج کیا۔

"گویا یہ تھیوریٹیکل جوک ہے۔"

مسعود بھی انہی کا بیٹا تھا۔ انا' خود داری اور غصہ اسے بھی ورثے میں ملا تھا۔ اسے پہلے توہین کا احساس ہوا پھر طرارہ آگیا لیکن وہ باپ سے بدتمیزی بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"ٹھیک ہے پاپا۔ میں خود ہی اس معاملے کو دیکھوں گا۔" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کی نیند خراب کی۔ اللہ حافظ پاپا!" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ بدلا ہوا آدمی تھا۔ ذرا دیر پہلے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ مگر اب اس کے

پیروں میں جان تھی۔ پاپا کی بات اس کے دل کو لگ گئی تھی کہ لبنیٰ اس کی ذمے داری ہے اور اب اسے باپ کی انگلی تھام کر چلنے کی بجائے اپنے طور پر زندگی گزارنی چاہیے۔

وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ لباس تبدیل کر کے پوری تیاری کے ساتھ بنگلے سے نکلا۔ اس وقت چھ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔

☆------☆------☆

اس نے سوچا تھا کہ پہلے نصیب خان سے ملے گا۔ ممکن ہے' اس سے کچھ مدد مل سکے لیکن بنگلے کے گیٹ سے نکلتے ہی معاملات اس کے اختیار میں نہیں رہے۔ پہلی بات تو یہ کہ باہر کہیں اسے کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔ ظاہر ہے' سب لوگ بستروں میں دبکے ہوئے ہوں گے۔ اس پر بھی یہ افتاد نہ پڑتی تو وہ بستر پر پڑا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہوتا۔ گویا اب نصیب خان سے فوری طور پر ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ نصیب خان نے اسے اپنے ٹھکانے کا پتا تو بتایا نہیں تھا۔ اتنا کہا تھا کہ وہ یہاں کسی سے بھی اس کے متعلق پوچھ لے لیکن اب برف سے اور درختوں سے تو نصیب خان کا پتا معلوم نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سڑک پر جو برف نظر آرہی تھی' اس سے پتا چلتا تھا کہ رات پھر برف باری ہوئی ہے۔ جمی ہوئی برف پر کچی برف بھی تھی اور اس پر ڈاکوؤں کے بھاری جوتوں کے نشانات بھی واضح اور نمایاں نظر آرہے تھے۔

وہ بغیر سوچے سمجھے ان نشانات کے تعاقب میں چل پڑا۔ بنگلے کے سامنے والی سڑک بل کھاتی ہوئی بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔ اسی سڑک پر نیچے کی طرف تو ان کا آنا جانا ر تھا لیکن اس اوپر والے حصے پر وہ پہلی بار چل رہا تھا۔ آگے بھی سڑک کے اسی طرف بنگلے بنے ہوئے تھے۔

وہ نشانات کے پیچھے چلتا گیا۔ کچی برف میں پاؤں دھنسے جارہے تھے اور چلنا آسا نہیں تھا۔ کوئی آدھا کلو میٹر چلنے کے بعد اسے ٹھٹکنا پڑا۔ چاروں ڈاکوؤں نے وہاں سے سڑک چھوڑ کر اوپر درختوں کے گھنے جھنڈ کا راستہ پکڑا تھا۔ ان کے قدموں کے نشانات اب بھی واضح تھے۔

مسعود وہاں رک گیا اور سوچنے لگا۔ پختہ سڑک پر چلنا ایک بالکل مختلف معاملہ تھا

لیکن کچے راستوں کے معاملے میں نصیب خان اسے پہلے ہی خبردار کرچکا تھا۔ خود مسعود بھی ڈرتا تھا۔ برف کے نیچے کہیں کوئی گہرا کھڈ بھی ہوسکتا تھا۔ ایسا ویسا پیر پڑنے کے بعد زندگی کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔

وہ صرف چند لمحوں کے لئے ٹھٹکا۔ اسے فیصلہ کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ پیروں کے نشانات کے پیچھے چلنے میں اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہاں' اگر آگے جاکر یہ نشانات غائب ہوجاتے یا مٹ جاتے تو اس کے پاس واپسی کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

پھر بھی وہ سڑک سے اترتے ہوئے ہچکچایا مگر لوہا گرم تھا اور چوٹ ابھی تازہ تھی۔ وہ ان نشانوں کے پیچھے چل دیا۔ درختوں کے جھنڈ تک چڑھائی خاصی سیدھی تھی۔ اس پر برف کی مصیبت۔ اسے دہرا ہونا پڑ رہا تھا جیسے ہی درخت آئے' چڑھائی بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

نیچے سے وہ درختوں کا ایک عام سا جھنڈ لگ رہا تھا لیکن اوپر جاکر پتا چلا کہ درختوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ برف باری سے پہلے وہاں یقیناً پگڈنڈی بھی رہی ہوگی۔ اب وہ بل کھاتا پتلا برفانی راستہ تھا' جس پر حدِ نظر تک ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان نظر آرہے تھے۔

آگے جاکر برف سخت ہوگئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہاں زیادہ تر چیڑ کے درخت تھے اور چیڑ کے درخت کبھی ٹنڈ منڈ نہیں ہوتے۔ خزاں ان سے پتوں کا لباس نہیں چھینتی۔ یہی حال یوکلپٹس کا اور ان تمام درختوں کا ہے' جن کے پتے نکیلے ہوتے ہیں۔ وہ خزاں میں بھی ہرے بھرے رہتے ہیں۔ اس وقت ان درختوں کی شاخوں پر برف لدی تھی۔ شاخیں جھکی جارہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پگڈنڈی پر تازہ برف نہیں گری تھی۔

سخت برف پر بھی جوتوں کے نشان موجود تھے مگر وہ ذرا غور کرکے دیکھنے پر نظر آتے تھے۔ مسعود ٹھٹک گیا۔ کیا یہ وہ مقام ہے' جہاں سے واپس ہوجانے میں بہتری ہے؟ اس نے سوچا اور پلٹ کر دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنا فاصلہ طے کرچکا ہے۔ اس کے علاوہ اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی بلندی پر آچکا ہے۔ پگڈنڈی بہت غیر محسوس طور پر بلندی کی طرف لے آئی تھی.......... اور شاید آگے بھی بلندی ہی تھی۔

لیکن واپس ہونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ تو کچھ کر گزرنے کی نیت سے بنگلے سے

نکلا تھا۔ بابا نے مدد سے انکار کردیا تھا۔ اب اسے خود ہی کچھ کرنا تھا۔ اسے دوسروں پر...... بلکہ لبنیٰ پر اور خود پر بھی یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ غیر ذمے دار اور لاابالی نہیں ہے۔ لہٰذا اب واپسی کا سوال ہی نہیں تھا۔

چنانچہ وہ سخت برف پر قدم جماجما کر چلنے لگا۔ برف پر پھسلن بھی تھی۔ لہٰذا رفتار اور کم ہوگئی تھی۔ اب اس کی چھڑی کام آرہی تھی۔ پگڈنڈی بہت پتلی تھی اور اطراف میں ایستادہ درخت قریب قریب تھے۔ اتنے قریب کہ انہوں نے اوپر آپس میں مل کر چھتری سی بنالی تھی لیکن کہیں کہیں درختوں کے درمیان سے چھن کر آنے والی رنگا رنگ شعاعیں بتا رہی تھیں کہ سورج طلوع ہوچکا ہے ورنہ ان درختوں کے درمیان ایسا اندھیرا تھا کہ دن میں بھی رات کا سا سماں ہوتا مگر برف کی وجہ سے وہاں خاصی روشنی تھی۔ پھر بھی کہیں کہیں درختوں کے درمیان سے راستہ بنا کر کوئی شعاع نیچے اترتی اور برف پر منعکس ہوکر قدموں میں قوسِ قزح سی بچھا دیتی اور اس سے آگے بڑھ کر اجالا بھی اجالا نہ لگتا۔ وہ ایسا حسین منظر تھا کہ اگر اس کے دل ودماغ پر اتنا خوفناک بوجھ نہ ہوتا تو وہ اسے بہت زیادہ انجوائے کرتا۔

مگر وہ بہت پریشان تھا۔ وہ سوچ سوچ کر ہول رہا تھا کہ لبنیٰ پر جانے کیا گزر رہی ہوگی۔ اس بے چاری کا گھر میں بھی کبھی اس طرح کی صورتِ حال سے واسطہ نہیں پڑا جب کہ یہ تو پردیس ہے اور وہ گھر سے اور تمام گھر والوں سے دور ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے شاکر سے اپنی آخری گفتگو' اس کے اٹھائے ہوئے سوال اور اپنے جواب یاد آئے۔ اس نے خود کو ٹٹولا۔ کہیں یہ لبنیٰ کی محبت تو نہیں جو اسے خالی ہاتھ کشاں کشاں ڈاکوؤں کی تلاش میں لے جارہی ہے۔ کہیں وہ یہ سوچ کر تو نہیں نکلا ہے کہ لبنیٰ کو بے شک ڈاکوؤں سے نہ چھڑا سکے' اس کے ساتھ قید ہی شیئر کرلے لیکن خوب ٹٹولنے کے بعد بھی وہ یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ صرف خود کو ذمے دار...... ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ لبنیٰ کے لئے پریشان ہے مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بچپن کے ساتھی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے۔

وہ چلتے چلتے رکا۔ منظر تبدیل ہورہا تھا...... بلکہ ہوگیا تھا اور اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اب وہ محض ایک پگڈنڈی نہیں تھی۔ اِدھر اُدھر ایسے کئی راستے تھے' جو

برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ درحقیقت وہ ایک جنگل کے بیچ میں کھڑا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عقب میں وہ پگڈنڈی تھی' جو اسے یہاں تک لائی تھی مگر آخر میں پگڈنڈی ہموار ہوگئی تھی۔ لہٰذا پورا راستہ اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ یقیناً اب نشیب میں تھا اور جہاں وہ کھڑا تھا' وہاں سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

اچانک سورج بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ پورا منظر جگمگا اٹھا تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا' وہاں سے چند قدم آگے سطح زمین تھی' جہاں کوئی درخت نہیں تھا۔ اس سے آگے جنگل تھا' جس میں بہت ساری پگڈنڈیاں تھیں۔

وہ چند قدم آگے بڑھا۔ مسطح زمین پر رات کی تازہ اور نرم برف تھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ چاروں ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان وہاں موجود تھے مگر آگے جاکر ان میں سے تین ایک طرف چلے گئے تھے اور چوتھا مختلف سمت میں گیا تھا۔ وہ ہچکچائے بغیر اس پگڈنڈی کی طرف بڑھ گیا' جہاں تین ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان اشارہ کررہے تھے۔

مگر اس پگڈنڈی پر تھوڑی دور چلنے کے بعد اس کا دل بیٹھنے لگا۔ یہاں قدموں کے نشانات موجود نہیں تھے۔ وہ رک کر سوچ اور الجھ ہی رہا تھا کہ عقب سے بندوق کی ایک نال اس کی گدی سے آلگی۔ وہ پلٹ کر دیکھنا چاہ رہا تھا کہ کسی نے سخت لہجے میں کہا۔

"پلٹنے کی ضرورت نہیں۔ آگے کی طرف چل پڑو...... شاباش۔"

اس نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی۔ وہ مطمئن تھا کہ اس کا کام آسان ہوگیا ہے۔ اب اسے ڈاکوؤں کو ڈھونڈنے کی زحمت بھی نہیں کرنی پڑے گی اور وہ یقینی طور پر لبنیٰ کے پاس پہنچ جائے گا۔

گدی سے بندوق لگانے والے کی آواز جانی پہچانی تھی!

☆------☆------☆

مقصود الزمان سے ریسیور رکھنے کے بعد سویا ہی نہیں گیا!

آخری لمحے میں وہ بیٹے سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے اور کہاں سے فون کررہا ہے لیکن مسعود نے بہت تیزی سے خداحافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ انہ نے بھی ریسیور رکھ دیا اور بستر پر آبیٹھے لیکن اب وہ پریشان تھے۔ کیسا ہی شریر سہی' وہ کا بیٹا تھا........... اکلوتا بیٹا اور انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ اپنی شرارتوں سے ا عاجز کئے رکھتا تھا اور یہ غیر ممکن نہیں تھا کہ اس وقت کی فون کال اور لبنی کے اغو اطلاع بھی شرارت ہی ہو لیکن مسعود کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جو انہیں سنگی احساس دلا رہی تھی۔ اس پر مسعود کا اچانک ریسیور رکھ دینا اس کی مایوسی کا غماز تھا۔

مقصود صاحب کی پریشانی لحہ بہ لحہ بڑھتی گئی۔ یہی غنیمت تھا کہ فون کی گھنٹی بیگم کی آنکھ نہیں کھلی تھی ورنہ وہ ان کی پریشانی اور بڑھادیتیں۔ وہ اٹھ کر باتھ روم چلے گئے۔ باتھ روم سے نکل کر انہوں نے لان کا رخ کیا۔ پاگل لان کو دیکھ کر پہلے تو ا ہنسی آئی پھر تشویش اور گہری ہوگئی۔ وہ یونہی بے مقصد ٹہلتے پھرے۔ پھولوں کے سا مسعود نے میوچوئل ٹرانسفر کی کارروائی کی تھی' وہ تمام پھول مرجھا گئے تھے۔ مرجھائے ہوئے بے جگہ پھولوں کو دیکھ کر ان کے دل میں اداسی در آئی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور بیگم صاحبہ نے باہر جھانکا۔ "کیا بات ہے' آج سویرے اٹھ گئے آپ؟" انہوں نے پکارا۔

"جی بیگم' آج آنکھ کھل ہی گئی تو میں نے سوچا' طلوعِ آفتاب کا منظر لوں۔" انہوں نے مصنوعی شگفتگی سے کہا۔

"مگر سردی کافی ہے' کوئی کمبل یا شال تو لے لیتے۔"

یہ سن کر مقصود صاحب کو احساس ہوا کہ واقعی سردی ہو رہی ہے۔ پر

انہیں خیال ہی نہیں رہا تھا۔

"ٹھہریے........... میں لے کر آتی ہوں کچھ۔" بیگم نے کہا اور اندر چلی گئیں۔

ذرا دیر بعد وہ باہر آئیں تو ان کے ہاتھ میں شال تھی۔ وہ انہوں نے لاکر مقصود صاحب کے کندھوں پر ڈال دی۔ پھر وہ بھی ان کے ساتھ ٹہلنے لگیں۔ ان کی نظر بھی مرجھائے ہوئے پھولوں پر پڑی۔ "اے ہے........... پھول بھی مرجھا گئے۔" انہوں نے تاسف سے کہا۔

"ہوں!" مقصود صاحب نے بے دھیانی سے کہا۔ "یہ کارروائی کرنے والا بھی تو نہیں ہے کتنے دن سے۔"

بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "اوہو........... تو وہ دونوں یاد آرہے ہیں آپ کو۔ جبھی سردی میں صبح سویرے لان میں چہل قدمی ہو رہی ہے۔"

"یہ بات نہیں۔" مقصود صاحب نے جلدی سے کہا۔ "اور ویسے میں انہیں بھولا ہی کب تھا۔"

"مجھے تو بھئی بہت یاد آرہے ہیں دونوں۔" بیگم نے آہ بھر کے کہا۔ "بس اب بلوا لیجئے انہیں۔"

"رہنے دیجئے۔" مقصود صاحب نے بے دلی سے کہا۔ "پھر وہی بچوں جیسی شرارتیں ہوں گی..........."

"ارے........... وقت آئے گا تو خود ہی سنجیدہ ہوجائیں گے۔ کوئی پھول تو کھلنے دیں..........."

"آپ کا اشارہ شاید پھل کی طرف ہے........... خاص طور پر امرود کی طرف۔" مقصود صاحب بلا ارادہ ہنس دیئے۔

"کیا مطلب؟" بیگم صاحبہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"آپ کو نہیں معلوم۔ آپ کے صاحبزادے اپنے ہونے والے دو بیٹوں کے نام پہلے ہی سوچ چکے ہیں۔"

"مجھے بھی بتایئے۔" بیگم صاحبہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"ضرور۔ سنئے اور سر دھنئے۔ برخوردار امرود الزماں اور مردود الزماں۔"

"کیسی بے ہودگی ہے۔" بیگم صاحب کو پہلے غصہ آیا اور پھر بے بسی سے ہنسنے لگیں۔ "واقعی بھئی' عجیب لڑکا ہے۔"

اسی وقت ملازمہ نے اطلاع دی کہ ناشتا لگ چکا ہے۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ مسعود کی باتیں کرکے مقصود صاحب اوپر سے تو سنبھل گئے تھے مگر دل اب بھی بوجھل تھا۔ تاہم انہوں نے معمول کے مطابق ناشتا کیا۔ وہ بیگم کو دہلانا نہیں چاہتے تھے۔

مقصود صاحب فکر مند تھے۔ انہیں اب بھی یقین تھا کہ مسعود نے شرارت میں فون کیا تھا۔ فکر اس بات کی تھی کہ اگر انہیں علم ہوتا کہ مری میں ان دونوں کا قیام کہاں ہے تو انہیں فون کرلیتے۔ کون جانے لبنٰی ہی فون ریسیو کرتی اور وہ بے فکر ہوجاتے لیکن انہیں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔

تو اب یہ معلوم کیسے کیا جائے؟ اچانک ہی انہیں شاکر کا نام یاد آیا۔ وہ مسعود کا سب سے قریبی دوست تھا۔ ایک وہی تھا' جس سے اس کا پتہ معلوم ہوسکتا تھا اور اگر اسے معلوم نہ ہوتا تو پھر.........

انہوں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ پہلی فرصت میں شاکر کو فون کرنا چاہتے تھے لیکن گھر سے فون کرنا خطرناک تھا۔ بیگم صاحبہ کو اگر اس صورتِ حال کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ گھر سر پر اٹھا دیتیں۔ اب تو وہ خود بھی سوچ رہے تھے کہ ان سے بہت بڑی غیر ذمے داری سرزد ہوئی ہے۔ ان کا طرزِ عمل بچگانہ اور نامناسب تھا مگر یہ بھی مسعود ہی کی وجہ سے تھا۔ انہیں پھر اس پر غصہ آنے لگا۔

ناشتے کے بعد وہ جلدی جلدی دفتر کے لئے تیار ہونے لگے۔ "کیا بات ہے۔ آج جلدی جارہے ہیں؟"

"ہاں' کچھ ضروری کام ہیں۔" انہوں نے کہا۔ "اور ممکن ہے کہ شہر سے باہر بھی جانا پڑ جائے۔" انہوں نے پیش بندی کی۔

ان میں کوئی بات بھی غیر معمولی نہیں تھی اس لئے بیگم نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ مقصود صاحب نے بھی سکون کی سانس لی۔

دفتر پہنچتے ہی انہوں نے شاکر کا فون نمبر ملایا۔ "میں مقصود الزماں بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے رابطہ ملنے پر کہا۔ "مسعود میرا بیٹا ہے۔"

"جی انکل۔ میں جانتا ہوں۔" شاکر نے کہا۔ "فرمایئے انکل۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ نالائق ان دنوں مری گیا ہوا ہے؟"

"جی انکل......... ہنی مون منانے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ اس کا قیام کہاں ہے؟"

لائن پر چند لمحے خاموشی رہی' جو مقصود صاحب کے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ وہ بڑی بے چینی سے جواب کے منتظر تھے۔ بالآخر ریسیور پر شاکر کی آواز ابھری۔ "جی ہاں انکل۔ مری میں ہمارا بنگلا ہے۔ میں نے مسعود سے کہا تھا کہ وہاں قیام کرلے۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز موموود ہے۔ میں نے بنگلے کے منتظم کو بھی مطلع کردیا تھا کہ وہ ان کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ آپ ان کی طرف سے بے فکر رہیں انکل۔"

"لیکن میں فکر مند ہوں۔" مقصود صاحب نے کہا۔ "خیر تم مجھے اپنے بنگلے کا پتا لکھوا دو۔"

"بات کیا ہے انکل۔ کچھ بتائیں تو۔" شاکر کے لہجے میں پریشانی تھی۔ "کوئی خاص بات ہے؟"

"صبح ساڑھے پانچ بجے اس نے فون کیا تھا۔ انٹ شنٹ بک رہا تھا۔ میں بھی نیند میں تھا اور تم جانتے ہو کہ شرارت اور مذاق کی عادت ہے اس کی۔ میں نے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اب میں پریشان ہو رہا ہوں کہ کہیں وہ سچ تو نہیں کہہ رہا تھا۔"

"آپ بات تو بتایئے اس نے کہا کیا تھا؟"

"اس نے کہا تھا کہ لبنٰی کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں اور دس لاکھ روپے زرِ تاوان طلب کر رہے ہیں۔"

شاکر کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ تو سراسر مذاق ہے انکل۔ پہلی بات تو یہ کہ مری میں ڈاکوؤں کا وجود ہی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اغوا برائے تاوان کی وارداتیں نہیں ہوتیں۔ یہ تو شہر والوں کے چونچلے ہیں۔ آپ بے فکر ہوجایئے۔ انکل' اس نے مذاق کیا ہوگا۔ وہ ایسا ہی ہے۔"

مقصود صاحب کے دل پر سے بوجھ ہٹ گیا۔ "پھر بھی میاں' تم مجھے وہاں کا فون نمبر

تو دے دو۔"

"وہ میں لکھوا دیتا ہوں لیکن آپ بے فکر ہو جائیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں اور فون کے معاملے میں یہ ذہن میں رکھئے گا کہ اس موسم میں مری میں لائنیں اکثر خراب ہو جاتی ہیں۔ رابطہ ملنا آسان نہیں ہوتا۔"

مقصود صاحب نے فون نمبر اور پتا نوٹ کر لیا۔

☆------☆------☆

لبنیٰ کو ہوش آیا تو وہ ایک غار میں تھی۔ جس بستر پر وہ لیٹی تھی، وہ بے حد نرم اور گرم تھا۔ جسم پر کمبل بھی پڑا تھا۔ اس کے پاس یہ گمان کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ رات کو ڈاکوؤں کی آمد ایک ڈراؤنا خواب تھی۔

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ غار میں اس کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر غار کا پوری طرح جائزہ لیا۔ وہ بے حد کشادہ اور وسیع و عریض غار تھا۔ وہ جس دیوار کے ساتھ والے بستر پر لیٹی تھی، اس کے مقابل والی دیوار کے ساتھ کئی اور بستر بچھے تھے۔ غار کی اندر والی سائیڈ پر کچھ برتن اور ڈبے رکھے تھے۔ ڈبوں کو کھول کر دیکھنے پر پتا چلا کہ ان میں دال چاول، چینی، چائے کی پتی اور ایسی ہی دوسری چیزیں تھیں۔ وہ غار کیا، اچھا خاصا گھر تھا۔ وہیں تیل سے جلنے والا ایک اسٹوو بھی رکھا تھا۔ مٹی کے تیل کا ہی ایک لیمپ بھی تھا، جو روشن تھا۔ ایک جانب کٹی ہوئی لکڑیوں کا بہت بڑا ڈھیر تھا۔

لبنیٰ پریشان ہو کر چیخنے ہی والی تھی کہ اس نے خود کو روک لیا۔ چیخنا چلانا بے سود ہی تھا۔ ان لوگوں نے بے فکری سے اسے یہاں چھوڑ دیا تھا تو اس کا کوئی سبب بھی ہوگا ورنہ وہ کم از کم اس کے منہ میں کپڑا تو ٹھونس سکتے تھے۔ ہاتھ پاؤں بھی باندھے جا سکتے تھے۔ اس کے لئے اصل پریشانی کی بات یہ تھی کہ یہاں اسے مسعود نظر نہیں آیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے بنگلے ہی میں چھوڑ آئے ہوں۔ اسے ڈاکوؤں کی گفتگو یاد آئی تو تھرتھری چڑھ گئی۔ ان دونوں نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں سردار نے جو دھمکی دی تھی، اسے یاد کر کے لبنیٰ اور لرز گئی۔

چند منٹ اپنے بستر پر بیٹھ کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ذرا دل سنبھلا تو وہ اٹھی اور دبے پاؤں غار کے دہانے کی طرف بڑھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے باہر جھانکا۔

باہر بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آئی۔

باہر نکل کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ ایک پہاڑی ڈھلوان پر واقع قدرتی جنگل میں کھڑی تھی۔ نیچے دور تک اونچے اونچے درختوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک پگڈنڈی نظر آ رہی تھی، جس کے اطراف میں درخت تھے۔ پگڈنڈی برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔

وہ بھاگ نکلنے کے لئے اچھا موقع تھا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ بھاگ کر جائے گی کہاں۔ اسے تو راستوں کا بھی پتا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ پہاڑوں پر چلنے کی عادی تھی۔ اس پر مصیبت برف سے ڈھکے ہوئے راستے۔ کیا پتا، کس جگہ برف کے نیچے خلا ہو.......... کوئی گہرا کھڈ۔ ہاں پگڈنڈی کے سرے پر اگر اسے سڑک نظر آ جاتی تو وہ ہمت کر لیتی لیکن وہاں تو نیچے.......... بہت نیچے جاتے ہوئے درختوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دونوں جانب درخت ہی درخت تھے۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرف جائے۔ اتنے میں سر کے اوپر سے کسی نے کہا۔ "سیدھے ہاتھ کی طرف ریچھ زیادہ ملیں گے اور الٹے ہاتھ کی طرف گیدڑ۔"

اس نے گھبرا کے سر اٹھایا۔ غار کے دہانے کے اوپر ایک بہت بڑی چٹان چھجے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس چھجے پر ایک شخص پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ اسے لباس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ ڈاکوؤں میں سے ایک ہے۔ اس بار چہرے پر ڈھاٹا نہیں تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔ خشخشی داڑھی تھی اور مونچھیں بھی ہلکی تھیں۔

لبنیٰ نے کچھ نہیں کہا۔ بس شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔

چھجے پر بیٹھے ڈاکو نے ہاتھ منہ سے لگا کر بھونپو سا بنایا اور زور سے چلایا۔ "سردار.......... باورچن اٹھ گئی ہے۔"

اس اعلان پر لبنیٰ کا منہ بنا ہی تھا کہ سامنے والے درختوں کی طرف سے جواب آیا۔ "میں آتا ہوں۔" لبنیٰ نے آواز کی طرف دیکھا۔ ایک شخص چیڑ کے اونچے درخت سے بڑے مزے سے پھسلتا ہوا اترتا نظر آیا۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ یقیناً سردار تھا۔ بہت گھنی مونچھوں میں وہ بہت خطرناک لگ رہا تھا۔ عمر بھی اس کی زیادہ تھی۔

"کتنا سوتے ہو تم شہری لوگ؟" اس نے لبنیٰ کے قریب آ کر بے حد بے تکلفی سے

کہا۔ "ناشتا بھی کرتے ہو یا نہیں؟"

"یہ کیا بکواس ہے؟" لبنیٰ نے غصے سے کہا۔ "تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے بی بی۔ تُو دس لاکھ کا نوٹ ہے۔ اب تجھ سے ایسے بات نہیں کروں گا؟" ڈاکو نے بڑے دلار سے کہا۔ "بس تو اب جلدی سے ناشتا بنا دے۔"

"مجھ سے ایسی کوئی امید نہ رکھنا۔" لبنیٰ نے کڑے لہجے میں کہا۔

سردار کے تیور بدل گئے۔ "تجھے تو ہماری ہر بات ماننی ہے شہری لڑکی!" وہ غرایا۔

"چھوٹی باتیں نہیں مانے گی تو بہت بڑی باتیں ماننی ہوں گی۔"

"جنگلی گھوڑی اور شہری عورت کو سدھانا بہت مشکل ہے سردار!" اوپر بیٹھے ڈاکو نے مسخرے پن سے کہا۔

"تو چپ کر اور نیچے اتر آ شیرے!" سردار نے اسے ڈپٹا۔ "اسے تو میں ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ لبنیٰ کی طرف بڑھا۔ اس نے لبنیٰ کی کمر تھام کر اسے یوں اٹھایا' جیسے وہ کوئی پلاسٹک کی گڑیا ہو۔ پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے داہنی جانب کے درختوں کی طرف چلا۔ درختوں کے درمیان ذرا سا آگے جا کر ایک گہرے کھڈ کی گگر تھی۔ سردار نے لبنیٰ کو خلا میں جھلایا۔ "بول کیا کہتی ہے؟" اس نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔ "میری بات مانے گی یا نہیں؟"

لبنیٰ بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا گلا خشک تھا۔ لٹکی ہوئی حالت میں اس خوفناک کھائی کو دیکھنا بہت لرزہ خیز تجربہ تھا۔ اس نے تو اپنی سانس بھی روک لی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ ذرا بھی ہلی تو سردار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔

"بول.......... ورنہ گرا دوں گا کھڈ میں۔" ڈاکو پھر غرایا۔

اس بار لبنیٰ نے شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔ ڈاکو اسے واپس لے آیا اور غار کے دہانے پر کھڑا کر دیا لیکن لبنیٰ کی ٹانگوں میں جان نہیں تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کے لئے اٹھنا بھی ناممکن تھا۔

"بس اٹھ جا' زیادہ نخرے نہ کر۔" سردار نے سخت لہجے میں کہا۔ "بہت بھوک لگی ہے اور یاد رکھ' بھوکا مرد بڑا خونخوار ہوتا ہے۔ کچا چبا جاتا ہے.......... کچا!"

لبنیٰ فوراً ہی اٹھ گئی۔ اگرچہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ کھائی میں لٹکنے کے تجربے کا اعادہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ "کیا پکاؤں؟" اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"او شیرے' اسے بتا۔ میں ادھر ہی کھڑا ہوں۔" سردار نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"وہ جیلا بھی ابھی تک نہیں آیا ہے۔"

"آ بی بی میرے ساتھ۔" شیرے نے کہا اور لبنیٰ کو غار میں لے گیا۔ "یہاں ہر چیز موجود ہے ضرورت کی۔ تو ایسا کر کہ آٹا گوندھ لے۔ پھر چائے کا پانی چولہے پر چڑھا اور اس کے بعد پروٹھے ڈال دے۔"

"پروٹھے؟" لبنیٰ نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.......... وہی گھی والی روٹی۔"

"لیکن مجھے تو آٹا گوندھنا نہیں آتا۔" لبنیٰ نے بے بسی سے کہا۔

"تو بی بی' اپنے گھر میں تو کیا کرتی ہے؟"

"گھر میں نوکر ہیں۔"

"اور یہاں آنے کے بعد؟"

"ڈبل روٹی سے کام چلاتے تھے ہم۔"

"تیرا قصور نہیں ہے بی بی۔" شیرے نے آہ بھر کر کہا۔ "یہ تیرے مرد کا قصور ہے۔ وہ کسی کام کا ہوتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا۔ خیر' اگر پیسے نہیں آئے اور سردار نے تجھے قبول کر لیا تو تین دن کے اندر تجھے سب کچھ آجائے گا۔ سردار بہت ہتھ چھٹ ہے۔ عورتوں کو بھی نہیں بخشتا۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" لبنیٰ نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"ویسے تو سردار کے ساتھ اچھی ہی رہے گی۔" شیرا اپنی کہے جا رہا تھا۔ "تیرا مرد تو کسی کام کا نہیں۔ نہ وہ تیری حفاظت کر سکتا ہے۔ نہ تجھے کام کا بنا سکتا ہے۔"

"تم لوگوں کے پاس بندوقیں تھیں اور وہ نہتا تھا۔" لبنیٰ نے صفائی پیش کی۔

"تو تجھے چھوڑ کر بیٹھ گیا۔" شیرے نے طنز کیا۔

لبنیٰ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے سردار کی دھاڑ سنائی دی۔ "او شیرے' جلدی سے ناشتا بنوا۔ میرا برا حال ہے بھوک سے۔"

"اب کیا ہوگا۔" شیرا بڑبڑایا۔ "چل بی بی' میں تجھے آٹا گوندھنا سکھاتا ہوں۔"

آٹا گندھ گیا۔ اب دوسرا مرحلہ تھا چولہے کا۔ مٹی کا تیل موجود نہیں تھا۔ "تو فکر نہ کر بی بی۔ ہم ضرورت کی ہر چیز رکھتے ہیں۔" شیرے نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "باہر لکڑیاں موجود ہیں۔ وہیں چولہا جلے گا۔"

لبنیٰ نے کبھی لکڑیاں نہیں جلائی تھیں۔ شیرا اسے سمجھاتا رہا۔ نیچے پتلی چھوٹی لکڑیاں رکھ کر جلائی گئیں۔ انہوں نے آنچ پکڑلی تو اوپر سلیقے سے بڑی لکڑیاں رکھ دی گئیں مگر لبنیٰ دھوئیں سے پریشان تھی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

اب توے کا مرحلہ درپیش تھا۔ توے کے نام پر وہاں ایک بہت بڑا گول ٹین تھا۔ لبنیٰ نے تو عام توے پر بھی کبھی روٹی نہیں ڈالی تھی۔ اسے دیکھ کر تو وہ گھبرا گئی۔

"اس کا فائدہ یہ ہے بی بی کہ تجھے ایک ہی پراٹھا پکانا پڑے گا اور سب کا کام ہو جائے گا۔"

"میرے پاس کوئی کام کی چیز ہوتی تو تم سب کا کام تمام کر دیتی۔" لبنیٰ نے جل کر کہا۔

شیرا اسے سکھاتا سمجھاتا رہا۔ جیسے تیسے ایک پراٹھا پک ہی گیا۔ چائے بھی بن گئی لیکن لبنیٰ کے ہاتھوں پر اتنے چھپکے لگے کہ وہ پریشان ہوگئی۔ یہاں تو ٹیوب بھی نہیں تھی۔ شیرے کو پتا چلا تو اس نے جلی ہوئی جگہ گھی لگانے کا مشورہ دیا۔ حیرت انگیز طور پر اس سے فائدہ بھی ہوا۔

سردار اور شیرا مزے سے بیٹھ کر کھاتے رہے۔ لبنیٰ کا اپنا بھوک سے برا حال تھا لیکن وہ وحشت زدہ بھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس قصے کا انجام کیا ہوگا۔ اسے مسعود کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ اس کی طبیعت ایسی تھی کہ غصہ آتا تھا تو خوف دب جاتا تھا اور وہ غصے کا اظہار بھی خوب کرتی تھی۔ اسی وجہ سے ڈاکوؤں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی خوف زدہ ہے اور وہ اپنے خوف کو ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر کھائی میں لٹکنے کے تجربے نے اسے لرزا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ جانتی تھی کہ سردار اسے پھینکے گا نہیں۔ وہ دس لاکھ کا نوٹ تھی۔

سردار کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "لے بی بی' اب تو ناشتا کرلے۔" وہ کہہ کر

اٹھا۔ اس نے توے پر پڑا پراٹھا اس کی طرف بڑھایا۔ "چائے بھی نکال لے اپنے لئے۔"

لبنیٰ نے منہ بنا کر پراٹھے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"برا مان گئی۔" سردار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے۔ عورتیں پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں پھر خود کھاتی ہیں۔"

"مجھے کیا تمہارے ہاں کے طریقوں سے۔" لبنیٰ نے بھنا کر کہا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً تمہیں قبول کرلوں گا۔"

لبنیٰ کا غصے سے برا حال ہوگیا۔ "سنو' تم مجھے کمزور نہ سمجھو۔ میں تمہیں نہ مار سکی تو خود ضرور مرجاؤں گی۔"

"مرجانا۔ پہلے ناشتا کرلو ورنہ اٹھا کر کھائی میں پھینک دوں گا۔" سردار کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔

یہ بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ شیرے نے نعرہ لگایا۔ "جیلا آگیا استاد۔"

لبنیٰ نے آواز کی سمت دیکھا۔ پگڈنڈی کی طرف سے ایک اور ڈاکو آتا نظر آیا۔ اس کے کندھے سے بندوق جھول رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پانچ چھ مردہ خرگوش لٹکے ہوئے تھے۔ "یہ شیدا پتا نہیں کہاں رہ گیا؟" سردار بڑبڑایا۔

جیلے نے وہ پانچ خرگوش لاکر برف پر ڈال دیئے۔ انہیں ذبح وہ پہلے ہی کرچکا تھا۔ خون اب بھی رس رہا تھا۔ برف سرخ ہونے لگی تھی۔ "یہ لو سردار' کھانے کا بندوبست بھی ہوگیا۔" جیلے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لے بی بی' اب ان کی کھال اتار اور انہیں صاف کرلے جلدی سے۔" سردار نے لبنیٰ سے کہا۔ "پھر کھانا پکانے کا بندوبست کر۔"

"کون میں؟" لبنیٰ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ "مجھ سے تو یہ خرگوش دیکھے بھی نہیں جارہے ہیں۔ میں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"تجھے ٹھیک کرنا ہی پڑے گا بی بی۔" سردار نے نرم لہجے میں کہا۔ "تجھے تو عورت بن کر رہنا ہی نہیں آتا............"

اس بار پھر شیرے کی مداخلت نے بات نہیں بڑھنے دی۔ "شیدا بھی آگیا سردار!" اس نے نعرہ لگایا۔

لبنیٰ نے پگڈنڈی کی سمت دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شیدا اکیلا نہیں تھا!

☆======☆======☆

مسعود آگے آگے چل رہا تھا اور بندوق بردار اس کے پیچھے تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ انہیں چلتے ہوئے کم از کم بیس منٹ ہوگئے ہیں۔ بالکل اچانک ہی سامنے وہ لوگ اسے نظر آگئے۔ لبنیٰ بھی تھی اور تین اور افراد تھے۔ وہ یقیناً ڈاکو ہوں گے۔

لبنیٰ نے اسے دیکھا تو دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ "مجھ.......... سوری مسعود' تم کیسے آ پھنسے؟" وہ اس سے لپٹ گئی اور پھر جانے کیا ہوا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

"یہ لوگ بہت ظالم ہیں مسعود۔ وہ.......... وہاں بہت گہری کھائی ہے۔ یہ سردار مجھے وہاں پھینک رہا تھا۔" وہ بچوں کی طرح سسکیوں کے درمیان کہے جا رہی تھی۔

مسعود کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے.......... اسے کیسے دلاسا دے۔ ہاتھ میں تو امید کی ڈوری کا کوئی سرا بھی نہیں تھا بلکہ امید کی ڈور بھی نہیں تھی۔ وہ بس اسے تھپ تھپاتا رہا۔ "فکر نہ کرو۔ اب میں آگیا ہوں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

مسعود نے لبنیٰ کو ہٹایا۔ اسی لمحے شیدے نے اسے آگے دھکیلا۔ "چل بھئی بابو.......... آگے بڑھ۔"

مسعود نے آگے بڑھتے ہوئے گردوپیش کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ وہ غار کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ چھجے نے اسے اور محفوظ کردیا تھا۔ برف باری میں بھی غار کا دہانہ بند نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک طرف لبنیٰ کے بیان کے مطابق کھائی تھی۔ امکان یہی تھا کہ دوسری طرف بھی یہی صورتِ حال ہوگی۔

وہ' شیدا اور لبنیٰ اب سردار کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ "اسے کہاں سے پکڑ لایا ہے شیدے؟" سردار نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"تمہارا اندازہ درست تھا سردار!" شیدے نے کہا۔ "یہ ہمارے قدموں کے نشان

دیکھتا ہوا ادھر ہی چلا آ رہا تھا۔ بہت چالاک ہے۔"

"اتنی جلدی تم نے دس لاکھ کا بندوبست کرلیا؟" سردار مسعود کی طرف مڑا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔" مسعود نے کہا۔

"اور میں نے بھی تمہیں بتادیا تھا کہ دس لاکھ نہیں ملے گا تو کیا ہوگا۔" سردار کے لہجے میں دھمکی تھی۔ "تم نے برا کیا جو دس لاکھ لئے بغیر یہاں چلے آئے۔ خیر ہمارا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں۔ ہمارے بہت کام آؤ گے اور ایک اہم کام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا تمہارے بغیر۔ اب وہ بھی ہو جائے گا۔" سردار جیلے اور شیدے کی طرف مڑا۔ "تم لوگ بھی جلدی سے ناشتا کرلو۔ اے بی بی' چائے لا کر دے ان دونوں کو۔"

لبنیٰ غار میں چلی گئی۔ مسعود نے سردار کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کررہا تھا کہ اب ڈاکوؤں کا کیا ردعمل ہوگا۔

"اوئے چھوکرے' تم لوگوں کو عورت تو رکھنی نہیں آتی اور شادی کرلیتے ہو۔" سردار نے اس سے کہا۔ لہجے میں حقارت تھی۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟" مسعود کا دماغ الٹ گیا۔

"تو اور کیا۔ تمہاری عورت کو گھر کا کوئی کام بھی نہیں آتا۔ سب ہمیں سکھانا پڑ رہا ہے۔"

اتنے میں لبنیٰ غار میں سے پیالے لے آئی تھی۔ اس نے پیالوں میں چائے انڈیل کر پہلے مسعود کو دی اور پھر جیلے اور شیدے کے سامنے رکھ دی۔ وہ دونوں اس سے پہلے ہی جہازی سائز کے پراٹھے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ "یہ تمہارے ہاں کی عورت نہیں ہے۔" مسعود نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"عورت کہیں کی بھی ہو' اسے عورت ہونا چاہئے اور مرد کو مرد ہونا چاہئے۔ اس کو تو میں کسی نہ کسی طرح عورت بنادوں گا لیکن تمہارا مرد بننا بہت مشکل ہے۔"

"تمہارے خیال میں مرد کیسا ہوتا ہے۔ بے وقوف! تمہارے خیال میں یہ مردانگی ہے کہ میں تم لوگوں پر ٹوٹ پڑوں۔ نتیجے میں مارا جاؤں اور بیوی کو بیوہ کردوں۔" مسعود نے بڑے تحمل سے کہا۔ درحقیقت اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔

"نہیں۔ یہ تو واقعی بے وقوفی ہوگی۔" سردار نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "لیکن مردوں کو محنتی اور جفاکش ہونا چاہئے۔ نکما آدمی تو خود بھی ٹھیک سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ اپنا خیال بھی نہیں رکھ سکتا۔ بیوی کا کیا خیال رکھے گا۔"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ میرا محنتی پن اور میری جفاکشی اور طرح کی ہے۔"

"جفاکشی ہم اسے کہتے ہیں' جو ہر طرح کے حالات میں زندگی گزارنے کا جتن کرسکے۔"

مسعود نے حیرت سے سردار کو دیکھا۔ اسے وہ گفتگو دانش ورانہ لگی۔

"جفاکشی میں تمہیں سکھاؤں گا۔" سردار نے مزید کہا۔ "زندہ بچ گئے تو تم بھی محنتی اور جفاکش ہوگے۔ چلو' پہلا کام یہ کرو کہ ان خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں پکانے کے لئے تیار کرو۔" اس نے برف پر پڑے خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا۔

مسعود نے حیرت سے خرگوشوں کو اور پھر سردار کو دیکھا۔ "یہ محنت ہے.......... جفاکشی ہے۔"

"نہیں.......... یہ زندگی ہے۔" سردار نے جواب دیا۔ "محنت اور جفاکشی شکار کرنے سے شروع ہوتی ہے۔"

"مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔" مسعود نے صاف انکار کردیا۔

"تو زندگی کیسے گزارو گے؟ یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کا۔ پیسے کے زور پر زندگی گزارتے ہو۔ ہمیں دیکھو۔ ہماری جیب خالی ہے لیکن تم سے اچھا کھاتے ہیں۔ تم سے اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے نہیں گھبراتے۔"

"ہاتھ پاؤں ہلانا لوگوں کو لوٹنا' انہیں یرغمال بنا کر دولت طلب کرنا ہے۔" مسعود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور خالی جیب اچھی زندگی گزار سکتے ہو تو مجھ سے دس لاکھ کیوں مانگتے ہو؟ ڈاکو کیوں بنے ہو؟"

"پیسہ ان کے پاس ہونا چاہئے جنہیں زندگی گزارنی آتی ہے۔" سردار نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "خیر' اب تمہیں تجربہ ہوجائے گا۔ یہاں ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے تو کھانا ملے گا۔ یہاں تم مفت کی روٹیاں نہیں توڑ سکتے۔" اس نے پھر خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو شروع ہوجاؤ۔"

"مجھے یہ کام نہیں آتا۔" مسعود نے بے بسی سے کہا۔

"تو سیکھ لو۔" سردار نے کہا پھر اس نے شیرے کو پکارا۔ "او شیرے، بابو کو ذرا ایک خرگوش بنا کر دکھا۔ باقی کام یہ خود کر لے گا۔"

"ابھی لو سردار۔"

شیرے نے ابھی مسعود کی کلاس لینی شروع ہی کی تھی کہ سردار نے لبنیٰ کو پکار لیا۔

"او بی بی، دیکھ آج برف گرے گی۔ تو ایسا کر کہ بڑی لکڑیاں چیر کر چھوٹی کر لے۔ جلانے میں آسانی ہوگی۔ یہاں آگ کے پاس ہی ڈال دے انہیں۔ تھوڑی سوکھ جائیں تو اچھا ہے۔"

مسعود نے سر گھما کر سردار کو دیکھا۔ "میری بیوی یہ کام نہیں کرے گی۔"

"یہ بی بی یہ کام ضرور کرے گی۔ تیری عورت بن کر نہیں تو میری عورت بن کر کرے گی۔"

مسعود اٹھ رہا تھا کہ شیرے نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔ مسعود نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ "نہیں بابو، غلطی نہ کرنا۔ تو سردار کو نہیں جانتا۔ وہ جو کہہ رہا ہے، کر بھی گزرے گا۔"

مسعود خاموشی سے بیٹھ گیا۔ شیرا اسے سمجھا رہا تھا کہ کھال آسانی سے کیسے اتاری جا سکتی ہے۔

☆------☆------☆

پورا دن گزر گیا۔ مقصود صاحب نے بلاشبہ سینکڑوں بار شاکر کا دیا ہوا مری کا نمبر ٹرائی کیا تھا۔ ہر بار انہیں انگیج ٹون سننے کو ملی تھی۔ شاکر کی بات درست ہی لگ رہی تھی کہ مری میں برف باری کے بعد ٹیلی فون کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے رات کو شاکر کو دوبارہ فون کیا۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ بے فکر ہو جائیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے انکل!" شاکر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میاں! لیکن دل مضطرب ہے۔ بات ہو جاتی تو مجھے سکون ہو جاتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"دل نہیں مانتا برخوردار۔ میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ مسعود نے مجھے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا لے گئے ہیں اور انہوں نے اس کی رہائی کے لئے دس لاکھ روپے مانگے ہیں۔"

"اچھا......... آپ اور لوگوں سے پوچھ کر دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ مری میں ایسا کوئی سلسلہ نہیں چلتا۔"

"وہ میں پوچھ چکا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے لیکن میں کیا کروں۔ دل کو کیسے سمجھاؤں۔" مقصود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" شاکر نے پوچھا۔

"حتمی فیصلہ تو میں مشہود سے بات کرنے کے بعد کروں گا۔ مشہود میرا بھائی اور لبنیٰ کا باپ ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔ "لیکن میرے دل میں بار بار خیال آتا ہے کہ مجھے خود مری جا کر دیکھنا چاہئے۔"

لائن پر چند لمحے خاموشی رہی پھر شاکر کی آواز ابھری۔ "آپ حکم کریں تو میں مری چلا جاؤں۔"

"میں بہت شکر گزار ہوں گا۔"

"ایسا کریں، کل اور ٹرائی کریں۔ شاید فون مل جائے۔ نہیں تو پرسوں میں چلا جاؤں گا۔ کل مجھے ایک ضروری کام ہے۔ وہ نمٹا لوں گا۔"

مقصود صاحب ہچکچائے۔ "اچھا ٹھیک ہے لیکن.........."

"میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔" شاکر نے ان کی بات کاٹ دی۔ "ممکن ہے، میں کل ہی چلا جاؤں۔"

"تمہارا بہت شکریہ بیٹے۔"

"بس آپ پریشان نہ ہوں انکل۔ اچھا خدا حافظ۔"

مقصود صاحب نے ریسیور رکھا اور کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ مشہود الزمان سے فون پر بات کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ گھر میں بات کی گئی تو پریشانی بھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگے..........

☆------☆------☆

رات ہوتے ہوتے مسعود تھک کر چُور ہوچکا تھا۔ اس ایک دن میں اس نے جتنے کام کئے تھے، پوری زندگی میں نہیں کئے تھے اور جس نوعیت کے کام کئے تھے، وہ اس کے امکانِ تصور سے بھی باہر تھے۔ اس نے خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں صاف کیا تھا۔ پھر جنگل گیا تھا اور لکڑیاں کاٹ کر لایا تھا۔ اس کے بعد وہ لکڑیاں چیرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں میں کلہاڑی تھامنے کی طاقت بھی نہیں رہی تھی۔ ہاتھوں میں ایک ایک جگہ پر کئی کئی چھالے پڑ کر پھوٹ چکے تھے۔

شیرے نے اسے چیڑ کی لکڑی کے متعلق بتایا تھا، جو مشعل کے کام آتی تھی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ لبنیٰ بھی بڑی مصیبت میں ہے۔ وہ بھی ایسے کام کررہی تھی جو کبھی نہیں کئے تھے۔ پانی گرم رکھنا، چائے بنانا، آٹا گوندھنا، سالن.......... اور پھر بڑی بڑی روٹیاں پکانا۔ اب تو وہ بے چاری ٹھیک طرح سے چل بھی نہیں پارہی تھی۔

اور وہ ڈاکو بڑے پیٹو تھے۔ مسعود نے انہیں کھاتے دیکھا تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ کوئی انسان اتنا کھا سکتا ہے۔ اس کا اپنا یہ حال تھا کہ تھکن نے بھوک بھی اڑا دی تھی۔ اس نے بمشکل چار لقمے لئے۔ لبنیٰ کا بھی یہی حال تھا۔

بہرحال رات کا کھانا مسعود کو تو نعمتِ عظمیٰ ہی لگا۔ صرف اس لئے کہ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں نے نہ صرف سونے کا ارادہ کرلیا بلکہ اس کے لئے بھی یہی حکم صادر فرمایا۔ اس وقت تک مسعود کا جسم آرام کا مطالبہ کرنے کے سوا کسی قابل نہیں رہا تھا۔

لیکن کون کہاں سوئے گا، اس مسئلے پر الجھن پیدا ہوگئی۔ ڈاکو مسعود کو اپنے درمیان اور لبنیٰ کو الگ سلانا چاہتے تھے۔ مسعود نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو بس پہلی فرصت میں لیٹ جانا چاہتا تھا لیکن لبنیٰ نے ہنگامہ کھڑا کردیا۔ "میں اکیلی نہیں سوؤں گی۔"

"تو اب میں تیرے ساتھ سونے کے لئے عورت کہاں سے لاؤں بی بی!" سردار نے بھنا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر جو یہاں موجود ہے۔"

مسعود کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ لبنیٰ یہ ہنگامہ کیوں کر رہی ہے۔ وہ حیرت سے کبھی لبنیٰ کو دیکھتا اور کبھی سردار کو۔

"یہ نہیں ہوسکتا اور اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟"

"ضرورت ہے۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔"

سردار یہ سن کر غصے سے پاگل ہوگیا۔ مسعود کی سمجھ میں اب بھی بات نہیں آرہی تھی۔ پھر اچانک.......... اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ لبنیٰ کو ان ڈاکوؤں کی قید میں ایک اور بڑا خطرہ بھی لاحق ہوسکتا ہے۔ اس کے خون میں بتدریج گرمی آنی شروع ہوئی۔

"پاگل ہوگئی ہے بی بی!" سردار برافروختگی سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے کچھ کرنا ہوگا تو مجھے روکے گا کون۔"

لبنیٰ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میرے شوہر کو نقصان پہنچاؤ گے۔"

"تو ادھر تیرے پاس سو کر یہ محفوظ ہوجائے گا.........."

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے سردار!" مسعود نے ٹھنڈے لہجے میں بات کاٹ دی۔ "جب میں یہاں موجود ہوں تو یہ اکیلی نہیں سوئے گی۔"

"ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔" سردار اس پر الٹ پڑا۔ "اور تم اس جگہ کو کیا سمجھ رہے ہو۔ یہ ڈاکوؤں کا غار ہے، کوئی عیاشی والا ہوٹل نہیں۔"

مگر اب مسعود کا دماغ آؤٹ ہوچکا تھا۔ وہ اٹھ کر لبنیٰ کی طرف چلا آیا۔ سردار بھی اٹھنے لگا مگر شیرے نے اسے روک لیا۔ "رہنے دو سردار۔ یہ شہری لوگ ہیں۔ ان کے اپنے رسم ورواج ہیں۔"

سردار بیٹھ تو گیا لیکن اس نے بھنا کر کہا۔ "رہنے دے شیرے۔ مجھے تو ان میں اب تک میاں بیوی کی محبت بھی نظر نہیں آئی۔"

اس کی یہ بات سن کر مسعود اور لبنیٰ نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکا مگر اگلے ہی لمحے دونوں کی نگاہیں جھک گئیں۔

غار میں خاصی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکوؤں کے خراٹوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لبنیٰ اور مسعود کچھ دیر چپ چاپ لیٹے رہے پھر مسعود نے کہا۔ "یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اس بات پر اتنا ہنگامہ کیوں کیا۔ کل بھی تو تم یہاں اکیلی رہی تھیں؟"

"وہ اور بات تھی۔ میں بے ہوش تھی۔" لبنیٰ نے کہا پھر کچھ دیر سوچتی رہی۔ "بات

یہ ہے کہ تم سے مجھے تحفظ کا احساس ملتا ہے۔"

"کراچی میں اپنے گھر میں بھی زیادہ تر تم اکیلے سونے پر اصرار کرتی تھیں۔" مسعود نے اعتراض کیا۔ دونوں سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"وہ بھی اور بات تھی۔ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔"

"کوشش تو کرو۔"

"دن بھر تمہارا رویہ ایسا ہوتا تھا' جیسے تمہیں میری کوئی پروا ہی نہیں۔ جیسے تمہیں مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ بس پھر اس کے بعد رات کے وقت تمہارا قریب آنا مجھے برا لگتا تھا مگر اب تم قریب ہو تو تحفظ کا احساس ہو رہا ہے۔"

"سردار ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمارے درمیان میاں بیوی والی محبت ہے ہی نہیں لیکن پھر بھی میرے جیتے جی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"یہ محبت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟" لبنٰی نے تنک کر کہا۔

"میں نہیں لاتا۔ دوسرے لاتے ہیں۔" مسعود نے اور زیادہ تنک کر کہا۔ "مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔"

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی پھر لبنٰی نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر مسعود کو چھوا۔ "محبت نہ سہی مچھو' لیکن میں تمہارا خیال تو رکھتی ہوں۔"

"خاک خیال رکھتی ہو۔ خیال رکھتیں تو ہم یہاں.......... اس حال میں کیوں ہوتے۔" مسعود نے بھنا کر کہا۔ "گھر میں تمام وقت شرارتیں کرتی تھیں اور مجھے بھگتنا پڑتا تھا۔"

"خود تو جیسے تم کچھ کرتے نہیں۔" لبنٰی نے چیخ کر کہا پھر اسے خیال آگیا۔ "ہم پھر لڑنے لگے؟"

مسعود نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ "مچھو.......... نیند نہیں آ رہی ہے کیا؟"

"نیند کیسے آئے گی۔ پورا جسم دکھ رہا ہے میرا۔" مسعود کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مچھو.......... اب ہو گا کیا؟"

"پتا نہیں۔ تم تو خیر محفوظ رہو گی۔"

"مجھ سے ناراض ہو مچھو؟" لبنٰی نے مسعود کا ہاتھ تھام لیا۔ مسعود کی چیخ نے اسے دہلا دیا۔

چیخ سن کر ڈاکوؤں میں سے کسی نے نیند میں ڈوبی آواز میں بڑبڑا کر کہا۔ "ان کے ہاں چیخیں بھی مردوں کی نکلتی ہیں۔"

یہ سن کر تو مسعود کا دماغ ہی الٹ گیا کچھ کہنا لاحاصل تھا۔ وہ خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ "کیا ہوا مچھو؟ چیخے کیوں تھے؟" لبنٰی نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"مچھو کا صرف جسم نہیں دکھ رہا ہے' ہاتھوں پر بڑے بڑے چھالے بھی ہیں۔" مسعود نے تپ کر کہا۔

"میں کیا کروں مچھو؟ یہاں تو کوئی دوا بھی نہیں۔"

"بس دعا کرو مجھے نیند آ جائے۔"

جانے لبنٰی کو کیا ہوا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور مسعود کی ٹانگیں دبانے لگی۔ "کیا کرتی ہو؟" مسعود نے احتجاج کیا۔

"تمہاری ٹانگیں دکھ رہی ہیں نا۔"

"میرا تو پورا جسم دکھ رہا ہے۔"

"تو پورا جسم دبا دوں گی۔"

یہ آن ہونی تھی۔ مسعود حیرت سے سوچتا رہا کہ یہ لبنٰی کو کیا ہو گیا ہے۔ بہرحال دکھتے ہوئے جسم پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ بہت اچھا اور سکون بخش لگ رہا تھا۔ لبنٰی کے بارے میں نرمی سے سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

لبنٰی دیر تک اسے دباتی رہی۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ سو گیا ہے۔ اسے اس وقت مسعود پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ دن بھر کیسی مشقت کی تھی اس نے۔ کیا حشر ہو گیا تھا بے چارے کا۔ پھر اس کی سوچ کی رو اپنی طرف مڑ گئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ وہ پہلی بار اس کی اس طرح خدمت کر رہی تھی۔ اس وقت اس کی کیفیت عجیب تھی۔ مسعود کے بارے میں اس نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ کیا یہ محبت ہے؟ اس کے ذہن میں اس معصوم سے سوال نے سر اٹھایا لیکن اس کا جواب وہ یقین سے نہیں دے سکتی تھی۔

"مچھو.......... ایک بات سنو۔" اس نے پکارا۔

جواب نہیں ملا تو اس نے جھک کر دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے بڑی نرمی سے اس کی پیشانی پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھوں کی پشت کو بوسہ دیا۔ ہتھیلی کو چھونے کی تو اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ مسعود سے محبت کرتی ہے۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ تو یہ ہوتی ہے محبت؟ پریشانی میں کسی کے لئے پریشان ہونا.......... اذیتیں بانٹنا.......... کسی کے دکھ پر رونا.......... قربت میں خواہ کچھ ہو' دوری میں اس کی کمی محسوس کرنا اور وہ محبت سے بے خبر رہی۔ صرف اس لئے کہ کبھی پریشانی اور اذیت کا سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔

اپنی وہ کیفیت اسے خود بھی نارمل نہیں لگی۔ وہ اس ڈاکوؤں والی ابتلا پر خوش تھی.......... خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ اس کی وجہ سے تو محبت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ دیر تک.......... بہت دیر تک وہ سو نہیں سکی۔ وہ مسعود کے چہرے کو دیکھتی رہی.......... اور دیکھتے دیکھتے نہ جانے کب سوگئی۔

☆------☆------☆

پہلو میں ٹھوکا لگنے کی وجہ سے مسعود کی آنکھ کھلی۔ جسم میں درد کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ "اٹھو.......... کب تک پڑے سوتے رہو گے۔ ایک تو تم شہری لوگوں میں یہ سب سے بڑی برائی ہے۔ صبح سویرے نہیں اٹھو گے تو دن خراب ہی گزرے گا۔"

مسعود کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "کیا بات ہے بھائی؟"

"یہ تمہارے باپ کا محل نہیں ہے۔ اٹھو.......... کام کرو۔ کیا مفت کی روٹیاں توڑتے رہو گے۔ اپنی بیوی کو بھی اٹھا دو۔"

لیکن لبنیٰ خود ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ "مجھے کیا کرنا ہے؟" مسعود نے جیلے سے پوچھا۔

"بیلچہ اٹھاؤ اور برف صاف کرو۔ رات بھر برف پڑی ہے۔"

یہ سنتے ہی مسعود کے ہوش اڑ گئے۔ "ہاتھوں کا کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ چھالے پڑے ہوئے ہیں میرے ہاتھوں میں۔"

جیلا بڑی بے رحمی سے ہنسا۔ "آج چھالے پھوٹ جائیں گے اور تکلیف بڑھ جائے

گی۔ مگر کل سے ہاتھ پکے ہونے لگیں گے.......... مردوں والے سخت ہاتھ۔ پھر تمہیں کام کرنے میں مزہ بھی آنے لگے گا۔"

مسعود میں ہمت تو نہیں تھی لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے لبنیٰ اٹھی اور اس کے اور جیلے کے درمیان آگئی۔ "تمہیں ہاتھوں کے چھالے بھی نہیں متاثر کرتے۔ میرے شوہر اب کام نہیں کریں گے۔"

"تو پھر تم سنبھالو بیلچہ۔" جیلے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کروں گی یہ کام۔"

"اور تمہارا مرد تماشا دیکھے گا۔" جیلے نے حقارت سے کہا۔

اس پر مسعود کو طرارہ آگیا۔ اس نے لبنیٰ کو سختی سے ایک طرف ہٹایا "لبنیٰ.......... تمہیں میرے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

غار کے دہانے سے آگے چٹانی چھجے کے نیچے برف کی دیوار سی بن گئی تھی۔ مسعود کو وہ کام بہت آسان لگا لیکن ایک منٹ بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ اس کا اب تک کا سب سے سخت کام ہے۔ چھالے تو پہلے ہی پھوٹ گئے تھے۔ وہ تو سردی بھی اس وقت نعمت بن گئی تھی جس کی وجہ سے ہاتھ سن ہوگئے تھے اور تکلیف کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لبنیٰ نے ناشتا تیار کرلیا تھا۔ پہلے ڈاکوؤں نے ناشتا کیا۔ پھر ان دونوں کی باری آئی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ انہیں بھوک لگی تھی۔ دونوں نے بڑی رغبت سے ناشتا کیا اور وہ ناشتا انہیں اچھا بھی لگا۔

ناشتے کے دوران مسعود کو احساس ہوا کہ سردار اسے گھور رہا ہے لیکن اس نے سردار کی طرف نہیں دیکھا۔ ناشتے کے بعد سردار نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ "او بابو' اب زبردستی کی مہمانی ختم کرو اور واپس جاؤ۔ تم یہاں پڑے رہو گے تو ہمیں رقم کیسے ملے گی۔"

"رقم تو تمہیں کسی بھی طرح نہیں ملے گی۔" مسعود نے کہا۔ "تم نے غلط لوگوں کو پکڑلیا ہے۔ ہم لوگوں نے تو دس لاکھ خواب میں بھی نہیں دیکھے۔"

"تمہارے سامنے تین ہی راستے ہیں۔" سردار نے کہا۔ "ایک یہ کہ جاکر دس لاکھ

کا بندوبست کرو۔ ہمیں لا کر دو اور اپنی بیوی کو لے جاؤ۔"

"میں دس لاکھ تو نہیں لاسکتا۔ پولیس ضرور لاسکتا ہوں۔"

"لے آنا۔" سردار نے بے پروائی سے کہا۔ "تمہارے جاتے ہی ہم ٹھکانا بدل لیں گے۔"

"میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر جاؤں گا ہی نہیں۔" مسعود نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اسے طلاق دے دو اور اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

"کس خوشی میں؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً اسے قبول کرلوں گا۔" سردار نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور میں ڈاکو سہی' خلافِ شرع کام کبھی نہیں کروں گا۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"طلاق کے بغیر میں تمہاری بیوی سے شادی کیسے کرسکتا ہوں۔" سردار نے معصومیت سے کہا۔

"مگر میں تو طلاق نہیں دوں گا۔"

"کیوں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کو ایک دوسرے سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔" مسعود نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو پھر تیسری صورت میرے اختیار میں ہے۔" سردار کا لہجہ اور سرد ہوگیا۔ "میں تمہیں قتل کردوں گا۔"

"کسی کو قتل کرنا تمہارے خیال میں خلافِ شرع نہیں ہے؟"

"مجبوری ہے۔" سردار نے کندھے جھٹک دیئے۔ "تم طلاق نہیں دو گے تو میں صرف بیوگی کی صورت میں اس سے شادی کرسکتا ہوں۔" سردار نے لبنیٰ کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری مرضی۔" مسعود نے بھی کندھے جھٹک دیئے۔ عجیب بات تھی۔ وہ اس صورتِ حال سے خوف زدہ تھا۔ بہت زیادہ خوف زدہ لیکن خوف شاید اتنا بڑھ گیا تھا کہ

اسے انجام کی پرواہ نہیں رہی تھی۔

لبنیٰ بھی سہمی ہوئی تھی لیکن سردار کے تیور دیکھ کر وہ لپک کر درمیان میں آگئی۔

"تمہیں مجھ کو طلاق دینا ہوگی۔" اس نے سخت لہجے میں مسعود سے کہا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں سردار سے شادی کروں گی۔"

"میں تمہیں صرف تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔" سردار نے کہا۔ "دس لاکھ روپے کا بندوبست کرو یا بیوی کو طلاق دے دو۔" سردار نے کہا پھر وہ غار کے ایک کونے میں رکھے ٹرنک کی طرف گیا اور اس میں سے کچھ نکال کر لایا۔ وہ مقامی نسوانی لباس تھا۔ اس میں رنگین چٹلے بھی تھے۔ اس نے وہ لباس لبنیٰ کے سامنے ڈال دیا۔ "اپنے مرد کو سمجھا۔ تین دن بعد میں کچھ نہیں سنوں گا اور ہاں' یہ لباس تیرے لئے ہے بی بی!" یہ کہہ کر وہ غار سے چلا گیا۔

☆------☆------☆

اس رات مسعود بہت خفا تھا۔ لبنیٰ نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"بہت خفا ہو مچھو؟"

"نہیں تو۔ بہت خوش ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"خوشی کی تو بات ہے۔ تم مجھ سے طلاق لے رہی ہو۔ سردار سے شادی کررہی ہو۔"

"ہش.......... فضول باتیں مت کرو۔" لبنیٰ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "جلنے کڑھنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نکالو۔"

"کیا مطلب؟"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لبنیٰ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا چل گیا ہے مچھو۔ میں تم سے.......... محبت کرتی ہوں.......... اور بہت کرتی ہوں۔"

مسعود ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے لبنیٰ کو بہت غور سے دیکھا۔ "کسی بڑے مذاق کے چکر میں ہو؟"

"نہیں مچھو' سچ مچ اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی............"

"میں تو کل سے یہی سوچ رہا ہوں مگر آج تم نے میرا دل برا کردیا۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔"

"اب تم فکر نہ کرو۔" مسعود کے لہجے میں خوشی تھی۔ "اب تو میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔"

لیلیٰ اٹھ بیٹھی۔ "تم لیٹ جاؤ۔ تھک گئے ہوگے۔" مسعود لیٹا تو وہ اس کا جسم دبانے لگی۔

"رہنے دو۔ تم خود بھی تو تھک گئی ہوگی۔" مسعود نے کہا۔

"سچ پوچھو تو آج تھکن نہیں ہوئی بلکہ لطف آیا۔ میری تو سمجھ میں اپنی شرارتوں کی وجہ بھی آگئی۔ وہاں گھر پر کوئی مصروفیت ہی نہیں تھی.......... کوئی کام ہی نہیں تھا۔ تو مجبوراً شرارتیں ہی سوجھتی تھیں۔ اب سوچتی ہوں' گھر کے کام کرنا تو بہت اچھا لگتا ہوگا۔"

مسعود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچکا تھا۔ تھک کر چُور ہوجانے کے بعد تو ایسی ہی نیند آتی ہے۔

اگلا دن بے حد مختلف تھا۔ مسعود کو پھر لکڑیاں کاٹ کر لانے پر مامور کیا گیا۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ کلہاڑی لے کر ہنسی خوشی چلا گیا۔ لیلیٰ بھی معمول کے مطابق کاموں میں لگ گئی۔ ناشتے کے بعد سردار نے شیدے اور جیلے کو کہیں بھیج دیا تھا۔ وہ چاروں الگ کھڑے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مسعود کو لیلیٰ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ "شیدا اور جیلا نظر نہیں آرہے ہیں؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"انہیں سردار نے کہیں بھیج دیا ہے۔" لیلیٰ نے بتایا۔

"گڈ.......... آج ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔" مسعود نے کہا۔ "بلکہ انشاء اللہ نکل ہی جائیں گے۔ بس وہ دونوں آج نہ آئیں تو اچھا ہے۔"

"لیکن یہ لوگ اس راستے سے آشنا ہیں۔"

"میں متبادل راستہ دیکھ آیا ہوں۔" مسعود نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "بائیں جانب بھی

کھڈ تو ہیں لیکن درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان چھپی ہوئی ایک پگڈنڈی بھی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا کچھ ضرور ہوگا۔ ڈاکو ایک ہی راستے والی جگہ تو پسند نہیں کرسکتے۔ ہم بھی اسی راستے سے فرار ہوں گے۔"

"دن میں؟"

"پاگل ہوئی ہو۔ ہم صبح چار بجے نکلیں گے۔ امید تو یہی ہے کہ اس وقت ڈاکو گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ تم وہ سردار کے لائے ہوئے کپڑے پہن لینا.........."

"میں تو نہیں پہنوں گی وہ کپڑے۔"

"میری بات غور سے سنو اور بحث مت کرو۔" مسعود نے سخت لہجے میں کہا "جانے کیسا راستہ ہو۔ تمہارا یہ لباس نہیں چلے گا۔ یہ نہ بھولو کہ تم اپنے قدموں پر چل کر یہاں نہیں آئی ہو۔ تمہیں اٹھا کر لایا گیا تھا۔"

لیلیٰ نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ مسعود کا یہ اعتماد اور یہ تبدیلی اسے اچھی لگی تھی۔

"میں بھی ان میں سے کسی کے کپڑے پہن لوں گا۔" مسعود نے مزید کہا۔ "تم احتیاطاً کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھ لینا۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"لیکن اندھیرا ہوگا اور انجانا پہاڑی راستہ.........."

"میں نے کہا نا کہ باقی میں دیکھ لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" مسعود نے چڑ کر کہا۔

اسی وقت سردار ان کی طرف چلا آیا۔ "ہاں بی بی' کچھ سمجھایا اپنے مرد کو!" اس نے لیلیٰ سے پوچھا۔

"سمجھا رہی ہوں۔"

سردار مسعود کی طرف مڑا۔ "تیرا کیا خیال ہے بابو؟"

"تم نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے۔ تین دن بعد بات کرنا۔" مسعود نے بے پروائی سے کہا۔ "ویسے یہ ضرور ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"عقل مند آدمی ہو۔" سردار مسکرایا۔ "امید ہے کہ بے وقوفی نہیں کرو گے۔"

☆------☆------☆

ٹھیک اسی وقت مقصود الزماں اور شاکر راولپنڈی جانے والی فلائٹ پر سوار ہو رہے تھے۔ پچھلا دن تو ضائع ہوگیا تھا۔ مقصود صاحب کبھی مری کا نمبر ملاتے اور کبھی شاکر کا۔

ایک طرف سے انگیج ٹون سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف سے ہربار یہ پتا چلا کہ شاکر ابھی آیا نہیں ہے۔ اس دوران مقصود صاحب نے ایک اہم کام........... بہرحال کرلیا۔ بینک سے رابطہ کرکے انہوں نے ایسا بندوبست کرلیا کہ مری میں انہیں طلب کرتے ہی دس لاکھ روپے مل سکتے تھے۔

شام کے وقت شاکر سے رابطہ ہو ہی گیا۔ "سوری انکل' مجھے اپنا کام نمٹانے میں دیر ہوگئی۔ میں کل مری جارہا ہوں۔"

"کل کیوں؟ آج نہیں۔"

"آج جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ رات میں مری کا سفراس موسم میں ممکن نہیں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔"

شاکر سوچ میں پڑگیا پھراس نے کہا۔ "ٹھیک ہے انکل۔

"میں سیٹ ریزرو کرالوں پھر تمہیں مطلع کردوں گا۔"

رابطہ منقطع ہوتے ہی شاکر نے ایک نمبر ملایا۔ رابطہ ملنے پر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شاہد' الرٹ ہوجاؤ۔ پروگرام خطرناک حدود میں داخل ہوگیا ہے۔"

"کیوں صاحب؟ آپ کو تو آنا ہی تھا۔" دوسری طرف سے شاہد نے کہا۔

"میرے ساتھ میرے دوست کے والد بھی آرہے ہیں۔"

"اوہ........... تو پھر؟"

"سب کچھ ہٹالو........... بہت تیزی سے۔ ہم کل شام تک پہنچیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔ آپ فکر نہ کریں۔"

شاکر نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

وہ سہ پہر کے وقت راولپنڈی پہنچے اور بغیر رکے مری کے لئے روانہ ہوگئے۔ شام ہوتے ہوتے وہ مری پہنچ گئے۔ شاکر مقصود صاحب کو سیدھا فلک سیر لے گیا۔ وہاں بنگلے کا منتظم شاہد موجود تھا۔ شاکر نے اس سے مہمانوں کے متعلق پوچھا۔ "وہ تو صاحب میرا خیال ہے کہیں گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟" شاکر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جس روز آپ کا تار آیا تھا صاحب جی' اسی روز گھر میں طبیعت خراب ہوگئی تھی۔

میں نصیب خان کو سمجھا کر گھر چلا گیا تھا۔ جس دن میں گھر سے واپس آیا' وہ لوگ جاچکے تھے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ گھومنے پھرنے گئے ہیں؟"

"ان کا سوٹ کیس کمرے میں موجود ہے۔"

"تو وہ خالی ہاتھ گھومنے پھرنے تو نہیں جاسکتے۔" شاکر نے اعتراض کیا۔

شاکر نے مقصود صاحب کی طرف دیکھا' جو پریشان نظر آرہے تھے۔ "یہ مسعود صاحب کے ابو ہیں شاہد!" اس نے شاہد کو بتایا۔ "جس صبح وہ یہاں سے گئے ہیں' مسعود نے انہیں فون کرکے بتایا تھا کہ اس کی بیوی کو ڈاکو اٹھا کرلے گئے ہیں اور اسے چھوڑنے کے بدلے دس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔"

شاہد ہنسنے لگا۔ "آپ جانتے ہو صاحب جی کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔ مسعود صاحب نے مذاق کیا ہوگا۔"

"اچھا تم جاؤ اور اچھی سی کافی بنا کرلاؤ۔" شاکر نے کہا اور اس کے جاتے ہی مقصود صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "میں بھی آپ سے یہی کہہ رہا تھا کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔"

"مگر میاں' مجھے اطمینان نہیں ہوا۔" مقصود صاحب بولے۔ "نہ جانے کیوں' مجھے معاملے میں گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"بس' پولیس اسٹیشن چلیں گے۔"

کافی پیتے ہی وہ دونوں پولیس اسٹیشن چلے گئے۔ ایس ایچ او بے حد خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے بڑی توجہ سے مقصود صاحب کی بات سنی پھر نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "اس علاقے میں ڈاکو ہوتے تو لوگ تفریح کے لئے یہاں کا رخ کرنا چھوڑ دیتے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ لوگ ایک بیگ لے کر گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں اور انہوں نے آپ سے شرارت کی ہوگی۔"

"گھومنے پھرنے وہ کہاں جاسکتے ہیں۔ مری اتنا سا تو ہے۔"

"ہوسکتا ہے' وہ نتھیا گلی چلے گئے ہوں۔ دیکھئے' میں ابھی پرچہ نہیں کاٹوں گا۔ پہلے

"کل انہیں اِدھر اُدھر تلاش کرلیں۔ میرے خیال میں یہ سنگین معاملہ نہیں۔"

مقصود صاحب نے اصرار نہیں کیا لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔ شاکر نے انہیں تسلی دی کہ اگلے روز وہ نتھیا گلی چلے چلیں گے۔ زیادہ فکر کی ضرورت نہیں۔

☆------☆------☆

مسعود اور لبنیٰ نے سوچا تھا کہ وہ اس رات سوئیں گے ہی نہیں لیکن ثابت ہوا کہ دن بھر کی مشقت اور تھکن کے بعد نیند کانٹوں پر بھی آجاتی ہے۔ پھر بھی ان کی آنکھ وقت پر کھل گئی۔ مسعود نے لبنیٰ کو جگادیا۔ غار میں اس وقت سردار اور اس کے دو ساتھی موجود تھے۔ جیلا شام کو واپس آیا تھا اور سرگوشیوں میں سردار سے باتیں کرتا رہا تھا۔ شیدا البتہ واپس ہی نہیں آیا تھا۔

اس وقت غار میں ان تینوں کے خراٹے گونج رہے تھے مشعل کی روشنی میں مسعود نے ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ بظاہر وہ بے خبر سو رہے تھے۔ مسعود اٹھا اور دبے قدموں دیوار پر لگی اس مشعل کی طرف بڑھا' جسے ڈاکوؤں نے سونے سے پہلے بجھا دیا تھا۔ اسی وقت اس کی نظر ایک کونے میں رکھے اپنے بیگ پر پڑی۔ وہ حیران رہ گیا مگر پھر اس نے بڑھ کر وہ بیگ اٹھالیا۔ پھر اس نے دیوار سے مشعل اتاری اور دبے قدموں غار کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے لبنیٰ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لبنیٰ ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی لئے اس کے پیچھے چل دی۔

غار کے دہانے پر پہنچ کر مسعود رکا اور اس نے پلٹ کر ڈاکوؤں کی طرف دیکھا۔ ان کے خراٹوں میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور وہ بدستور اسی پوزیشن میں لیٹے تھے۔ مسعود نے ایک قدم باہر نکالا اور باہر کا جائزہ لیا لیکن باہر گہرا اندھیرا تھا۔ کچھ دیکھنا ناممکن ہی تھا۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ باہر جسم کاٹ دینے والی سرد ہوا چل رہی تھی۔ وہ دونوں رات ہی لباس تبدیل کرچکے تھے۔ مقامی لباس ان کے لباس کے مقابلے میں یقیناً بہت گرم تھا۔ اس کے باوجود سردی ان کا نام پوچھ رہی تھی۔ چھجے کی اوٹ سے نکل کر بائیں جانب مڑتے ہی سرد ہوا براہِ راست ان کے جسموں سے ٹکرانے لگی۔

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اندھیرے میں ہر قدم پر کسی کھائی میں لڑھکنے کا ڈر تھا۔ مسعود ابھی احتیاطاً مشعل نہیں جلانا چاہتا تھا لیکن پہلے تو سردی نے ان

کے اوسان خطا کردیئے پھر مسعود کو یہ شبہ ہونے لگا کہ وہ درست راستے پر نہیں جارہے ہیں۔

وہ رکا۔ لبنیٰ بھی رک گئی۔ اس کے دانت بج رہے تھے۔ مسعود نے جیب سے ماچس نکالی اور مشعل جلالی۔ مشعل روشن ہوئی تو پہلے تو وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہے پھر مسعود نے سکون کی سانس لی۔ اس نے بروقت مشعل روشن کی تھی۔ اندھیرے میں سمتوں کا احساس نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں بائیں جانب چلے تھے لیکن درحقیقت وہ سامنے......... پگڈنڈی کی طرف چلے تھے اور اگر چند قدم آگے بڑھ گئے ہوتے تو ان کے قدموں کے نیچے پگڈنڈی نہیں' اندھا خلا ہوتا۔

وہ لبنیٰ کو لے کر بائیں جانب چلا۔ اسے درختوں کا جھنڈ تلاش کرنے میں کچھ دیر لگی' جس کے درمیان وہ دوسری پگڈنڈی تھی۔

لیکن مشعل پاس ہونے کے باوجود وہ وقت اس پگڈنڈی پر سفر کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ پگڈنڈی پُر پیچ تھی اور کہیں کہیں جھاڑیوں کے درمیان اتنی تنگ تھی کہ ایک آدمی کا گزرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کانٹوں سے ان کے کپڑوں پر بھی خراشیں پڑتی ہیں۔ خوف الگ تھا کیونکہ جھاڑیوں کے اس طرف کھائی کا ڈر بھی تھا۔ دوسری تشویش بات یہ تھی کہ وہ نیچے نہیں' مسلسل اوپر جارہے تھے۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ کسی لی جانور سے واسطہ نہ پڑجائے۔ کئی بار ان کے جی میں آئی کہ واپس چلے جائیں لیکن س صورت میں اتنا سفر' اتنی تکلیف رائیگاں جاتی۔

دوبار انہیں سانس درست کرنے کے لئے رک کر آرام کرنا پڑا۔ سوا دو گھنٹے چلنے بعد اونچے اونچے راستے سے ان کا پیچھا چھوٹا۔ وہ شاید پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے تھے۔ ں ہموار زمین تھی۔ پگڈنڈی وہاں بھی بالکل واضح تھی اس لئے انہیں کوئی دشواری ں ہوئی لیکن اس پگڈنڈی نے بالآخر انہیں ایک گھنے جنگل میں پہنچادیا۔

درختوں پر سے آنے والی خیاؤں خیاؤں کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ڈرے مگر انہیں پتا چلا کہ جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار بندر درختوں اتر آئے اور اچھلتے کودتے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو لبنیٰ ان سے ظوظ ہوتی لیکن اس وقت تو جان کے لالے پڑے تھے۔

درحقیقت وہ دونوں ہی خوف زدہ تھے۔ انہیں غار سے نکلے ہوئے چار گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی تک وہ بھٹک ہی رہے تھے۔ سیدھے راستے سے نکلے ہوتے تو اب سے خاصا پہلے وہ بنگلے پر پہنچ گئے ہوتے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اب وہ نکلیں گے کہاں۔ اب ڈھلوانی سفر شروع ہو چکا تھا۔ جنگل کے چوڑے راستے کی جگہ پتلی پہاڑی پگڈنڈی نے لے لی تھی۔ اترنا زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ لبنیٰ کئی بار لڑکھڑائی۔ مسعو نے اسے سہارا دیا۔

نیچے سڑک نظر آئی تو پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا پھر ان کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ ان کے قدم تیز ہو گئے۔ اب انہیں اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کہاں نکلیں گے۔ اتنا کافی تھا کہ وہ عام انسانوں کے درمیان پہنچ رہے تھے۔

☆------☆------☆

کانسٹیبل اللہ داد چھڑی سڑک پر بجاتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ اس وقت بڑی موج میں تھا۔ وہ ملوکا گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔ وہاں اسے تفتیش کے سلسلے میں بھیجا گیا تھا۔ ما فاتاں نے پرچہ کٹایا تھا کہ نذیرے کا بیٹا بشیرا اس کی بیٹی جیناں کو بھگا کر لے گیا ہے۔ اللہ داد کو دونوں کی طرف سے تگڑے ناشتے ملے تھے۔ اس کے علاوہ فریقین نے ایک دوسرے پر بھرپور الزام لگائے تھے اور بے شمار راز اگلے تھے جس سے اللہ داد کی علاقا معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ داد مگن تھا۔ دن کا آغاز بہت اچھا تھا۔

اللہ داد چلتے چلتے چونکا۔ اس کے سامنے پہاڑی پگڈنڈی سے ایک مرد اور عورت کر سڑک پر آئے۔ عورت بھڑکیلے دلہنوں جیسے لباس میں تھی۔ دونوں مقامی ہی تھے ل تباہ حالی ان کے چہروں اور لباس پر صاف لکھی تھی۔ دونوں کے لباس کئی جگہ سے ہوئے تھے۔ اللہ داد سمجھ سکتا تھا کہ یہ کانٹوں کی وجہ سے ہے۔ دونوں لڑکھڑا کر چل تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

اللہ داد کی دھڑکن اور قدم بیک وقت تیز ہوئے۔ وہ اسے بہت مہربان دن ایک کیس خود ہی حل ہونے کے لئے آ گیا تھا اور مفرورین کو پکڑنے کا سہرا اس کے بندھنے والا تھا۔

اس کے قدموں کی چاپ سن کر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ مرد نے فوراً ہی پوچھا۔ ”یہ کون سا علاقہ ہے سنتری جی؟“

”یہ کاغان کا علاقہ ہے جاتک۔“ اللہ داد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”کاغان؟“ مرد نے حیرت سے دہرایا۔ ”لیکن ہم تو مری میں تھے۔“

اتنی دیر میں اللہ داد ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ”مجھے بے وقوف بناتا ہے.........“ اللہ داد نے سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ”تجھے نہیں معلوم کہ یہ نتھیا گلی کا علاقہ ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ شہر سے آیا ہے جب کہ میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کیسے؟“ مرد نے حیرت سے کہا۔ ”تم مجھے کیسے جانتے ہو؟“

”میں اس علاقے میں کس کو نہیں جانتا۔“ اللہ داد نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ”تو ملوکا گاؤں کا بشیرا ہے اور یہ ہے جیناں۔“ اللہ داد نے عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور تو اسے بھگا کر لایا ہے۔“ اللہ داد نے دھماکا کیا۔

”آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے سنتری صاحب۔“

”اوئے تو آپ جناب کر کے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں جناب!“ مرد نے عاجزی سے کہا۔ ”ہم نے ملوکا گاؤں کا نام بھی نہیں سنا اور نہ میرا نام بشیرا ہے نہ اس کا جیناں‘ اور یقین کریں‘ بھاگنا تو بہت دور کی بات ہے۔ میں تو اسے چلا کر بھی نہیں لا سکتا۔ یہ خود ہی چل کر آئی ہے۔“

”بات ایک ہی ہے۔ بھگانے کا مطلب سچ مچ دوڑانا تو نہیں ہوتا۔“ اللہ داد نے عالمانہ انداز میں کہا۔ ”اور تو شہر والوں کی طرح بول کر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو شہر میں رہ کر آیا ہے۔“

”میں تو پیدا ہی شہر میں ہوا ہوں۔“ مرد نے کہا۔ ”آپ سنتری صاحب‘ مہربانی کر کے ہمیں تھانے کا راستہ بتا دیں۔“

اللہ داد کے دانت نکل پڑے۔ ”اس کی فکر نہ کرو۔ میں خود تمہیں تھانے لے کر چلوں گا۔ میں نکلا ہی تمہارے لئے ہوں اتنا سویرے۔“ پھر اس نے بیگ کو دیکھا۔ ”اس میں زیور ہے نا؟“

”نہیں۔ اس میں ہمارے کپڑے ہیں اور آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں مسعود

وں اور یہ میری بیوی لبنیٰ ہے۔"

اللہ داد ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ "نام بھی بدل لئے۔" بالآخر اس نے کہا۔

"میں آپ کو نکاح نامہ دکھا سکتا ہوں۔"

"غلط ناموں سے نکاح نہیں ہوتا۔" اللہ داد نے فتویٰ لگایا۔

"یہ میرے شوہر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" لبنیٰ نے پہلی بار زبان کھولی۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اچھا......... شہر میں ایسے کپڑے پہنتے ہیں؟" اللہ داد نے گرفت کی۔

"یہ......... یہ تو ڈاکوؤں کے کپڑے ہیں۔" مسعود نے وضاحت کی۔ "ہمارے کپڑے تو بیگ میں ہیں۔"

"ڈاکو یہاں کہاں؟" اللہ داد پھر ہنسنے لگا۔ اس نے بیگ کھول کر دیکھا تو اس کے تیور بدل گئے۔ "تم پر تو ایک کیس اور لگ گیا۔ یہ بیگ بھی چوری کا ہے۔"

"اب آپ کہیں گے کہ ہم بھی چوری کے ہیں۔" مسعود کی برداشت جواب دینے لگی۔

"اوئے زبان لڑاتے ہو۔"

"بس بہت ہوگئی۔" لبنیٰ نے غصے سے کہا۔ "تم بس ہمیں پولیس اسٹیشن لے چلو۔"

"ضرور لے چلوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

☆------☆------☆

تھانے پہنچتے ہی اللہ داد کا دن خراب ہوگیا۔ انچارج نے دونوں کو دیکھتے ہی اسے خوب پھٹکارا۔ "اوئے عقل کے دشمن، یہ تجھے جیناں اور بشیر لگتے ہیں۔"

اللہ داد کھسیا کر وہاں سے ہٹ آیا۔

انچارج نے بڑے تحمل سے مسعود کی گفتگو سنی پھر بولا۔ "ڈاکو تو یہاں کہانیوں میں بھی نہیں ہوتے۔ تم سچ مچ کے ڈاکوؤں کی کہانی سنا رہے ہو۔"

"لیکن ان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ درست ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہ کیس ہمارے ہاں کا نہیں۔ مری تھانے کا ہے۔" انچارج نے کہا۔ "لیکن آپ لوگوں کو مشکوک حالت میں پکڑا گیا ہے اور آپ کے پاس شناختی کاغذ

بھی نہیں۔ ہمیں آپ کی شناخت اور بیان کی تصدیق کے لئے مری جانا ہوگا۔ فلک سیر سے چیک کرنا ہوگا........."

لیکن یہ بات وہیں رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے انچارج کے کمرے میں دو افراد داخل ہوئے، انہیں دیکھتے ہی لبنیٰ اور مسعود اچھل کر کھڑے ہوگئے......... وہ شاکر اور مقصود الزماں تھے۔

"پاپا......... آپ؟" مسعود نے کہا۔

انچارج حیرت سے کبھی مسعود کو اور کبھی مقصود صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

مقصود صاحب نے انچارج کو بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اور بہو کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے آئے تھے۔ تمام لوگوں کے درمیان معلومات کا تبادلہ ہوا پھر انچارج نے کہا۔

"یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس علاقے میں کبھی ڈاکوؤں کا وجود نہیں رہا۔"

"لیکن ہم درحقیقت ڈاکوؤں کی قید میں تھے۔ وہ چار تھے۔ سردار کا نام مجھے معلوم نہیں لیکن دوسرے تین شیرا، شیدا اور جیلا تھا۔"

"حیرت ہے۔ آپ مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہیں؟"

"یہاں سے تو ممکن نہیں البتہ فلک سیر سے دکھا سکتا ہوں۔" مسعود نے کہا۔ "اور یہ میں ایک ڈاکو کا لباس پہنے ہوئے ہوں۔"

"اور مجھے یہ کپڑے ڈاکوؤں نے لا کر دیئے تھے۔" لبنیٰ بولی۔

انچارج الجھا ہوا نظر آنے لگا۔ "اور یہ میرے ہاتھوں کے چھالے دیکھئے۔ انہوں نے مجھ سے مشقت کرائی تھی۔" مسعود نے دونوں ہاتھ پھیلائے لیکن خود ہی حیران رہ گیا۔ چھالوں کا تو نشان بھی نہیں تھا۔ البتہ گٹے پڑے ہوئے تھے۔ اپنے مزدوروں جیسے سخت ہاتھ خود اس سے بھی نہیں پہچانے گئے۔

انچارج اٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے۔ میں خود چل کر دیکھتا ہوں۔ یہ معاملہ تو خاصا سنگین معلوم ہو رہا ہے۔"

مسعود انہیں درست طور پر اس غار میں لے گیا مگر وہاں کوئی ایسی نشانی تک نہیں تھی، جس سے پتا چلتا کہ وہاں کبھی کوئی رہا ہے۔ اس جگہ کو دیکھ کر لگتا تھا کہ برسوں سے وہاں سے کوئی گزرا بھی نہیں ہے۔ مسعود کو ایسا لگا کہ اس کی یادداشت چلی گئی ہے۔

☆------☆------☆

اس کے اگلے روز شام کے وقت لبنیٰ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ مقصود صاحب اپنے کمرے میں آرام کررہے تھے۔ مسعود نے شاکر سے کہا۔ "آؤ باہر چلتے ہیں۔ کسی ہوٹل میں کافی بھی پئیں گے۔"

وہ باہر آگئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ مسعود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "تم بہت بدل گئے ہو۔" شاکر نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بتاؤ کہ یہ تبدیلی مثبت ہے یا منفی ہے؟"

"سو فیصد مثبت ہے۔"

"ہونی بھی چاہئے۔ میں نے زندگی گزارنی شروع کردی ہے۔"

وہ ایک ہوٹل میں جابیٹھے اور کافی کا آرڈر دیا۔ اچانک مسعود نے شاکر سے پوچھا۔

"ڈاکوؤں کو ان کی خدمات کے عوض کیا دیا ہے تم نے؟"

شاکر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"بیگ غار میں نظر نہ آتا تو شاید میں سمجھ نہ پاتا۔" مسعود نے وضاحت کی۔ "لیکن میں نے پہلے ہی دن غار کا تفصیلی جائزہ لیا تھا اور بیگ موجود نہیں تھا۔ وہ بیگ اسی دن لایا گیا تھا۔ ڈاکوؤں کا شاہد سے رابطہ تھا اور شاہد کو تم نے خبردار کردیا تھا۔"

"ٹھیک سمجھے ہو تم۔" شاکر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن پیسوں کا لین دین نہیں ہوا۔ یاری دوستی کا معاملہ تھا۔ وہ چاروں شاہد کے دوست ہیں۔"

"یار...... میرا شکریہ ادا کردینا۔"

شاکر نے بہت غور سے مسعود کو دیکھا۔ "تم ناراض تو نہیں ہو؟"

مسعود کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "پہلی بار ہمارے ساتھ کسی نے پریکٹیکل جوک کیا ہے اور اس میں زندگی سنور گئی ہماری۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو بہت سارے فائدے ہوئے ہیں۔ لبنیٰ کو اور مجھے پتا چل گیا ہے کہ ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زندگی کی خوب صورتی اس کی مصروفیات میں ہے۔ اب دیکھ لو، لبنیٰ کیسے گھر چلاتی ہے اور میں ہر طرح کی محنت کرسکتا ہوں۔ اب کراچی جاکر میں صحیح معنوں میں زندگی کا آغاز کروں گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ پاپا کتنے

خوش ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" شاکر نے بے حد خلوص سے کہا۔

اسی وقت بیرا کافی لے آیا۔

☆======☆======☆

مقصود صاحب نے چائے کی پیالی خالی کرکے رکھی اور کرسی میں نیم دراز ہوگئے۔

"دفتر میں جائیں گے؟" بیگم نے ان سے پوچھا۔

"چلے جائیں گے۔ ایسی کوئی جلدی بھی نہیں۔"

"مسعود دفتر میں کیسا کام کررہا ہے؟"

"اس نے سب کچھ سنبھال لیا ہے اسی لئے تو بے فکری ہوگئی ہے۔" مقصود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"کیا بات ہے۔ آپ خوش نہیں ہیں۔"

"خوش تو ہوں کہ بچے ذمے دار ہوگئے ہیں لیکن کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ شرارتیں ختم ہوگئیں ان لوگوں کی۔ ایک مہینہ ہوگیا انہیں واپس آئے۔ کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

بیگم مسکرائیں۔ "فکر نہ کریں۔ کچھ دن صبر کرلیں پھر بچوں کی شرارتوں سے گھر بھرنا شروع ہوجائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"خیر سے لبنیٰ ماں بننے والی ہے۔"

مقصود صاحب خوش ہوگئے۔ "واقعی!" مگر پھر وہ بجھ گئے۔ "یہ تو بہت لمبا انتظار ہے۔"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ پہلے وہ شرارتیں کرتے تھے تو جھنجلاتے تھے۔" بیگم نے کہا۔ "اب نہیں کرتے تو پریشان ہیں۔ کسی حال میں بھی خوش نہیں ہیں آپ۔"

"مجھے ان کی شرارتیں تھوڑی ہی بری لگتی ہیں۔" مقصود صاحب بولے۔ "ان سے تو گھر میں زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے تو صرف غیرذمے داری اور لاابالی پن کی شکایت تھی ان سے۔ وہ دور ہوگئی مگر مجھے شرارتوں کی تو کمی محسوس ہوتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ سات آٹھ ماہ کی تو بات ہے۔ یونہی پلک جھپکتے گزر جائیں گے۔" بیگم نے انہیں تسلی دی۔

بیگم صاحبہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف چلی گئیں۔ وہاں سے انہوں نے لان کو دیکھا۔ وہ پلٹیں تو مسکرا رہی تھیں۔ "ذرا یہاں تو آیئے۔"

"کیا ہے؟"

"آیئے تو سہی۔"

مقصود صاحب بادلِ ناخواستہ اٹھے اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانکا۔ اگلے ہی لمحے وہ اور بیگم قہقہے لگا رہے تھے۔

لان پاگل ہوگیا تھا لیکن لان سے زیادہ برا حال مالی کا تھا۔ وہ وحشت زدہ کبھی ایک پودے کے پاس جاتا اور کبھی دوسرے کے پاس۔ گلاب کے پودے میں سورج مکھی کے پھول تھے۔ چنبیلی پر چمپا تھا۔ سورج مکھی پر گیندا اور موتیے پر چنبیلی۔

مالی امرود کے درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا' جس پر کیلے جھول رہے تھے۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں آسمان کی طرف دیکھا۔

مقصود صاحب کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی ہنسے جا رہی تھیں۔ مقصود صاحب نے بڑی مشکل سے ہنسی پر قابو پایا۔ "ہاں......... یہ ہے زندگی......... زندگی زندہ دلی۔" انہوں نے بڑی طمانیت سے کہا۔ "اللہ......... تیرا شکر ہے۔"

☆======☆======☆

چور سپاہی

یہ کہانی ایک واردات کا احوال ہے مگر عام کہانیوں سے مختلف اور منفرد۔ اس کہانی کے کرداروں نے ایک سالم بینک چرانے کا منصوبہ بنایا اور پھر چرا بھی لیا۔ وہ بینک کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے رہے اور پولیس ان کا تعاقب کرتی رہی۔ یہ کہانی شروع سے آخر تک مسکراہٹوں سے بھرپور ہے بلکہ بعض مقامات پر آپ ایک قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

کافی کی ٹیبل پر خوبصورت بک لیٹ ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے اور خوبصورت خاتون خانہ انہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"جی ہاں خاتون۔ صرف دس ڈالر جمع کرا کے آپ خود کو ان تمام سہولتوں کا حق دار سمجھ سکتی ہیں۔" چارلس نے بہترین سیلز مین شپ کا مظاہرہ کیا۔ "آپ کو انسائیکلوپیڈیا اور بک کیس ہی نہیں ملے گا بلکہ آپ لوئیسانا اور مونٹانا میں ہمارے جدید سائنسی ریسرچ سینٹر کی خدمات سے پورے پانچ سال تک استفادہ حاصل کر سکیں.........."

"اور ہمیں اس کے لئے مونٹانا اور لوئیسانا جانا بھی نہیں پڑے گا!" خاتون کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہرگز نہیں۔" چارلس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنی معصومیت سے مسکرانے کی اب اسے بہت زیادہ مشق ہو چکی تھی۔ "آپ کو صرف خط لکھنا ہوگا اور آپ کو تازہ ترین معلومات گھر بیٹھے حاصل ہو جائیں گی۔ سالانہ ضمیمے الگ۔"

"واہ.......... کمال ہے..........!"

"اور جناب' یہ سب کچھ.........." اچانک چارلس کو احساس ہوا کہ وہ زورِ خطابت میں خاتون کو جناب کہہ بیٹھا ہے۔ اس نے فوراً ہی تصحیح کر ڈالی۔ "میرا مطلب ہے مس' یہ سب کچھ صرف دس ڈالر میں.........."

"میں مس نہیں' مسز ہوں۔" خاتون نے کہا۔

"کمال ہے! آپ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔" چارلس نے دانت نکالے اور نگاہوں کے خوان پر ستائش سجائی۔ "حال ہی میں ہوئی ہوگی آپ کی شادی؟"

"حال ہی میں! ارے میرے چھ بچے ہیں۔"

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ یہ حسن' یہ.........."

خاتون شرما کر بولیں۔ "آپ یہیں رکئے' میں پرس لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

چارلس بکھرے ہوئے بک لیٹ دیکھ کر زیرِ لب مسکراتا اور سوچتا رہا۔ انسان کو کوئی بڑا ہاتھ مارنے سے پہلے زندگی میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چوری کا موقع نہیں ملتا تو ہیرا پھیری کی جاتی ہے' اس کی سب سے بڑی مثال وہ خود تھا۔ انسائیکلوپیڈیا فروخت کرنے کا فراڈ اس کی مجبوری تھی۔ ٹھیک ٹھاک گزارا ہو رہا تھا۔ اس کام میں اچھے چہرے دیکھنے کا موقع بھی ملتا تھا' چلت پھرت کی صورت میں ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خاتون کافی بھی پلا دیتی تھی.......... اور دس ڈالر الگ۔

اسے ہر گھر میں اوسطاً دس' پندرہ منٹ کا وقت دینا پڑتا تھا۔ اگر چار کوششوں میں سے ایک میں بھی کامیابی ہو جاتی تو اس کی آمدنی دس ڈالر فی گھنٹہ ہوتی۔ ہفتے کے پانچ دن چھ گھنٹے یومیہ کام کرنے کا معاوضہ تین سو ڈالر تھا' جو ظاہر ہے' کلرکی اور اس قسم کے کسی کام میں نہیں مل سکتا تھا۔ دس ڈالر اس نے بہت سوچ سمجھ کر مقرر کئے تھے۔ دس ڈالر کوئی بڑی رقم نہیں ہوتی۔ شکار بہ آسانی پھنس جاتے تھے اور اس کا بھلا بھی ہو جاتا تھا۔ دس ڈالر سے اوپر جانے کی صورت میں خواتین اپنے شوہروں سے مشورہ کرنا پسند کرتی ہیں.......... اور شوہر عموماً خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی خاتون چیک بھی پکڑا دیتی' چارلس اس چیک کو انسائیکلوپیڈیا کمپنی کے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا تھا کیونکہ ایسی کسی کمپنی کا وجود ہی نہیں تھا۔ ایسے میں وہ چیک کو اپنی بدقسمتی تصور کر کے پھاڑنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا۔ دس ڈالر.......... صرف دس ڈالر طلب کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی تھا۔

چارلس نے گھڑی دیکھی' چار بج چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ بک لیٹ اور بروشر سمیٹ لے.......... لیکن پھر خود کو اس ارادے سے باز رکھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی رنگین کتابیں ہی تو مچھلیوں کے لئے چارے کا کام کرتی تھیں۔ جواب میں ان بے چاریوں کو کیا ملتا تھا۔ محض ایک بے کار رسید! وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

قریب ہی میز پر جدید طرز کا ایک فون رکھا تھا۔ چارلس نے اپنا اٹیچی کیس کھول کر

رسید بک نکالی۔ اسی وقت انسٹرومنٹ سے آواز ابھری.......... ڈٹ ڈٹ ڈٹ ڈٹ ڈٹ.......... چارلس نے انسٹرومنٹ کو دیکھا۔ وہ ساکت ہوگیا۔ اس مطلب تھا کہ مکان میں کوئی ایکسٹینشن ہے، جس پر اس وقت رنگ کیا جارہا ہے۔ ڈٹ، انسٹرومنٹ سے پھر آواز آئی۔ گویا ڈائل کیا گیا نمبر ایک تھا پھر دوبارہ ایک ڈائل ہوا۔ چارلس چوکنا ہوگیا۔ صرف تین اعداد پر مشتمل نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔ یہ بھلا کیا نمبر ہوا.......... پولیس اسٹیشن کا نمبر تو نہیں؟"

اس نے اٹیچی کیس بند کیا۔ بروشر سمیٹنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اپنا اٹیچی کیس لے کر چپکے سے کھسک لیا۔ گھر سے نکل کر وہ دائیں سمت مڑا اور چلتا رہا۔ اس وقت اسے کوئی ٹیکسی، کوئی سینما یا کوئی اسٹور مل جاتا تو بہتر تھا، لیکن دور دور تک اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی اور سڑک پر چلتے رہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہ آسانی دھرلیا جائے گا۔ اور کوئی چارہ نہیں تھا.......... چنانچہ وہ چلتا رہا۔

اودے رنگ کی ایک کار اس کے قریب سے گزری لیکن اس نے دھیان نہ دیا۔ کار اس طرف جارہی تھی جس طرف سے وہ آرہا تھا۔ پھر کار کے بریک چیخے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کیلر تھا۔ کار اب نہایت بے ہودہ طریقے سے یوٹرن لے رہی تھی۔ بالآخر وہ اس کے قریب آکر رکی۔ "پکڑے گئے نا۔" کیلر نے بے حد خوش ہوکر کہا۔

چارلس نے دردناک آہ بھری اور اگلی نشست کا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گیا۔

"ہاں، میں پکڑا گیا۔ اب جلدی سے نکل چلو یہاں سے۔" اس نے کہا۔

کیلر نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا اور بولا۔ "میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں تلاش کیا۔"

"فہرست بنا کر دے دینا ایسے مقامات کی۔" چارلس نے جھنجلا کر کہا۔ "فی الحال نکلو یہاں سے، تمہارے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں، جنہیں میری تلاش ہے۔"

لیکن کیلر ٹس سے مس، نہ ہوا۔ "تم نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

"وعدہ تم نے زبردستی لیا تھا مجھ سے اور لوگوں نے بھی یہی کیا تھا۔ اب میں اس علاقے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا ہوں۔ چلاؤ گاڑی.......... ورنہ میں

پیدل ہی سرحد پار کرجاؤں گا۔"

"میں کب سے شہر کی سڑکیں ناپ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم مل جاؤ گے۔" کیلر نے سنی ان سنی کرکے کہا۔

دور سے سائرن کی آواز سنائی دی، جو بتدریج قریب آرہی تھی۔ "اب تو میں تمہیں مل گیا ہوں چلو نا کہیں۔" چارلس گڑبڑایا۔

لیکن کیلر گفتگو مکمل کئے بغیر گاڑی چلانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ "تمہیں پتا بھی نہیں ہے کہ کسی کو دن بھر بے سود تلاش کرنا کتنا اذیت ناک کام ہے۔"

سائرن کی آواز اور قریب آگئی۔ "ابے، میں مل تو گیا نا تجھے، اب گاڑی چلا، نا۔" چارلس کا ضبط جواب دینے لگا۔

"تمہیں اندازہ نہیں۔ جس وقت میں نے یہ گاڑی پارک کی، اس کی ٹنکی فل تھی۔ تمہاری تلاش میں خالی ہوگئی اور مجھے پرانی گاڑی میں اپنی جیب سے رقم خرچ کرکے پٹرول ڈلوانا کبھی پسند نہیں رہا۔" کیلر نے کہا۔

"پٹرول میں ڈلوادوں گا۔" چارلس نے جلدی سے پیشکش کی۔ اب سائرن کے علاوہ پولیس کار کی سرخ بتی بھی نظر آنے لگی تھی۔

"مجھے ضرورت نہیں تمہارے پٹرول کی۔" کیلر نے توہین محسوس کرکے کہا۔ "میں اتنا کہہ رہا ہوں کہ وعدہ کرو تو پورا کرو۔"

روشنی اور قریب آرہی تھی۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ہر وعدہ پورا کروں گا۔" چارلس نے پُرخلوص لہجے میں کہا اور دل میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کبھی وعدہ ہی نہیں کرے گا۔

کیلر حیران رہ گیا تھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو؟ تم ایسے تو نہیں ہو۔ یہ تمہارا انداز ہی نہیں، ضرور کوئی گڑبڑ ہے؟"

پولیس کار اب صرف دو بلاک کے فاصلے پر تھی۔ چارلس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"یار ہوا کیا ہے؟"

چارلس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب فاصلہ ایک بلاک کا رہ گیا تھا۔ پھر اس مکان کے

سامنے پولیس کار کی رفتار کم ہونے لگی' جہاں سے وہ نکلا تھا۔ کیلر عقب نما آئینے میں پولیس کار کو دیکھ کر منہ بنا رہا تھا۔ "پتا نہیں' کم بختوں کو کس کی تلاش ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"میری تلاش ہے۔" چارلس نے مری مری آواز میں کہا۔ "اب اگر تم گاڑی نہیں چلا رہے ہو تو میں پیدل چلا جاتا ہوں۔"

کیلر نے گاڑی پوری رفتار سے چھوڑ دی۔ "تم مجھے پہلے بتا دیتے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"میں نے کوشش کی' لیکن تم نے سمجھ کر ہی نہیں دیا۔"

"تم تو اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبتے۔ تمہارے کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ تم تیز ڈرائیونگ کے سلسلے میں پکڑے جاؤ' تب بھی عمر قید سے کم سزا نہیں ہوگی تمہیں۔" کیلر نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"دوست نوازی کا شکریہ۔" چارلس نے تلخ لہجے میں کہا۔

کیلر نے گلوز کمپارٹمنٹ سے سگریٹ کا عجیب سا پیکٹ نکالا اور پوچھا۔ "پیو گے؟ یہ نیا برانڈ ہے۔ اس میں نکوٹین بہت کم ہے۔ اس کا نام سچا ہے۔"

"شکریہ! میں سگریٹ صرف نکوٹین کے لئے پیتا ہوں۔ مجھے کیمل ہی سے گزارا کرنے دو۔ بھلا یہ بھی کوئی نام ہوا........... سچا۔"

"کیوں نہیں۔ کیمل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" کیلر نے برا مانتے ہوئے کہا اور سچا سگریٹ سلگا لیا۔

"کیمل کا مطلب ہے سگریٹ........... آج سے نہیں' برسوں سے یہی مطلب ہے اس کا۔ اور جب میں کسی چیز کے متعلق سچا جیسا لفظ سنوں تو مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ فراڈ ہے۔"

"جیسے خود ہو' دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتے ہو۔"

"ہاں........... یہی بات ہے۔"

اب ان کی کار کے آگے بھی کاریں تھیں اور پیچھے بھی........... اور ان میں پولیس کار کوئی نہیں تھی۔ چارلس نے سکون کا سانس لیا۔ کیلر نے بلا ارادہ ایک بٹن دبایا اور ونڈ شیلڈ پر شیشہ صاف کرنے والا محلول بکھر گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کیلر سامنے دیکھنے کے قابل نہ

رہا۔ اس نے بوکھلا کر وائپرز کا بٹن ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ "لعنت ہو اس کار پر۔" وہ غرایا اور اس نے بریک لگایا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ پیچھے سے کوئی چیز ان کی کار سے ٹکرائی۔ زبردست جھٹکا لگا۔

"تمہارے ساتھ کار میں بیٹھنے سے تو عمر قید بہتر ہے۔" چارلس نے جھنجلا کر کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔

"اپنی کار ہوتی تو یہ بات نہ ہوتی۔" کیلر نے معصومیت سے کہا اور تلاش جاری رکھی۔ بالآخر وائپرز کا بٹن مل گیا اور وائپرز کام بھی کرنے لگے۔ اتنی دیر میں ایک موٹا شخص کیلر کی طرف والی کھڑکی کے پاس آکر دھاڑنے لگا۔ اس کا ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا۔ کھڑکی کا شیشہ چڑھا ہوا تھا۔ کیلر نے بڑی مشکل سے اس کا بٹن دریافت کیا اور شیشہ اتارا۔ "نیچے اتر کر دیکھو' تم نے میری کار کا کیا حشر کیا ہے۔" موٹے نے گرج کر کہا۔

کیلر نے آگے دیکھا' کچھ بھی نہیں تھا۔ پیچھے دیکھا۔ ایک اور کار اس کی کار سے چپکی ہوئی تھی۔ موٹا بہ دستور چیختے جا رہا تھا۔ کیلر دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ اس نے عقب کا جائزہ لیا۔ پچھلی کار کا اگلا مڈگارڈ اس کی کار کے عقبی مڈگارڈ سے الجھا ہوا تھا۔ موٹا اب بھی چیخے جا رہا تھا کیلر نے نقصانات کا جائزہ لیا۔ شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ ریڈی ایٹر کی جالی سے سبز پانی نکل رہا تھا۔ مڈگارڈ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔

"دیکھو........... دیکھو' تم نے میری کار کا کیا حشر کر دیا۔" موٹے نے دھاڑ کر کہا۔

کیلر نے بڑے سکون سے نفی میں سر ہلایا۔ "تم نے میری کار کو پیچھے سے ٹکر ماری ہے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"تم نے بغیر انڈی کیٹر کے اچانک بریک لگائے۔ میں کیا کر سکتا تھا...........؟"

"کیوں' تمہاری گاڑی میں بریک نہیں ہیں کیا؟ یہ گاڑیاں یونہی رہنے دو۔ دنیا کا کوئی قانون میری غلطی ثابت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ بلا لو پولیس کو۔" موٹا غرایا۔

کیلر اندر ہی اندر دہل گیا' لیکن اس کی مسکراہٹ بے حد جاندار تھی۔ وہ گھوم کر دوسری طرف گیا' جیسے نقصان کا جائزہ لے رہا ہو۔ سڑک کے پار ایک بک اسٹال تھا اور اس کے برابر تنگ گلی........... راہ فرار! موٹا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اب

بھی حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ پیچھے ٹریفک بلاک ہو گیا تھا۔ ہارن بج رہے تھے............ لوگ ان دونوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

"میری کار کی ریپئرنگ تم کراؤ گے۔" موٹے نے مطالبہ کیا۔

"پہلے پولیس والوں کو بلاؤ۔ میں تم پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کروں گا۔" کیلر نے سرد لہجے میں کہا۔

موٹے نے جلدی سے گھڑی دیکھی۔ "مجھے کسی سے ملنا تھا۔ دیر ہو رہی ہے مجھے۔"

"مجھے بھی کسی سے ملنا تھا۔" کیلر نے کہا۔

"تو بڑھاؤ اپنی گاڑی۔"

"دس ڈالر دو، ورنہ پولیس والے کو بلاؤ۔"

موٹے نے دانت پیس کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور بٹوے سے دس ڈالر نکال کر اسے دے دیئے۔ کیلر ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آیا تو چارلس غائب تھا۔ "میرے دوست کو میری صلاحیت پر ذرا اعتماد نہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ پھر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار آگے بڑھادی۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ موٹے کی کار کا مڈگارڈ اس کی کار کے ساتھ ہی آگیا۔ وہ اس کی کار تھی ہی کب............

☆------☆------☆

چارلس سوٹ کیس جھلاتا ہوا بڑھتا رہا۔ وہ تین بلاک دور گیا ہو گا کہ اودی کار پھر اس کے سر پر آگئی۔ "آؤ چارلی............ بیٹھ جاؤ۔" کیلر نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی! میں عافیت سے ہوں اور عافیت ہی چاہتا ہوں۔ میں پیدل ہی بھلا۔"

کیلر کار سے اتر آیا۔ "اس حادثے میں میرا کیا قصور تھا اس نے پیچھے سے ٹکر ماری، میں نے تو اس سے دس ڈالر بھی وصول کر لئے۔"

"میں باز آیا۔ تمہارا ساتھ بہت مخدوش ہے۔"

"اور تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں تمہیں کیوں تلاش کر رہا تھا۔"

"میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔" چارلس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کیلر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ "دیکھو نا............ تم لمبا ہاتھ مارنے کے منتظر ہو، ہے نا؟"

"تمہارے ساتھ نہیں۔ تم تو لمبا ہاتھ میرے مارو گے اور میں لمبا لیٹ جاؤں گا۔"

"میری بات تو سنو، اس بار کام پکا ہو گا۔ میں گارنٹی دیتا ہوں، اس کام کے بعد تم کم از کم تین چار سال گھر بیٹھ کر کھا سکتے ہو۔"

"پچھلی بار میں نے تمہارے ساتھ کام کیا، کامیاب رہا، لیکن ہاتھ کیا آیا، کچھ بھی نہیں۔" چارلس بہ دستور چل رہا تھا۔

"تم صرف میری بات سن لو۔ میں تم پر بھروسا کرتا ہوں۔ اگر تم منصوبے کو مسترد کرو گے تو میں بھی اسے ڈراپ کردوں گا۔" کیلر نے التجا کی۔

چارلس ٹھہر گیا۔ اس نے کیلر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "برسوں سے میری تم سے دوستی ہے۔ میں جانتا ہوں، تمہارے آئیڈیے میں کوئی نہ کوئی خرابی ضرور ہو گی۔"

"آئیڈیا میرا نہیں ہے۔" کیلر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "تم میرے بھتیجے وکٹر کو جانتے ہو؟" چارلس نے نفی میں سر ہلایا۔ کیلر نے مزید کہا۔ "وہ ایف بی آئی میں تھا۔ وہ بہت عقلمند اور تعلیم یافتہ ہے۔ ٹریننگ میں بھی کامیاب رہا لیکن ایف بی آئی والوں سے اس کی بنی نہیں۔ اس میں کچھ کمزوریاں ہیں۔ کچھ بے وقوف بھی ہے وہ لیکن اس کا آئیڈیا زور دار ہے۔ کامیابی یقینی ہے۔ تم وکٹر کو بھی پسند کرو گے۔"

چارلس کمزور پڑ گیا۔ "میں جانتا ہوں کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔" اس نے کہا، لیکن وہ کیلر کے ساتھ کار کی طرف واپس چل دیا۔ وہ کار کے پاس پہنچے تو کار کے دروازے پر چالان کا ٹکٹ لگا نظر آیا۔

☆------☆------☆

"خبردار............ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" وکٹر نے پھنکار کر کہا۔ "یہ ڈاکا زنی کی واردات ہے۔"

"اے............ تم ایسا نہیں کرسکتے۔" ایک لرزیدہ آواز ابھری پھر ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا............ ہسٹریا سے بھرپور قہقہہ۔

"ذرا دیکھ کر۔" ایک اور خوفزدہ آواز ابھری۔ "ان لوگوں کے پاس پستول ہیں۔"

وکٹر نے کیسٹ پلیئر آف کردیا۔ پھر اس نے کیسٹ کو ریوائنڈ کر کے چلایا۔ واردات

کا بھرپور تاثر موجود تھا۔ اسے سن کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ تمام آوازیں وکٹر ہی کی ہیں۔

وکٹر جس کمرے میں تھا' اس کمرے نے اپنی زندگی کا آغاز گیراج کی حیثیت سے کیا تھا۔ اب وہ زمانہ جدید کا کوئی غار معلوم ہوتا تھا۔ ایک طرف میز تھی جس پر وکٹر کا ریکارڈنگ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہ میز عقبی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ دیوار' میگزین سے کاٹی ہوئی تصاویر سے مزین تھی۔ بلکہ ان کے پیچھے پوشیدہ تھی۔ اوپری حصے پر رول کیا گیا فلم اسکرین تھا جسے بہ وقتِ ضرورت کھولا جاسکتا تھا۔ بائیں جانب والی دیوار کے ساتھ ایک شیلف تھا۔ اس میں مختلف قسم کی کتابیں اور میگزین لگے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی کیسٹوں کا انبار تھا۔ ہر کیسٹ پر سرخ حروف میں کوئی نہ کوئی عجیب عبارت تحریر تھی۔ تیسری دیوار کے ساتھ دو فلم پروجیکٹر رکھے تھے۔ ایک آٹھ ملی میٹر والا اور دوسرا سولہ ملی میٹر والا۔ ان کے ساتھ جو شیلف تھے' ان میں فلمیں رکھی تھیں۔ کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی تھیں۔

کمرے میں بہ ظاہر کوئی کھڑکی کوئی دروازہ نہیں تھا۔ کمرے کے درمیانی حصے میں کسی سینما ہال کی نشستیں سینما ہال ہی کے انداز میں لگی ہوئی تھیں۔ پانچ پانچ نشستوں کی تین قطاریں تھیں اور ان کا رخ عقبی دیوار کی طرف تھا۔

وکٹر کی عمر تیس سال تھی اور کمرے میں موجود سامان کی عمر اس سے زیادہ تھی۔ یہ تمام اشیاء اس نے زمانہ طالب علمی ہی سے خریدنی شروع کردی تھیں۔ اس کے نزدیک یہ سب کچھ صرف ہابی ہی نہیں' تاریخ کا مطالعہ بھی تھا۔ شاید اس ہابی ہی کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کم لگتا تھا۔ پہلی نظر میں وہ ۲۰ سال کا لگتا تھا۔ بلکہ بعض لوگ تو اسے اٹھارہ سال کا سمجھتے تھے۔ وہ بار میں جاتا تو اپنی بلوغت ثابت کرنے کے لئے اسے شناختی کاغذات پیش کرنے پڑتے۔ اس وجہ سے ایف بی آئی کی سروس کے دوران اسے الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے کسی تحقیق کے سلسلے میں کسی کالج میں جانا پڑتا تو وہ مشکوک ٹھہرتا کیونکہ وہ اسکول کا طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ اس نے داڑھی مونچھیں رکھ کر دیکھا.......... لیکن بات نہیں بنی۔ شاید اسی وجہ سے ایف بی آئی والوں نے پہلی فرصت میں اس سے پیچھا چھڑا لیا۔ وکٹر خود بھی ایف بی آئی سے مایوس تھا۔ اس نے تیئس ماہ تک بیورو میں کام کیا

اور اس دوران اسے کسی مشین گن کو ہاتھ لگانے کا موقع بھی نہیں ملا۔ بلکہ اس نے مشین گن دیکھی بھی نہیں۔ اس نے کبھی کوئی دروازہ نہیں توڑا تھا.......... کسی مجرم کو گرفتار نہیں کیا تھا۔ وہ صرف کلرکی کرتا رہا تھا.......... فائلنگ ورک.......... اور اس سے اس کا جی اُوب گیا تھا۔

ایف بی آئی اس کے مطلب کا ادارہ نہیں تھا' لیکن اس کے مطلب کا ادارہ تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے قانون کی ڈگری لی تھی لیکن وہ وکالت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایڈونچر پسند تھا لیکن اسے اب تک اپنے وجود کی اہمیت ثابت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے وہ انکل کیلر کو کچھ کرنے پر اکساتا رہا تھا۔

اس نے کیسٹ ریکارڈر کا ریکارڈنگ والا بٹن دبایا اور غراتے ہوئے کہا۔ "تم بچ نہیں سکو گے دوست۔" یہ کہہ کر اس نے ریکارڈر آف کیا اور ایک دراز کھولی اور اعشاریہ دو پانچ کا آٹومیٹک نکالا۔ اس نے کلپ کو چیک کیا۔ اس میں پانچ بلینک شاٹ تھے۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ کیسٹ پر ان کا صوتی تاثر غضب کا آئے گا۔ اس نے ریکارڈر کا بٹن دبایا اور تیزی سے دو فائر کئے۔ تیسرا فائر کرتے ہوئے وہ حلق کے بل چیخا۔ "بچو.......... سنبھلو.........."

"اوہ!" پیچھے سے کسی نے کہا۔

وہ بری طرح چونکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک شیلف اندر کی طرف گھوما تھا اور یوں وہ دروازہ نمودار ہوا تھا۔ دروازے میں کیلر کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے عقبی صحن اور سامنے والے گیراج کی دیوار صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "آیئے انکل' اندر آجایئے نا۔" وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لل.......... لیکن.......... یہ یہ۔" کیلر نے ہکلاتے ہوئے' پستول کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے انکل۔ یہ تو استعمال شدہ کلپ ہے۔" وکٹر نے کہا اور کیسٹ ریکارڈر آف کردیا۔

کیلر اندر آیا اور اس نے شیلف کو پیچھے دھکیل دیا۔ کمرا پھر بے در ہوگیا۔ "تم جانتے ہو' میں بہت آسانی سے خوفزدہ ہوجاتا ہوں۔" کیلر نے کہا۔ "میرے لئے تو چاقو ہی

بہت کافی ہے۔"

"آئی ایم سوری انکل! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وکٹر نے بے حد خلوص سے کہا۔

"بہرحال.......... میں نے اس منصوبہ ساز کو ڈھونڈ لیا ہے۔" کیلر بولا۔

وکٹر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "آپ کا مطلب ہے مسٹر چارلس۔" اس نے ہیجانی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں وہی' لیکن میں اسے یہاں نہیں لایا مجھے معلوم ہے کہ تم اس جگہ کو خفیہ رکھنا چاہتے ہو۔"

"بہت خوب! وہ ہے کہاں؟"

"یہاں سے کچھ دور میں نے گاڑی پارک کر دی تھی۔ وہ گاڑی میں ہے۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ شیلف کے دروازے کے باہری حصے پر کار کا ایک بہت بڑا پوسٹر چسپاں تھا۔ وہ دروازہ ہرگز نہیں لگتا تھا۔ وہ دونوں نکلے اور کار پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

وکٹر نے پلٹ کر اپنے کمرے کو دیکھا اور اپنی ہنرمندی اور ہوشیاری کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا کمرہ دیکھنے میں ایک انتہائی غیر اہم گیراج لگتا تھا۔ کھڑکیوں پر بھی اس۔ مختلف کاروں کے ماڈلوں کے پوسٹر چپکا رکھے تھے۔ وہ پھر پلٹا اور چارلس کی طرف بڑھا۔ چارلس پہلی ہی نظر میں اسے پسند آیا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ وہ ایک جیتے جاگتے پروفیشنل مجرم کو دیکھ رہا تھا۔

کیلر نے ان دونوں کو متعارف کرایا۔ چارلس نے آہستہ سے کہا۔ "ہیلو۔"

"ہیلو مسٹر چارلس۔" وکٹر کے لہجے میں احترام تھا پھر اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔"

چارلس نے کیلر کو گھور کر دیکھا۔ "کیا یہ درست ہے؟" اس نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"یونہی.......... عام سی باتیں تم سمجھ رہے ہونا۔" کیلر گڑبڑا گیا۔

وکٹر کو چارلس کی راز داری کا یہ انداز بھی پسند آیا۔ لہجے اور نگاہوں میں سختی چہرے پر ناپسندیدگی کا تاثر۔ چارلس اُسے ہیرو لگا۔ ایف بی آئی اسے سنسنی فراہم نہیں

کر سکتی تھی لیکن اسے چارلس سے امید ہو چلی تھی کہ وہ اس کے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر دے گا۔ "آیئے چلیں' ایک نظر دیکھیں۔" اس نے کہا۔ اس کی آواز فرطِ مسرت سے لرز رہی تھی۔

☆------☆------☆

وہ تینوں فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ چارلس نے جب بھی کن انکھیوں سے وکٹر کو دیکھا' اسے اپنی جانب نگراں پایا.......... لبوں پر مسکراہٹ سجائے.......... اور اس مسکراہٹ میں بڑی محبت تھی۔ وکٹر کا انداز اس مچھیرے کا سا تھا۔ جس نے زندگی میں سب سے بڑی مچھلی پکڑ لی ہو۔ چارلس کو خواہ مخواہ مچھلی ہونے کا احساس ہونے لگا۔ وہ نروس ہوگیا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ وکٹر ایف بی آئی میں رہ چکا ہے۔ چنانچہ وہ کار کی کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ وکٹر سے نظریں چرا رہا تھا۔

"مسٹر چارلس.......... آپ اخبار پڑھتے ہیں.......... بہت زیادہ؟" وکٹر نے اسے چونکا دیا۔

"یہ کس قسم کا سوال ہے؟" چارلس نے حیرت سے کہا۔ "بہرحال' کبھی کبھی پڑھتا ہوں۔"

"کوئی خاص اخبار؟" وکٹر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ گفتگو برائے گفتگو کر رہا ہو۔

"ہاں' ٹائمز پڑھ لیتا ہوں کبھی کبھی۔" چارلس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کا طرزِ فکر لبرل ہے؟"

اس بار چارلس' وکٹر کو دیکھنے پر مجبور ہوگیا لیکن وہ عقیدت بھری مسکراہٹ! اس نے گھبرا کر پھر نظریں چرالیں۔

"وکٹر۔" کیلر نے وکٹر کو ڈانٹا۔ "تم بھول رہے ہو کہ تم ایف بی آئی کی ملازمت چھوڑ چکے ہو۔"

"آئی ایم ویری سوری۔ دراصل عادت سی ہوگئی ہے۔ بلاارادہ ہی زبان چلنے لگتی ہے۔" وکٹر نے معذرت کی۔ پھر اس نے کیلر سے کہا۔ "یہاں سے موڑ لیں۔"

کیلر نے کار موڑ لی۔ وہ ایک چھوٹا سا شاپنگ ایریا تھا۔ وہاں کئی اسٹورز تھے۔ ایک چینی ریسٹورنٹ بھی تھا۔ کیلر نے ایک بینک کے سامنے کار روک دی۔ "یہ رہا۔" اس نے

آہستہ سے کہا۔

بینک کی بوسیدہ عمارت بہت پرانی طرز کی تھی۔ چارلس بینک کے صدر دروازے کو بغور دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور دو مزدور برآمد ہوئے۔ انہوں نے ڈانگریاں پہنی ہوئی تھیں۔

"بہت دیر کردی تم نے۔" چارلس نے تبصرہ کیا۔ "اب اس بینک میں کچھ نہیں رکھا۔"

"یہ بینک نہیں......... اصل بینک تو وہ ہے۔" کیلر نے ایک سمت اشارہ کیا۔

چارلس نے سر گھمایا اور وکٹر کی مسکراہٹ اور نظروں سے بچتے ہوئے دوسری طرف دیکھا۔ شروع میں تو اسے کچھ بھی نظر نہ آیا پھر نیلے اور سفید رنگ کی ایک چیز نظر آئی جس کی ہیئت وہ نہ سمجھ سکا۔ تاہم اس چیز پر ایک بینر آویزاں تھا اور بینر کے حروف بے حد واضح تھے۔ "کیپٹل بینک۔ عارضی ہیڈ کوارٹر۔ ہمیں دیکھتے رہیے، ہم عنقریب کچھ سے کچھ ہو جائیں گے۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" چارلس جھنجلا گیا۔

"یہ ٹرالر ہے۔" کیلر نے جواب دیا۔ "تم نے چلتے پھرتے مکان تو دیکھے ہوں گے۔ یہ بینک ہے۔"

وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مسٹر چارلس، بینک کی اصل عمارت گرا کر دوبارہ تعمیر کی جاری ہے۔ اس دوران بینک ٹرالر میں قائم رہے گا۔"

چارلس ٹرالر کو دیکھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کا ذہن تو گویا شل ہو کر رہ گیا تھا۔ اس پر وکٹر کی والہانہ مسکراہٹ! "تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کار سے اترا اور ذیلی سڑک پر ٹرالر بینک کی طرف چل دیا۔ ٹرالر بہت بڑا تھا۔ اتنا بڑا ٹرالر اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی لمبائی ۵۰ فٹ اور چوڑائی بارہ فٹ کے قریب ہوگی۔ اس کے سامنے والے حصے میں دو داخلی دروازے تھے۔ دروازوں کے نیچے عارضی چوبی قدمچے تھے کیونکہ ٹرالر کے نچلے حصے کی زمین سے بلندی کم نہیں تھی۔ ٹرالر کو دو اطراف سے کنکریٹ کے بلاکس چن کر ان پر کھڑا کیا گیا تھا......... کھڑکیوں پر ڈوریوں سے کھینچ کر کھولے جانے والے پردے پڑے ہوئے تھے۔ بینک اس وقت بند تھا، لیکن پردوں کی درمیانی جھریوں سے اندر روشنی کی موجودگی کا سراغ ملتا تھا۔

چارلس نے واپس آتے ہوئے مزید جائزہ لیا۔ سڑک کے پار ٹیلیفون اور بجلی کے کھمبوں سے بینک والوں کو عارضی طور پر سہولتیں فراہم کی گئیں تھیں۔ اس کے علاوہ کوئی بات قابلِ ذکر نہیں تھی۔ وہ سر کو بار بار جھٹکتا دوبارہ کار تک پہنچا۔ "باہر سے دیکھ کر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا........." اس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "واردات دن میں کرو گے یا رات کو؟"

"رات کو۔" کیلر نے جواب دیا۔

"رات کے وقت یہاں کیش ہوتا ہے؟"

"صرف جمعرات کی رات کو ہوتا ہے۔"

چارلس کو ہچکچاہٹ کے باوجود وکٹر کی طرف دیکھنا پڑا۔ "کیوں؟ جمعرات کو کیوں؟" اس نے وکٹر سے پوچھا۔

"جمعرات کی رات اسٹورز کھلے رہتے ہیں۔ بینک معمول کے مطابق تین بجے تک کھلتا ہے۔ پھر شام چھ بجے سے ساڑھے چھ بجے تک دوبارہ کھلتا ہے۔ اس وقت رقم کسی اور بینک میں نہیں پہنچائی جاسکتی چنانچہ اس رات رقم بینک ہی میں رہتی ہے۔ البتہ گارڈز کی نفری بڑھا دی جاتی ہے۔ اس رات، سات گارڈز ہوتے ہیں۔" وکٹر نے وضاحت کی۔

"سیف کس قسم کا ہے؟"

"موسلر کمپنی کا سیف ہے۔ میرا خیال ہے، ٹرالر کے ساتھ ہی وہ بھی کرائے پر دیا گیا ہے۔ کوئی مضبوط سیف نہیں ہے وہ۔"

"گویا ہم سیف کو جلد ہی کھول سکتے ہیں۔"

وکٹر نے اسے پھر مسکراہٹ سے نوازا۔ "وقت کی کمی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

چارلس نے جلدی سے نظریں ہٹائیں اور ٹرالر کی وائرنگ پر نظر ڈالی۔ "میرا خیال ہے، ان میں الارم کا تار بھی ہے۔ الارم قریبی پولیس اسٹیشن میں نصب ہوگا۔"

وکٹر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے نزدیک چارلس غیر معمولی حد تک ذہین اور اہل ثابت ہو رہا تھا۔

"گویا وقت کی کوئی کمی نہیں۔ ہمیں صرف سات گارڈز سے نمٹنا ہے اور قریب ترین پولیس اسٹیشن سات بلاک دور ہے۔" چارلس نے طنزاً کہا۔

کیلر کی باچھیں کھل گئیں۔ "ہے نا خوبصورت منصوبہ' وکٹر جینئس آدمی ہے۔"

"ثابت کرو۔" چارلس نے کہا۔

"ہم بینک میں ڈاکا نہیں ڈالیں گے.......... بلکہ بینک چرائیں گے۔" وکٹر نے کہا۔

چارلس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ ایک ٹک وکٹر کو دیکھتا رہا۔

"یہی تو خوبصورتی ہے۔ ہم بینک میں گھسنے کے بجائے پورا بینک لے بھاگیں گے۔ ہمیں صرف ایک ٹرک کا بندوبست کر کے بینک کو اس کے ساتھ نتھی کرنا ہوگا۔"

☆------☆------☆

چارلس' کیلر کو اپنے اپارٹمنٹ لے آیا۔ میگی گھر آچکی تھی اور کچن میں مصروف تھی۔ "میں وکٹر کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" چارلس نے کہا۔

"وکٹر ٹھیک ٹھاک لڑکا ہے۔" کیلر نے اسے اطمینان دلایا۔

اتنے میں میگی نشست گاہ میں چلی آئی۔ "کہو.......... دن کیسا گزرا؟" اس نے کیلر کی مزاج پرسی کے بعد چارلس سے پوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک ہی سمجھو۔ اپنے تمام بک لیٹ کھو بیٹھا ہوں۔"

"ایک خاتون نے پولیس کو طلب کر لیا تھا۔" کیلر نے خوش ہو کر کہا۔

"تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔" چارلس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تمہیں خوب جانتی ہوں۔" میگی نے کہا۔ ایک سال پہلے اسے چارلس کے دھندے کا علم ہوا تھا.......... اور اس نے تھوڑی سی رد و قدح کے بعد اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا۔

"لیکن اب ان چھوٹی موٹی وارداتوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔" کیلر نے دلاسا دیا۔

"کیا مطلب ہے؟" میگی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ "پھر کوئی چکر چل رہا ہے؟"

"ایک بینک پر نظر ہے ہماری۔" کیلر بولا۔

"تم یقین کر سکتی ہو تو کر لو۔ یہ شخص بینک لے بھاگنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

چارلس نے مضحکانہ انداز میں کہا۔

کیلر نے جلدی سے پوری تفصیل سناڈالی۔ "اب تم ہی بتاؤ۔" اس نے آخر میں کہا۔ "بینک لے کر بھاگا جاسکتا ہے نا؟"

"ہاں.......... لیکن تم بینک لے کر جاؤ گے کہاں؟" میگی نے پوچھا۔

"بس اسے تو بینک لے بھاگنا ہے۔" چارلس نے زہرخند کہا۔ "کہاں سے اسے کیا غرض۔"

"اس سلسلے میں سوچنا پڑے گا۔" کیلر نے کہا۔

"گویا ابھی منصوبہ نہیں بنا۔"

"اور سنو' ایک چیز وکٹر نام کی بھی ہے۔" چارلس بولا۔

"میرا بھتیجا ہے۔" کیلر نے فخریہ لہجے میں وضاحت کی۔

"میں نے آج تک کوئی بھتیجا نہیں دیکھا۔" میگی نے حسرت سے کہا۔

"ہر شخص کسی نہ کسی کا بھتیجا ہے۔" کیلر نے فلسفہ بگھارا۔

"غلط.......... بالکل غلط' میں کسی کی بھتیجا نہیں ہوں۔" میگی نے اعتراض کیا۔

"میں مردوں کی بات کر رہا ہوں۔" کیلر نے جھینپ کر کہا۔

"اور وکٹر تجربے کار آدمی ہے۔" چارلس نے کہا۔ "اس کے پاس ایف بی آئی کا تجربہ ہے۔"

میگی چوکنا ہو گئی۔ "کیا مطلب؟ ایف بی آئی والے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟"

"نہیں' وہ ایف بی آئی میں کام کر چکا ہے۔" کیلر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "بڑی طویل کہانی ہے۔"

"بہرحال.......... میری سمجھ میں نہیں آتا۔" چارلس نے بے بسی سے کہا۔ "میں سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ منہ پر رومال باندھا اور کسی بھی جگہ پہنچ گئے۔ ریوالور دکھایا' جیب بھری اور واپس.........."

"ان دنوں حالات خراب ہو رہے ہیں۔" کیلر بولا۔ "اب تو چیک سے کاروبار ہوتے ہیں۔ رقم کہاں ملتی ہے سوائے بینک کے۔"

"مجھ سے زیادہ کون جانے گا یہ دکھ۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو میں خواتین کے

ساتھ فراڈ کرنے پر کیوں مجبور ہوتا؟" چارلس نے آہ بھر کے کہا۔

"تبھی تو کہہ رہا ہوں' یہ کام کرلو۔ ڈرائیونگ کے لئے میسن مناسب رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کرلو میسن سے بات۔" چارلس نے اس بار طویل تر آہ بھری۔

☆======☆======☆

میسن' ہلٹن کے دروازے پر کھڑا پارکنگ ایریا میں ایک کے بعد ایک داخل ہونے والی ٹیکسیوں کو دیکھتا اور جھنجلاتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اپنی کاروں پر سفر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بالآخر ایک کار داخل ہوئی اور دروازے پر رکی۔ اس میں سے ایک عورت اور کچھ بچے نیچے اتر آئے۔

میسن نے لپک کر دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "کار کی چابیاں کار ہی میں چھوڑ دیجئے جناب۔"

کار کا مالک اتر آیا۔ میسن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس نے جیب سے ایک ڈالر کا نوٹ نکال کر میسن کی طرف بڑھا دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ہوٹل کا سروس ڈرائیور ہے۔ میسن نے ڈالر وصول کرکے زور دار سیلیوٹ جھاڑا اور کار اسٹارٹ کردی۔ کار کا مالک ہوٹل میں چلا گیا۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی کار چرانے کا معاوضہ بھی ادا کرے.......... ایک ڈالر ہی سہی!

سڑکوں پر بے پناہ رش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا' بروک لین کے علاقے میں آگیا۔ جے اینڈ ایل گیراج کے بند دروازے پر کار روک کر اس نے تین بار ہارن بجایا اور گردوپیش کا جائزہ لیا۔ علاقہ سنسان تھا۔ گیراج کا دروازہ کھلا اور ایک دبلے پتلے سیاہ فام نے باہر جھانکا' سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ ایک لمحے بعد گیراج کا دروازہ اوپر کی طرف اٹھ گیا۔

میسن کار کو گیراج میں لے گیا۔ وہاں دس بارہ کاریں پہلے ہی سے موجود تھیں اور پینٹنگ کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ فضا میں پینٹ کی بو رچی ہوئی تھی۔ گیراج کافی بڑا تھا۔ وہاں دس بارہ آدمی موجود تھے۔ ان میں اکثریت سیاہ فاموں کی تھی۔

دبلے پتلے سیاہ فام کے اشارے پر میسن نے کار ایک گوشے میں کھڑی کی اور گلوو کمپارٹمنٹ کی تلاشی لی۔ اس میں کام کی کوئی چیز نہ نکلی۔ پھر وہ کار سے اتر آیا۔ دبلے پتلے

سیاہ فام نے کار کا دروازہ بند کردیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میسن کو دیکھا اور بولا۔ "تم خوب ہاتھ مارتے ہو۔" اس کے لہجے میں ستائش تھی۔

"سڑکیں کاروں سے پٹی پڑی ہیں۔" میسن نے جواب دیا۔ "مارکونی سے کہنا کہ مجھے رقم جلدی درکار ہے۔"

"تم اتنی رقم کا کرتے کیا ہو؟"

"میں اپنی تنہا ماں کا واحد کفیل ہوں۔" میسن نے دردناک لہجے میں کہا۔

"تمہاری ماں نے دوبارہ ٹیکسی چلانا شروع نہیں کی؟"

"نہیں' ان کی گردن پر اب بھی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ وہ ٹیکسی چلاسکتی ہیں لیکن لوگ ایسی ٹیکسی میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے جس کے ڈرائیور کی گردن پر پٹی لپٹی ہوئی ہو۔"

"وہ پٹی کب تک چڑھی رہے گی؟"

"جب تک مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوجاتا۔ مارکونی سے کہہ دینا کہ مجھے رقم جلد چاہئے۔ اب میں جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے ماں کو ٹہلتے پایا۔ پلاسٹر کی پٹی ندارد تھی۔ "ماں.......... اگر میں انشورنس کا نمائندہ ہوتا تو کیا ہوتا!" اس نے احتجاج کیا۔

"اس صورت میں تم اطلاعی گھنٹی بجاتے۔" ماں نے بے حد سکون سے کہا۔

"میں کھڑکی سے بھی جھانک سکتا تھا۔"

"میسن.......... مجھے پریشان نہ کرو۔ میں گھر میں بند رہ رہ کے تنگ آچکی ہوں۔"

"تو آپ چہل قدمی کے لئے کیوں نہیں نکلتیں؟"

"نکلتی ہوں تو اس ملعون پٹی کی وجہ سے بچے مجھے تماشا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے فلم پلانٹ آف دی ایپس کی پبلسٹی کے سلسلے میں کام لیا جارہا ہے۔"

"ٹھیک ہے مم۔ کل میں گاڑی لاؤں گا اور آپ کو تفریح کے لئے لے جاؤں گا۔" ماں کھل اٹھی۔ دونوں ماں بیٹے نقشے پر جھک گئے اور اگلے روز کی تفریح کے لئے روٹ ترتیب دینے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد اطلاعی گھنٹی بجی۔

"میں دروازہ کھولتا ہوں۔ آپ گردن کی پٹی چڑھائیں۔" میسن نے کہا۔ ماں پیر پٹختے

ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔ میسن نے جاکر دروازہ کھولا۔ کیلر کی صورت نظر آئی۔

"مما...... بھول جاؤ پٹی کو۔" میسن نے چیخ کر کہا۔

کیلر یہ سن کر بدکا۔ "گردن کی پٹی کی بات ہو رہی ہے۔ وہی ایکسیڈنٹ والا کیس ہے۔" میسن نے وضاحت کی۔ کیلر اندر چلا آیا۔

اسی وقت میسن کی ماں نمودار ہوئی۔ "تم نے مجھے آواز دی تھی۔" اس نے کہا۔ اس نے گردن پر پلاسٹر کی پٹی چڑھالی تھی پھر کیلر کو دیکھ کر اس کا منہ کھل گیا۔

"کیلر...... تم! میں نے خواہ مخواہ یہ منحوس پٹی چڑھالی۔"

کیلر کچھ نہ بولا۔ میسن نے کہا۔ "میں نے تو آپ کو آواز دے کر منع بھی کیا تھا۔" پھر وہ کیلر سے مخاطب ہوا۔ "ہم کل کے سفر کے لئے روڈ میپ دیکھ رہے تھے' کہیں تم کوئی چکر تو نہیں چلا رہے ہو؟"

"ہاں...... میں کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کل تم لانگ آئی لینڈ چل کر وہ جگہ دیکھ لو......"

"شکریہ۔ ہم نے بھی لانگ آئی لینڈ ہی کا پروگرام بنایا تھا۔" میسن نے کہا۔

☆------☆------☆

چارلس ساڑھے آٹھ بجے اوجے بار میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا بارٹینڈر رولو کے پاس پہنچا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔ "میرا کوئی دوست آیا ہے؟" اس نے عقبی دروازے کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

"ہاں' دو آدمی آچکے ہیں۔" رولو نے جواب دیا۔

چارلس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عقبی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر کیلر اور وکٹر موجود تھے۔ "فکر نہ کرو چارلس' میسن بس آنے ہی والا ہوگا۔" کیلر نے چہک کر کہا۔

چارلس کو آتے ہی وکٹر کی والہانہ مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ "مجھے خوشی ہے مسٹر چارلس کہ مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔" وکٹر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

چارلس خاموش رہا۔ اسے وکٹر کی مسکراہٹ سے اختلاج ہونے لگا تھا۔ کیلر نے اس کی طرف جام بڑھا دیا۔ "کیوں نہ اس دوران کچھ تفصیلات ہی طے کرلی جائیں۔" اس نے

تجویز پیش کی۔

"تمہارا انداز تو ایسا ہے جیسے یہ واردات سچ مچ ہونے والی ہے؟" چارلس نے کہا۔

"تو اور کیا۔ واردات تو ہو کر رہے گی۔" کیلر بولا۔

وکٹر نے قدرے پریشان نظر آنے کی کوشش کی لیکن وہ والہانہ مسکراہٹ بدستور اس کے ہونٹوں پر چپکی رہی۔ "کیا آپ کے خیال میں یہ واردات ناممکن ہے مسٹر چارلس؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی تو منصوبہ بھی طے نہیں پایا ہے۔" چارلس نے جواب دیا۔

"کیسا منصوبہ؟ ہم ٹرالر کو ٹرک سے باندھیں گے اور لے بھاگیں گے۔ کہیں لے جاکر سیف توڑیں گے اور رقم حاصل کرلیں گے۔ گارڈز کو دواؤں کے ذریعے بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔" کیلر نے سادگی سے کہا۔

"اور تم کچھ بھول بھی رہے ہو۔" چارلس کا لہجہ سرد تھا۔

"ہاں...... منصوبے کی تفصیلات طے ہونا باقی ہیں۔" کیلر نے کہا۔ "منصوبے کا خاکہ تو ہمارے پاس ہے ہی۔"

چارلس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا اور آنکھ سے وکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ کیلر نے وکٹر کی نظر بچا کر اس اشارے کا جواب دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اس مسئلے پر بعد میں غور ہوگا۔

"رہ گیا مسئلہ قفل شکن کا تو تمام جانے پہچانے آدمی غائب ہیں۔ کام کا ایک آدمی ہے تو مگر......" کیلر کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

"نام تو بتاؤ اس کا۔" چارلس نے کہا۔

"تم اسے نہیں جانتے ہوگے۔"

"یار' میں کہہ رہا ہوں' نام تو بتاؤ۔" چارلس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا۔ کیلر کے ساتھ کام کرنے میں یہی دشواری تھی۔ ضبط و تحمل کی بے حد کڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا تھا۔

"ہرمن ایکس۔" بالآخر کیلر نے نام اگلا۔

"ہرمن ایکس!"

"سیاہ فام مسلمان معلوم ہوتا ہے۔" وکٹر نے تبصرہ کیا۔

"نہیں' اس کا تعلق سیاہ فاموں کی ایک تنظیم سے ہے جو میلکم ایکس کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے لئے کام کرتی ہے۔" کیلر نے مختصراً بتایا۔

چارلس دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ وکٹر یوں سوچ میں پڑ گیا جیسے اس تنظیم کا میلکم ایکس کی تنظیم سے رشتہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیلر نے چارلس کی طرف دیکھا جو اب اسے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے آہ بھری اور چارلس کی نظروں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اچانک اس کی سمجھ میں بات آ گئی۔ "ہاں.......... ہم قفل شکن کی بات کر رہے تھے۔" اس نے نعرہ لگایا۔

"خدا کا شکر ہے۔ تمہیں یاد تو ہے۔"

"تمہیں اس کے سیاہ فام ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"میں اس سے شادی تو کر نہیں رہا ہوں کہ اس کی رنگت پر اعتراض کروں گا۔ مجھے اس سے تجوری کھلوانی ہے۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔

"تو اسے بلا لوں؟"

"بلوا لو۔"

کیلر اٹھ ہی رہا تھا کہ میسن آ گیا۔ اس نے آتے ہی تاخیر کی وجوہات بیان کرنا شروع کر دیں۔ بڑی مشکل سے اسے خاموش کرا کر کیلر نے اسے وکٹر اور چارلس سے متعارف کرایا۔ اچانک میسن کی ممی بھی نمودار ہوئی۔ تعارف کا ایک اور مرحلہ گزرا۔ پھر سب بیٹھ گئے۔

"مسز مرچ.......... آپ کی گردن میں کیا ہوا؟" وکٹر نے پوچھا۔

"ایک وکیل ہو گیا ہے۔" مسز مرچ نے کہا۔ وہ بے حد خراب موڈ میں معلوم ہو رہی تھیں۔ "اب میں یہ منحوس پٹی اتار سکتی ہوں؟"

"ممی' پہنے رہا کرو اسے پہنتے پہنتے عادت ہو جائے گی۔ ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ اسے بیشتر وقت اتارے رہتی ہیں۔"

"اہم ترین بات یہ ہے کہ تم یہاں پہنچ گئے ہو۔" چارلس نے طویل ترین آہ بھر

کے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ بینک دیکھا یا نہیں؟"

"دیکھا اور غور سے دیکھا۔ کچھ اچھی خبریں ہیں اور کچھ بری۔" میسن نے بتایا۔

"پہلے تاریک پہلو پر روشنی ڈالو۔ روشن پہلو تو ویسے ہی روشن ہے۔" چارلس نے فرمائش کی۔

"نہیں.......... پہلے روشن پہلو۔ تاکہ نظر تاریک پہلو کو دیکھنے کے قابل رہے۔ ورنہ روشن پہلو تو نظر ہی نہیں آئیں گے۔" کیلر نے زور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے.......... تو پہلے روشن پہلو۔ ٹرالر کے آخری حصے میں ہک پھنسانے کے لئے آنکڑا موجود ہے۔"

"اور تاریک پہلو؟" چارلس نے پوچھا۔

"ٹرالر کے پہیے نہیں ہیں۔"

"یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔" چارلس نے اظہارِ مسرت کیا۔

"ایک منٹ.......... ایک منٹ.......... ایک منٹ۔" کیلر نے گڑبڑا کر کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہوا کہ ٹرالے کے پہیے نہیں ہیں؟"

"میں ٹرالر کے نچلے پہیوں کی بات کر رہا ہوں۔" میسن نے کہا۔

"لیکن وہ ٹرالر ہے.......... چلتا پھرتا گھر۔ اس میں پہیے تو لازماً ہوں گے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔

"ہوں گے کبھی' لیکن اب نہیں ہیں۔ انہوں نے کنکریٹ کے بلاکس چن کر ٹرالر کو ان پر کھڑا کیا اور پہیے نکال دیئے صرف پہیے ہی نہیں' ایکسلز بھی۔"

"بہرحال' پہیے ہوں گے تو سہی اس کے؟"

"ظاہر ہے' ٹرالر ہے تو پہیے بھی ہوں گے۔"

"تو انہوں نے پہیوں کا کیا کیا ہو گا؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے' کمپنی والوں کو واپس دے دیئے ہوں۔" میسن نے جواب دیا۔ "بہرحال' پہیے کہاں گئے کیا ہوئے' اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ ٹرالر پہیوں سے محروم ہے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چارلس تو شروع ہی سے اس آئیڈیے کے خلاف تھا

لیکن میگی کا کہنا تھا کہ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں ایسی واردات کی منصوبہ بندی کرنا کہیں بہتر ہے۔ جس پر عمل کرنا ناممکن ہو۔ چنانچہ اس نے فرض کرلیا کہ میگی ٹھیک کہتی ہے لیکن اب بھی اسے کوئی ڈھنگ کی جاب مل جاتی تو بہتر تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ منصوبہ بنانا اس کا کام تھا۔ چنانچہ اس نے آہ بھری، بغیر پہیوں کے ٹرالر کا تصور کیا اور مین سے پوچھا۔ "ٹرالر کنکریٹ کے بلاکس پر رکھا ہوا ہے نا؟" مین نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "ٹرالر کو چن تو نہیں دیا گیا؟" چارلس نے دوسرا سوال پوچھا۔

"نہیں۔ ٹرالر صرف ان بلاکس پر لٹکایا گیا ہے۔" مین نے جواب دیا۔ "اور وہ بھی صرف دو طرف ہے۔"

"گویا دو طرف سے وہ معلق ہے۔" چارلس کے انداز میں پہلی بار دلچسپی کی جھلک نظر آئی۔

"ہاں.......... ایک طرف تو دروازے کے ساتھ چوبی قدمچے رکھے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف سے ٹرالر کے نیچے گھسا جاسکتا ہے۔"

چارلس نے سر گھما کر وکٹر کو دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ وکٹر مسکرا نہیں رہا تھا۔ وہ مفلوج سا اسے ہی تکے جا رہا تھا۔ "کوئی ایسا وقت جب بینک بالکل خالی ہوتا ہو۔" اس نے پوچھا۔

"جمعرات کے سوا ہر رات بینک خالی ہوتا ہے۔ گارڈز بھی نہیں ہوتے۔" وکٹر نے جواب دیا۔ "وہاں چرانے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ پھر گشتی پولیس تو چکر لگاتی رہتی ہے نا۔"

"ٹھیک ہے۔" چارلس نے کہا اور مین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ٹرالر کے پہیے مل سکتے ہیں کہیں سے؟"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ جیک ٹرالے کے نچلے حصے سے منسلک ہوں گے۔ میں اس ماڈل کا ٹرالر پہلے ہی دیکھ آیا ہوں۔"

وکٹر نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پہیے لگ جائیں تو تم ٹرالر کو بھگا سکتے ہو؟" چارلس نے پوچھا۔

"کار کی مدد سے تو ناممکن ہے۔ ٹرک ضروری ہے۔ ٹرالر کی چوڑائی بارہ فٹ ہے۔

چنانچہ ہمیں مرکزی سڑکوں پر چلنا ہوگا۔ روٹ بہت احتیاط سے ترتیب دینا ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" چارلس نے کہا۔ پھر اس نے کیلر کی طرف دیکھا۔ "اور ٹرالر کو لے جانا کہاں ہے؟"

کیلر نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "میں اور وکٹر اس سلسلے میں کام کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ جگہ کا تعین ہوجائے گا۔"

چارلس کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وکٹر اب بھی اسے تکے جا رہا تھا۔ پھر اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔ "مسٹر چارلس! کام تو ہوسکتا ہے نا؟"

"ابھی میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لگتا ہے کہ ہم کامیاب ہوسکتے ہیں لیکن ابھی بہت سی باتیں طے ہونا باقی ہیں۔"

"کام تو ہوگا۔" کیلر نے پریقین لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلے تو تم اور وکٹر کوئی ایسی جگہ تلاش کرو، جہاں بینک کو چھپایا جاسکے۔ مین کو پہیوں کا، ٹرک کا اور اس طرح کی تمام چیزوں کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے، اس جاب پر بھاری سرمایہ کاری ہوگی۔ مالی مسئلہ.........."

"اس کی فکر نہ کرو۔ یہ میرا شعبہ ہے۔" کیلر نے کہا۔ "پھر اس نے چارلس سے پوچھا۔ "ہرمن ایکس کو بلالوں؟"

چارلس نے اثبات میں سرہلادیا۔

چند لمحے بعد وہ کامیابی کے نام پر ایک ایک جام پی رہے تھے۔

☆------☆------☆

ہرمن ایکس کے گھر میں زور دار پارٹی ہو رہی تھی وہ پارٹیاں دینے کا بہت شوقین تھا لیکن اس پارٹی میں اس کے ذہن پر ایک بوجھ تھا۔ مالی حالات خراب ہو رہے تھے اور بہتری کی کوئی صورت اب تک سامنے نہیں آئی تھی۔ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اس کی ملازمہ مسز اولسن نے آکر اسے بتایا۔ "آپ کا فون ہے مسٹر ایکس۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "خواتین و حضرات! یہ فون کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ آپ انجوائے کریں، میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل آیا۔ مسز اولسن اس کے ساتھ تھی۔

"اسٹڈی کا دروازہ بند ہے نا؟" اس نے مسز اولسن سے پوچھا۔ مسز اولسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم یہاں کے معاملات سنبھالو۔ میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ عقبی دروازے سے گھر سے نکل آیا۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مسز اولسن نے ٹائمنگ کا خاص خیال رکھا تھا۔ جیسے ہی ہرمن سڑک پر آیا، سبز فورڈ اس کے پاس آکر رک گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ فل نے کار دوڑا دی۔ سفر کے دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہرمن خاموشی سے باہر دیکھتا رہا۔ سیونتھ ایونیو پہنچ کر ۴۰ ویں سڑک پر فل نے کار روک دی۔ سامنے ہی براڈوے تھیٹر تھا۔ وہاں گزشتہ رات سے ایک نیا پروگرام شروع ہوا تھا اور اخبارات نے اسے بے حد سراہا تھا۔ چنانچہ پورے دن لوگ طویل قطاروں میں کھڑے اس کے ٹکٹ کے چکر میں لگے رہے تھے۔ پروڈیوسر کو اتنی کامیابی کی توقع نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے رقم کے سلسلے میں کوئی خاص انتظام نہیں کیا تھا۔ رقم رات بھر تھیٹر کے سیف میں رہنا تھی۔ تحریک والوں کو اپنے ایک رکن سے جو پروگرام میں شامل تھا، یہ اطلاع ملی تھی اور انہوں نے فوراً ہی اپنا پروگرام مرتب کر لیا تھا۔

بیرونی لابی میں ایک پستہ قامت گیٹ کیپر موجود تھا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس نے ان چاروں سے پوچھا۔

"تم ذرا گھوم جاؤ۔" وان نے اسے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں تمہارا بھیجا بکھیر دوں گا۔"

گیٹ کیپر کی سٹی گم ہو گئی۔ ان چاروں نے تحریک کی مخصوص نقابیں اوڑھ لی تھیں۔ گیٹ کیپر نے حکم کی تعمیل ہی میں عافیت جانی۔ "مجھے مارنا مت، میرا بٹوا لے لو..........." وہ گڑگڑایا۔

"شٹ اپ۔ ہمیں اندر لے چلو.......... آفس کی طرف۔ تم آگے آگے رہو گے اور کوئی ہوشیاری دکھائی تو.........." وان نے خوفناک لہجے میں کہا۔

یوں یہ قافلہ تھیٹر کے دفتر کی طرف روانہ ہوا۔ ہال سے موسیقی کا شور سنائی دے رہا تھا۔ آفس کے دروازے پر پہنچ کر وان نے گیٹ کیپر کو اندر دھکیلا۔ پھر وہ چاروں آفس میں گھس گئے۔ وہاں چھ افراد تھے۔ دو عورتیں اور ایک مرد نوٹ گننے میں مصروف تھے تین مسلح محافظ کھڑے ان کی کارروائی دیکھ رہے تھے لیکن انہیں اپنے ریوالور نکالنے کا موقع نہیں ملا۔

وان نے محافظوں کو کور کرکے ان کے ہاتھ اوپر اٹھوائے۔ پھر اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے دو شاپنگ بیگ نکالے۔ ہرمن اور جیک نے ان میں نوٹ بھرے۔ اس دوران ہرمن حسرت بھری نظروں سے تجوری کو دیکھتا رہا۔ وہ قفل شکن تھا اور اسے اپنے کام سے عشق تھا لیکن آج رات اس کے لئے کوئی چانس نہیں تھا۔ کیونکہ تجوری پہلے ہی کھلی ئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے تھیٹر کے ساتوں ملازمین کے ہاتھ پاؤں باندھے، ہ میں رومال ٹھونسے اور پُرسکون انداز میں باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے نقابیں چ کر اپنی اپنی جیب میں رکھ لیں۔ ٹائمنگ شاندار رہی تھی۔ ہال میں آخری نغمے کے خری بول گائے جا رہے تھے۔ اس کے بعد تھیٹر سے بے شمار لوگ نکلیں گے اور وہ ان ں گھل مل جائیں گے کوئی ان پر خصوصی توجہ نہیں دے گا۔

وہ نیچے اترے ہی تھے کہ ہال کے دروازے کھل گئے اور لوگوں کا سیلاب سا آگیا۔ وہ

اطمینان سے باہر نکلے، سڑک کراس کی اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھے۔ واپسی کے سفر میں ہرمن اپنی مالی پریشانی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اتنی تگڑی رقم میں اس کا......... بلکہ کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں تھا۔ وہ رقم تو تحریک کے کاز کے لئے تھی۔ اب وقت آگیا تھا کہ وہ اپنے لئے بھی کچھ کرے۔ کوئی غیر سیاسی واردات کئے ایک سال ہو چکا تھا اور اب تک اسی پر گزارہ ہو رہا تھا۔ وہ رقم سے بھرے ہوئے تھیلوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ تحریک سے غداری نہیں کر سکتا تھا۔

فل نے اسے عقبی گلی میں اتار دیا۔ اس نے عقبی دروازہ کھول کر اپنے گھر میں گھستے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔ وہ صرف بیس منٹ میں واپس آگیا تھا۔

"خیریت ہے؟" اس نے مسز اولسن سے پوچھا۔

"پیتے وقت کسی کو کسی کی موجودگی یا عدم موجودگی سے غرض نہیں ہوتی۔" مسز اولسن نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

نشست گاہ میں پہنچ کر اس نے مہمانوں کو فون کال کے بارے میں......... اور اپنے نئے اسائنمنٹ کے بارے میں بتایا۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ مسز اولسن پھر نمودار ہوئی۔ "آپ کا فون ہے جناب۔" ہرمن چکرا گیا۔ "کون ہے......... کس کا فون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا کوئی دوست ہے۔" مسز اولسن نے کہا۔ "نام نہیں بتایا اس نے۔"

"میں ابھی آیا۔" ہرمن نے مہمانوں سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ اسٹڈی میں آکر اس نے ریسیور اٹھایا۔ "کون بول رہا ہے؟" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہیلو ہرمن......... میں کیلر بول رہا ہوں۔"

"ہیلو کیلر......... کہاں غائب تھے تم!" ہرمن نے چہک کر کہا اسے مالی مشکلات دور ہوتی محسوس ہوئیں۔

"یہ بتاؤ، ان دنوں فرصت ہے تمہیں؟"

"ہاں......... فرصت ہی فرصت ہے۔"

"بس تو پھر کل رات ساڑھے آٹھ بجے اوجے بار میں پہنچ جاؤ۔"

☆------☆------☆

وکٹر بہتر خوش تھا۔ اب تک جو کچھ ہوا، بے حد تسلی بخش تھا۔ وہ ایک حقیقی واردات کا خاکہ بنتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بے حد سنسنی خیز تھا۔ اس وقت وہ کیلر کے ساتھ سرمائے کی تلاش میں نکلا تھا اور گزشتہ رات کی میٹنگ کے متعلق یاد کر کے آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔

"کیا بات ہے دانت بند کرو اپنے۔ ہم ایک ڈاکٹر سے ملنے جا رہے ہیں۔" کیلر نے اسے ڈپٹا۔ وہ دونوں اس وقت ایک لفٹ میں تھے۔ "اور سنو......... گفتگو صرف میں کروں گا۔"

"اوکے انکل۔"

لفٹ رکی اور وہ دونوں اتر آئے۔ "میں تمہیں خواہ مخواہ ساتھ لایا۔" کیلر نے کہا۔ "ممکن ہے ڈاکٹر تمہارے سامنے گفتگو کرنے سے انکار ہی کر دے۔"

"اس صورت میں میں باہر بیٹھ جاؤں گا۔" وکٹر نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

کیلر نے ڈاکٹر کی سیکرٹری سے بات کی۔ پانچ منٹ بعد ڈاکٹر نے بلوالیا۔ وکٹر اپنے خیالات میں گم تھا۔ یہ تو اسے علم ہی نہیں تھا کہ واردات میں سرمایہ کاری کی......... ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کیلر سے سوالات کئے۔ پتا یہ چلا کہ بعض اوقات سرمائے کا بندوبست باہر سے کرنا پڑتا ہے۔ واردات کامیاب ثابت ہو تو سرمایہ فراہم کرنے والے کو دگنی رقم ادا کرنا پڑتی ہے......... ناکام ہو تو سرمایہ فراہم کرنے والے کی قسمت!

اس سلسلے میں ڈاکٹر بہت کام آتے ہیں، کیلر نے بتایا تھا۔ وہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنے پاس کیش رکھتے ہیں۔ وہ بے چارے ریٹائرمنٹ کے بعد کے لئے پائی پائی جوڑتے ہیں اور سینت سینت کے رکھتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ انکم ٹیکس کے ڈر سے باضابطہ سرمایہ کاری کر نہیں سکتے۔ رقم رکھے بیٹھے رہیں تو قدرِ زر کم ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح کی بے ضابطہ سرمایہ کاری میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"ڈاکٹر رابرٹ! یہ میرا بھتیجا ہے......... وکٹر!" کیلر نے تعارف کرایا۔

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے بے مہری سے کہا۔ "میرا خیال ہے، میں اب کسی ایسے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"تمہاری مرضی۔" کیلر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ویسے یہ منصوبہ بے داغ ہے۔ کامیابی کا امکان نوے فیصد ہے۔"

"اور اگر تم پکڑے گئے تو؟"

"ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ پکڑے نہ جائیں۔"

"لیکن پکڑے جانے کی صورت میں مجھے باہر ہی رکھنا۔ کتنی رقم چاہیے؟"

"چار ہزار ڈالر۔"

"لمبی رقم ہے۔" ڈاکٹر نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"آٹھ ہزار ڈالر واپس ملیں گے۔"

"بہ شرط کامیابی۔"

"کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ ہمارا منصوبہ........"

"بس۔" ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں منصوبے کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتا۔ میں خواہ مخواہ شریکِ جرم کیوں بنوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ اس نے سیف کھولا اور چار ہزار ڈالر گن کر کیلر کی طرف بڑھا دیئے۔

☆======☆======☆

چارلس کو حیرت تھی کہ میگی واردات میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ اس سے منصوبے کے بارے میں پوچھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ چارلس نے کبھی جائز ذرائع سے کچھ نہیں کمایا لیکن اس سے پہلے اس نے کبھی اس کی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ چارلس اس غیر معمولی تبدیلی سے خوش بھی تھا۔ بیوی کا ہم مزاج ہونا بہت بڑی نعمت ہوتا ہے ایسا لگتا تھا کہ اب ان دونوں کے درمیان صحیح معنوں میں ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔

وہ اوجے بار کی طرف بڑھتا ہوا میگی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اچانک ایک موٹا شخص اس کے سامنے آگیا۔ "فرمایئے۔" چارلس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایک سروے کر رہا ہوں۔" موٹے شخص نے کہا۔ وہ مسکرانے کی ناکام کوشش

کر رہا تھا۔ چارلس چہرے کے اس تاثر کو فلموں میں بارہا دیکھ چکا تھا۔ "دیکھیں، آپ ایک شہری ہیں اور آدھی رات کو ایک سڑک سے گزر رہے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی شخص آپ کو لوٹنے کی کوشش کرے تو آپ کا کیا رد عمل ہو گا؟"

چارلس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں سر توڑ دوں گا۔"

موٹے نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے ہونٹوں کی ناکام مسکراہٹ بھی ہوا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ "اور اگر وہ........ اگر وہ........ خیر چھوڑیں۔ بھول جائیں کہ میں نے کچھ پوچھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" چارلس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ موٹا کیا پوچھنا چاہتا تھا۔ اگر پوچھتا تو وہ اسے کیا جواب دیتا۔ وہ کہتا کہ مسلح ہونے کی صورت میں وہ اسے اس کے اپنے ہتھیار سے ٹھکانے لگا دیتا۔ اسے موٹے پر ترس آنے لگا۔ واردات کرنا بھی چاہتا تھا اور ہمت بھی نہیں تھی۔ بے چارہ........ ایسے میں وہ صرف سروے ہی کر سکتا تھا۔

وہ اوجے بار میں داخل ہوا اور رولو کی طرف بڑھا۔ "ایک مہمان آچکا ہے۔" رولو نے اسے بتایا۔ اس نے بوربن کی بوتل اور جام لیا اور عقبی کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیا حال ہے؟" میسن نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"آج میں وقت سے پہلے آگیا۔ میں نے دوسرا روٹ استعمال کیا تھا۔" میسن نے کہا اور دوسرے روٹ کی تفصیل بتانے بیٹھ گیا۔ چارلس سنتا رہا اور بور ہوتا رہا۔

پھر کیلر اور وکٹر آگئے۔ چھوٹا سا کمرا بے حد بھرا بھرا لگنے لگا۔ چالس نے وکٹر کو دیکھ کر منہ بنایا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وکٹر لحہ بہ لحہ اس جاب کا حصہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یہ بات ناپسند تھی لیکن وکٹر کی موجودگی پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی مسخرا کسی گینگسٹر کو اتنے والہانہ انداز میں مسلسل مسکرا کر دیکھتا رہے تو گینگسٹر بینک کیا خاک چرائے گا۔

"ہرمن ابھی نہیں آیا۔" کیلر نے کہا۔

"تم نے بات کی تھی اس سے؟" چارلس نے پوچھا۔

"ہاں' وہ آجائے گا۔"

چارلس پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ اس کے ذہن پر سوگواری سی مسلط تھی۔ کیلر ٹھیک ٹھاک آدمی تھا.......... لیکن وہ اپنے گرد عجیب نمونے قسم کے آدمی جمع رکھتا تھا۔ وکٹر کی مثال سامنے تھی اور اب کیلر' ہرمن ایکس نامی قفل شکن کو لانے والا تھا۔ کیا پتا.......... اسے تالے توڑنے کا سرے سے تجربہ ہی نہ ہو اور اگر وہ بھی وکٹر کی طرح مسکرانے والا نکلا تو.......... اس نے بری طرح سر جھٹکا۔ ایک کام کے لئے ایک ہی آدمی کافی ہے۔

"سرمایہ مل گیا ہے۔" کیلر نے اعلان کیا۔ وہ چارلس کے برابر بیٹھا تھا۔ وکٹر نے دانستہ چارلس کے عین سامنے والی کرسی پکڑی تھی۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

"پورے چار ہزار ڈالر!" چارلس نے استفسار کیا۔

"ہاں.......... پورے چار ہزار۔"

"آج میں بھی پیوں گا۔" وکٹر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

چارلس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور انگلیوں کی جھریوں میں سے وکٹر کو دیکھا۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ وکٹر مسکرا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے انگلیاں بھینچ کر جھریاں بند کر دیں۔ گویا کھڑکیوں پر پردے گرا دیئے۔ اچانک رولو نے کمرے میں جھانکا۔

"ایک سیاہ فام آیا ہے۔ کیلر کو پوچھ رہا ہے۔" اس نے بتایا۔

"اسے بھیج دو۔" کیلر نے رولو سے کہا۔ پھر چارلس سے بولا۔ "ہرمن ایکس ہے۔"

چند لمحے بعد ہرمن ایکس کمرے میں داخل ہوا۔ کیلر نے اسے سب سے متعارف کرایا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر چارلس نے ہرمن سے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ میں تم سے ناواقف ہوں۔"

"میرا خیال ہے' ہمارے تعلقات کا دائرہ مختلف ہے۔" ہرمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے تجربے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ تمہیں تجربہ یقیناً ہوگا۔" چارلس کے لہجے میں تشویش تھی۔

ہرمن کی مسکراہٹ اور کشادہ ہو گئی۔ "ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہم اتنے گواہوں کی موجودگی میں اپنے تجربات کے کوائف بیان نہیں کر سکتے۔" اس نے حاضرین کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسی بات نہیں ہرمن۔ یہاں سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" کیلر نے جلدی سے کہا۔ پھر چارلس سے بولا۔ "تم بے فکر ہو۔ ہرمن اپنے فن میں طاق ہے۔"

چارلس بدمزگی سے اسے دیکھتا رہا۔

ہرمن نے ان سبھوں کو دیکھا اور بولا۔ "رات میں براڈوے تھیٹر کے ڈاکے میں شریک تھا۔"

"اوہ' تو وہ تم تھے۔ میں نے صبح اخبار میں پڑھا تھا۔ اس کے بارے میں۔" کیلر نے کہا۔

وہ خبر چارلس نے بھی پڑھی تھی۔ "تو تم نے وہاں کس قسم کے قفل کھولے؟" اس نے ہرمن سے پوچھا۔

"نہیں.......... اس جاب میں مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ ایف بی آئی والے تحقیقات کر رہے ہیں۔" ہرمن نے برسبیل تذکرہ کیا۔

"آہ.......... ایف بی آئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں نے وہاں ایکس ماہ کام کیا ہے۔" وکٹر نے دردناک لہجے میں کہا۔

ہرمن اچھل کھڑا ہوا۔ اس کی کرسی الٹ گئی۔ "کک.......... کیا.......... یہاں کیا ہو رہا ہے؟ میرے لئے جال بچھایا گیا ہے کیا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" کیلر نے اسے دلاسا دیا۔

لیکن ہرمن بدستور شک آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

"یہ میرا بھتیجا وکٹر ہے۔" کیلر نے وضاحت کی۔ "ایف بی آئی میں رہ چکا ہے لیکن بالآخر انہوں نے اسے نکال دیا۔"

"خیر.......... نکالا تو نہیں۔" وکٹر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "اسے ایک طرح کا سمجھوتا کہا جا سکتا ہے۔"

"سمجھوتے کا مطلب؟" ہرمن پھر بھڑک گیا۔

کیلر نے بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا۔ اس دوران وہ وکٹر کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ وکٹر خاموشی سے اپنے جام کو گھورتا رہا۔

چارلس نے زندگی میں تحمل سے کام لینا بڑی مشکل سے سیکھا تھا اور اس کی بھاری قیمت ادا کی تھی۔ چنانچہ اس نے ان کی گفتگو میں دخل نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ذرا ہی دیر میں وہ سب ایک دوسرے کو تھکا ماریں گے۔ وہ تحمل کی ڈور مضبوطی سے تھامے بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد کشیدگی کے بادل چھٹ گئے۔ سب مسکرانے لگے۔ تب چارلس نے زبان کھولی۔ ”ہمیں ایک قفل شکن کی ضرورت تھی۔“

”اور میں قفل شکن ہوں۔“ ہرمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”گزشتہ رات کی واردات‘ میں میں محض ایک ساتھی کی حیثیت سے شریک تھا۔ تاہم میں قفل توڑتا رہا ہوں۔ اب میرا تجربہ سن لو۔ مسٹرا ایونیو کی سپرمارکیٹ میں واردات صرف تین ہفتے پرانی ہے۔ اس سے دو ہفتے پہلے لینوکس ایونیو پر ٹینڈر لون کمپنی کی تجوری پر اس ناچیز ہی نے ہاتھ صاف کیا تھا۔ اس سے دو دن پہلے ۵ نومبر بار کی تجوری میری زد میں آئی تھی۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے اٹلانٹک سٹی میں بالمی بریز ہوٹل کا سیف اور اس سے تین دن پہلے جیروم ایونیو پر واقع کیش ایجنسی............“

”تب تو تمہیں کام کی ضرورت نہیں ہے۔“ کیلر نے بے حد مرعوب ہو کر کہا۔ ”وہ تو تم پہلے ہی بہت مصروف ہو۔“

”اور امیر بھی ہو۔“ میسن نے ٹکرا لگایا۔

ہرمن سر جھٹکتے ہوئے مسکرایا۔ ”حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مجھے کام اور رقم دونوں کی شدید ضرورت ہے۔ میں قلاش ہو گیا ہوں۔“

”کمال ہے۔ تم نے اتنی ساری دولت اتنی جلدی ختم کر دی!“ کیلر بولا۔

لیکن وکٹر بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ ”اوہ............ تو تم اپنی تحریک کی مالی مدد کر رہے ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں‘ یہی بات ہے۔“ ہرمن نے کہا اور پھر تفصیلی وضاحت کی۔

”تم نے آزادانہ طور پر آخری واردات کب کی تھی؟“ چارلس نے ہرمن سے

پوچھا۔

”ایک سال پہلے سینٹ لوئیس میں ایک بینک لوٹا تھا۔“

”تمہارے ساتھی کون تھے؟“

”اسٹین اور مورٹ۔ کوبلر ڈرائیور تھا۔“

”میں کوبلر کو جانتا ہوں۔“ کیلر نے اعلان کیا۔

چارلس بھی کوبلر کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ ”آل رائٹ۔“

”میں تم لوگوں کے تجربات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ میرے لئے صرف کیلر کی بات ہی کافی ہے۔ البتہ مجھے کام کے بارے میں ضرور بتاؤ۔“

چارلس نے ایک طویل سانس لی۔ یہ وہ لمحہ تھا جس سے وہ خوف زدہ تھا۔ ”ہمیں ایک بینک چرانا ہے۔“ اس نے کہا۔

”تمہارا مطلب ہے بینک میں چوری کرنی ہے۔“ ہرمن کے لہجے میں الجھن تھی۔

”نہیں‘ بینک چرانا ہے۔“ چارلس نے کہا اور پھر کیلر سے مخاطب ہوا۔ ”تفصیل تمہی بتاؤ۔“

کیلر تفصیل بتانے لگا۔ ابتدا میں تو ہرمن مسکراتا رہا۔ وہ منتظر تھا کہ اب منصوبے کا کوئی جان دار پہلو سامنے آئے گا لیکن پھر اس کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ اس نے یوں گھبرا کر چاروں طرف دیکھا جیسے پاگلوں میں آپھنسا ہو۔ آخر میں اس نے کہا۔ ”گویا وقت کا کوئی مسئلہ نہیں میرے پاس سیف کھولنے کے لئے لامتناہی وقت ہے اور میں دن میں بھی کام کر سکتا ہوں۔“ کیلر نے اثبات میں سرہلادیا۔

”مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بینک کو چھپانے کے لئے جگہ نہیں ہے۔“ چارلس نے کہا۔ ”اور ابھی ٹرالر کے لئے پہیے بھی حاصل کرنے ہیں۔“

”میں پہیوں کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں لیکن مجھے مدد کی ضرورت ہے۔“ میسن نے کہا۔

ہرمن جیسے جیسے سوچتا گیا اس کی باچھیں کھلتی گئیں۔ ”گڈ............ گویا ہم ایک بینک کو آزادی دلانے والے ہیں۔“ اس نے تحریک کی زبان میں کہا۔

”نہیں‘ ہم ایک بینک پر قابض ہونے والے ہیں۔“ کیلر نے اپنے جرمن ہونے کا

ثبوت دیا۔

"ایک ہی بات ہے۔" ہرمن نے سہلاتے ہوئے کہا۔ "یقین کرو' ایک ہی بات ہے۔"

☆------☆------☆

مسز مَرچ پوز دے رہی تھی اور میگی تصویریں کھینچنے میں مصروف تھی۔ راہگیر بھی انہیں ڈسٹرب کرنے سے بچ رہے تھے۔ بعض تو راستہ تک بدل لیتے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ کھسکتے کھسکتے عارضی بینک تک پہنچ گئیں۔ اب انہیں اصل تصویر کھینچنا تھی۔

☆------☆------☆

چارلس اور کیلر نارنجی ڈاٹسن میں لانگ آئی لینڈ کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ انداز ایسا تھا' جیسے ان کا کوئی پالتو پرندہ کھو گیا ہو۔ "اوہ.......... یہ تو اناج گودام معلوم ہوتا ہے۔ خالی ہے کیا؟" کیلر نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا۔" چارلس نے چڑ کر کہا۔

"چلو' دیکھتے ہیں۔"

اب تک وہ سات اناج گودام دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے ایک متروک ایئر فیلڈ بھی دیکھا تھا۔ جو کسی زمانے میں فلائنگ اسکول رہا ہوگا لیکن اب ایئر فیلڈ پر ہپیوں کا قبضہ تھا۔ وہ وہاں کار روک کر اترے ہی تھے کہ ہپیوں نے جو انہیں شیرف اور ڈپٹی شیرف سمجھے تھے' بے دخلی کے خلاف مظاہر شروع کردیا تھا۔ اس سے پہلے کہ مظاہرے میں تشدد کا عنصر شامل ہوتا' وہ دونوں کار میں بیٹھ کر بھاگ نکلے کہ عافیت اسی میں تھی۔

یہ ان کی تلاش کا تیسرا دن تھا اور ہر دن نتائج کے اعتبار سے ایک سا تھا۔ صرف کار مختلف تھی کیونکہ چوری کی کار دوسرے دن استعمال کرنا بھی مخدوش ہوتا ہے۔

☆------☆------☆

وکٹر سیاہ پیکارڈ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہرمن اس کے برابر بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں مضافاتی علاقے کو کھنگال رہی تھیں۔ "کمال ہے' ٹرالر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی کیا؟" ہرمن بڑبڑایا۔

وکٹر اس بے سود تلاش سے بیزار ہو چکا تھا۔ اس سے بہتر تو ایف بی آئی تھی۔ ایف

بی آئی کا خیال آتے ہی اسے اپنی تربیت یاد آگئی۔ "مسٹر ایکس.......... آپ اخبار تو پڑھتے ہوں گے؟" اس نے عادتاً پوچھا۔

☆------☆------☆

چارلس تھکے تھکے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہوگیا اور ٹی وی کے خالی اسکرین کو گھورنے لگا۔

"کیا رہا؟" میگی نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ان تین دنوں میں انسائیکلو پیڈیا کے ذریعے میں کم از کم سو ڈالر کما سکتا تھا۔" چارلس نے آہ بھر کر کہا۔

میں تمہارے لئے بیئر لاتی ہوں۔" میگی نے کہا۔

☆------☆------☆

مسز مَرچ نے تصویروں کو بدمزگی سے دیکھا اور بولی۔ "زندگی میں مَیں کبھی اتنی بے وقوف نظر نہیں آئی۔"

"ان تصویروں میں اہمیت آپ کی نہیں ممی۔" میسن نے اسے سمجھایا۔

مسز مَرچ نے اس تصویر پر انگلی رکھ دی جس میں اس کا سرندارد تھا۔ "یہ سب سے اچھی تصویر ہے۔" اس نے کہا۔ "کم از کم کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میں ہوں۔"

میسن اس وقت پیمائش کے مرحلے میں تھا۔ تینوں تصویریں اس کے سامنے تھیں۔ ممی کے لباس کی پٹیوں کی چوڑائی اور تسموں کے سوراخوں کا درمیانی فاصلہ پیمانے کا کام دے رہا تھا۔ اس نے تینوں تصویروں سے حاصل کردہ نتائج ایک کاغذ پر لکھے اور بولا۔ "ٹرالر کی اونچائی اڑتیس انچ ہے۔"

"تو اب میں یہ تصویریں جلا دوں؟" اس کی ممی نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' ضرور جلا دیں۔"

مسز مَرچ نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹ لیں۔ وہ بے حد خوش نظر آرہی تھی۔

☆------☆------☆

متروک عمارات کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے ہرمن نے اچانک کہا۔ "ہم غلامی کی تین صدیوں سے نبرد آزما ہیں۔"

وکٹر نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے سیاست سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"لیکن تم ایف بی آئی میں تھے۔"

"ہاں...... لیکن صرف ایڈونچر کی خاطر۔"

ہرمن نے اسے غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کو اس کی نگاہوں سے الجھن جھلکی پھر وہ مسکرادیا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"اور میرے نزدیک ایڈونچر کے معنی تھے ایف بی آئی۔ سمجھ رہے ہونا؟"

"خوب' سمجھ رہا ہوں۔ جیسے میرے نزدیک ایڈونچر کے معنی ہیں تحریک۔"

☆------☆------☆

میسن نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ "منصوبہ اتنا اچھا تو معلوم نہیں ہوتا کہ کامیابی یقینی ہو۔"

"تمہیں متروک عمارات تلاش کرنا ہیں۔" اس کی ماں نے اسے یاد دلایا اور خود متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ "یہ ٹنگ ٹنگ کی آواز کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید قریب ہی کوئی چرچ ہے۔"

"تو تلاش کرو چرچ ہے کہاں؟"

میسن نے چرچ کے سامنے گاڑی روک دی۔ چرچ کی عمارت بے حد خستہ حال تھی۔ وہ دونوں کار سے اترے اور چرچ کی نیم تاریک عمارت میں داخل ہوگئے۔ شروع میں تو انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ پھر انھوں نے ایک پادری کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ "کہو میرے بچو...... مَیں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟" اس نے شفقت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میسن نے کہا اور پلٹ گیا۔

"ہم یہ دیکھنے آئے تھے کہ یہ جگہ متروک تو نہیں۔" مسز مَرچ نے وضاحت کی۔

"متروک ہی ہے۔" پادری نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "متروک ہی تو ہے۔"

"متروک تو آپ ہیں فادر۔ چرچ متروک ہوتا تو ہمارا بھلا ہوجاتا۔" مسز مَرچ نے

بے حد احترام سے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ گئی۔

☆------☆------☆

"مس! میں یہاں اکاؤنٹ کھولنا چاہتا ہوں۔" کیلر نے عارضی بینک کی کلرک سے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" لڑکی نے کہا۔ "ابھی متعلقہ افسر آکر آپ سے بات کرے گا۔"

"شکریہ۔" کیلر نے بیٹھتے ہوئے کہا اور بینک کے اندرونی حصے کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔ تجوری آخری سرے پر تھی اور اتنی غیر مئوثر نہیں لگ رہی تھی جتنا کہ وکٹر نے بیان کیا تھا۔ چوڑائی میں وہ تقریباً ٹرالر کے برابر تھی۔ اس وقت اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازہ بہت موٹی چادر کے برابر تھا۔ بینک کو سینے تک بلند کاؤنٹر کے ذریعے کسٹمرز سے جدا کردیا گیا تھا۔ اس کاؤنٹر میں کہیں کہیں دروازے تھے۔ پارٹیشن حرف "سی" کی شکل کا تھا۔ نیم دائروں کی جگہ خط مستقیم تھا۔ کسٹمرز سیکشن میں کلرک لڑکی کے علاوہ ایک بوڑھا گارڈ بیٹھا تھا۔

کیلر نے پورا نقشہ ذہن نشین کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں پھر کسی وقت آؤں گا۔" اس نے کلرک لڑکی سے کہا۔ لڑکی نے اثبات میں سرہلادیا۔

☆------☆------☆

"کمال ہے۔ باہر سے تو یہ کوئی عام سا گیراج معلوم ہوتا ہے۔" ہرمن نے وکٹر کا کمرا دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"مجھے اس تبصرے پر خوشی ہوئی۔" وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ میری کامیابی کا ثبوت ہے۔"

☆------☆------☆

چارلس بیڈ روم سے نکلا تو سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔ سر پر سیاہ ٹوپی بھی تھی۔ میگی نشست گاہ میں بیٹھی پردوں کی ترپائی کررہی تھی۔ "کہیں جارہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جلد ہی آجاؤں گا۔" چارلس نے کہا۔

☆------☆------☆

وہ جمعے کی شام تھی۔ ریلوے اسٹیشن کے پارکنگ لاٹ میں بے شمار کاریں موجود تھیں۔ وکٹر اور ہرمن وکٹر کی پیکارڈ میں آئے۔ کار پارک کر کے وہ ویٹنگ روم میں چلے آئے۔ وہ اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔ پھر ہیڈ لائٹس نظر آتے ہی وہ باہر نکل آئے۔ اس بار آنے والے میسن اور چارلس تھے۔ میسن نے گاڑی پارک کی........... اور پھر وہ دونوں ان سے آملے۔

"کیلر نہیں آیا ابھی؟" چارلس نے پوچھا۔

"کہیں کسی مشکل میں تو نہیں پھنس گئے انکل!" وکٹر نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"لو........... وہ آگیا۔" ہرمن نے کہا۔

"کاش، کوئی ڈھنگ کی چیز لایا ہو میرے لئے۔" میسن نے آہ بھر کر کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کیلر نے ٹرک پارک کر دیا۔ ڈاج ٹرک خاصا بڑا تھا۔ باکس پندرہ فٹ لمبا تھا۔ اس کے اطراف میں پینٹ سے کمپنی کا نام لکھا گیا تھا........... لارٹن پیپر ملز۔ اس کے عقبی دروازوں پر دو شہروں کے نام لکھے گئے تھے۔ ٹورنٹو، انٹاریو، نمبر پلیٹ نیویارک کی تھی۔

کیلر انجن اسٹارٹ چھوڑ کر نیچے اترا۔ اتنے میں وہ چاروں تک پہنچ چکے تھے۔ "اس ٹرک پر تمہارے التفات کی کوئی خاص وجہ؟" میسن نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خالی تھا۔ ہم بوجھ اتارنے سے بچ گئے۔" کیلر نے جواب دیا۔

میسن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ "بہرحال........... کام چل جائے گا۔"

"کہو تو کوئی دوسرا لے آؤں۔" کیلر نے پیشکش کی۔

"نہیں بھئی۔ میں نے کہا نا، کام چل جائے گا۔"

"اب چل دو۔" چارلس نے کہا۔ کیلر، وکٹر، ہرمن اور چارلس باکس کھول کر اس میں جا بیٹھے۔ میسن نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ باکس کے اندر سیاہ پینٹ کیا گیا تھا۔ وہ سب ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھے، کیونکہ نظر کچھ نہیں آرہا تھا۔ اتنی دیر میں میسن نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر چارلس نے اپنی ناک مروڑی اور لمبے لمبے سانس لئے۔

"کوئی پیتا رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ "بو آرہی ہے۔ اس کا مطلب ہے، کسی نے پی ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"بو تو مجھے بھی آرہی ہے۔" کیلر بولا۔ اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ چارلس کے مقابل بیٹھا ہے۔

"اوہ........... تو یہ میٹھی میٹھی بو شراب کی ہے؟" وکٹر نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"وہسکی معلوم ہوتی ہے۔" ہرمن نے تبصرہ کیا۔ "لیکن اسکاچ نہیں ہے۔"

"بوربن بھی نہیں ہے۔" کیلر نے فیصلہ سنایا۔

"سوال یہ ہے کہ کس نے پی ہے۔" چارلس نے سخت لہجے میں کہا۔ "جاب کے دوران پینے کے سخت خلاف ہوں میں۔"

اب تردید کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر شخص منکر تھا کہ اس نے نہیں پی ہے۔ "میں تو خیر پیتا ہی نہیں ہوں۔" وکٹر نے کہا۔

"لیکن ہم میں سے کوئی ایک پیتا رہا ہے۔ یہ بات طے ہے۔" چارلس نے اصرار کیا۔

"تو اب تم منہ چیک کرو گے؟" ہرمن نے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بو ویسے ہی آرہی ہے۔" چارلس بولا۔

"واقعی پورے باکس میں رچی ہوئی ہے بو۔" کیلر نے تائید کی۔

"ایک منٹ........... ایک منٹ........... میں سمجھ گیا۔" ہرمن نے کہا۔ آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کھڑا ہوا ہے اور ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھ رہا ہے۔ نظر کسی کو کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر ٹکرانے کی آواز کے ساتھ ہرمن کی کراہ سنائی دی۔ اس کے فوراً بعد وکٹر کی ہلکی سی چیخ اور ہرمن کا سوری، پھر دھاتی آواز........... اور ہرمن نے نعرہ لگایا۔ "ہاں، اب سمجھے کیا چکر ہے؟"

"نہیں۔" چارلس نے جواب دیا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ جس نے پی ہے، اعتراف بھی نہیں کر رہا ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ ہرمن ہی نے پی ہے اور اب انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

"کینیڈا کی ہے۔" ہرمن نے چہک کر کہا۔

کیلر نے گہرا سانس لیا اور بولا۔ "خدا کی قسم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ کینیڈا کی وہسکی ہے۔"

"یہاں ایک چور دیوار ہے۔" ہرمن نے اعلان کیا۔ "دیوار کے پیچھے بوتلیں ہی بوتلیں ہیں اور میرا خیال ہے' ایک بوتل ٹوٹ گئی ہے۔ یہ یقیناً اسمگلروں کا ٹرک ہے۔"

"کیا؟ اسمگلروں کا ٹرک۔ لعنت ہو!" چارلس نے چیخ کر کہا۔

"واہ ہرمن تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" وکٹر نے ستائشی لہجے میں کہا۔ اس کا انداز ایف بی آئی کے کسی ایجنٹ سا تھا۔ "انکل.......... یہ ٹرک تمہیں کہاں سے ملا؟" اس نے کیلر سے پوچھا۔

"وکٹر!" کیلر نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب تم ایف بی آئی میں نہیں ہو۔"

"واہ' میں نے تو چور دیوار کا کھٹکا ڈھونڈ لیا۔" ہرمن کی آواز سنائی دی.......... پھر کھٹکا اور کچھ گرنے کی آواز پھر ہرمن نے ماچس کی تیلی جلائی۔ تب ان سبھوں کو ہرمن نظر آیا۔ وہ ایک پارٹیشن پر جھکا ہوا تھا۔ "سگریٹ کے بے شمار کارٹن بھی ہیں۔" اس نے اعلان کیا۔ "ورجینیا سلمز۔"

"یہ تو میرا برانڈ ہے۔ مزے آگئے۔" چارلس نے خوش ہو کر کہا۔

"اُف' انگلی جل گئی میری۔" ہرمن چیخا۔ تیلی بجھ گئی۔

"بس اب چین سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارے یہ ہاتھ بہت اہم ہیں ہمارے لئے۔" چارلس نے کہا۔

ہرمن بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر ہرمن نے فریاد کی۔ "بدبو' سخت بدبو ہے یہاں۔"

"میری قسمت ہی خراب ہے۔" کیلر نے دردناک لہجے میں کہا۔ "میں نے یہ سوچ کر پیپر کمپنی کا ٹرک چرایا تھا کہ یہ صاف ستھرا ہوگا۔ میرا دماغ پھٹا جارہا ہے۔"

"مجھے قے ہونے والی ہے۔" وکٹر نے اعلان کیا۔ اس اعلان نے سب کی گرہیں کھول دیں۔ سب کا جی متلانے لگا۔ "گاڑی رکوائیں۔" چارلس نے سانس روک کر کہا۔

"اب تو کسی سے ہلا بھی نہیں جائے گا۔" ہرمن نے کہا۔ چارلس دل ہی دل میں

اس کی تائید کر کے رہ گیا۔ میسن کو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ سکون سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اب اسے سامنے ہی بورڈ نظر آرہا تھا۔ لیفرٹی موبائل ہومز.......... نئے پرانے اور ری کنڈیشنڈ' مرمت کا انتظام بھی ہے۔ اس نے دروازے کے سامنے ٹرک روک دیا۔ پھر وہ اترا' پیچھے آیا اور عقبی دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی بھونچال آگیا۔ اس کے تمام ساتھی کمان سے نکلے ہوئے تیروں کی طرح نکلے اور مختلف سمتوں میں لپکے۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ اس نے باکس کے اندر جھانکا' لیکن اتنی تاریکی میں نظر کیا آتا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی ساتھی بھی نظر نہیں آرہا تھا جس سے وہ کچھ پوچھتا۔ اس نے جا کر گلوز کمپارٹمنٹ سے ٹارچ نکالی اور پھر عقبی حصے کی طرف آیا۔ اس دوران چارلس لڑکھڑاتا ہوا آتا نظر آیا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" میسن نے پوچھا۔ "میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ ہتھیار ڈال رہا ہوں۔"

"میں بھی ہتھیار ڈال رہا ہوں۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔ "آئندہ کیلر کے ساتھ کسی کام میں پھنسوں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔"

اس دوران دوسرے ساتھی بھی حلق اور معدے کی ورزش سے فارغ ہو کر واپس آچکے تھے۔ ہر شخص کی ناک میں سوزش ہو رہی تھی۔

"خدا کی پناہ! تم ٹرک چرانے گئے اور کیسا ٹرک چرا کر لائے۔" ہرمن نے کہا۔

"میں کیا کرتا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔ "خود پڑھ لو' ٹرک پر کیا لکھا ہے۔"

"میں نہیں پڑھوں گا۔" ہرمن نے دانت پیس کر کہا۔ "میں اس ٹرک پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں آئندہ کبھی اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"پڑھ کر دیکھو۔" کیلر مصر تھا۔ وہ باکس کے پہلو کی طرف بڑھا اور حروف تھپتھپاتے ہوئے چیخا۔ "یہ لکھا ہے.......... پیپر سمجھے.......... پیپر۔"

"تم تو اردگرد کی تمام بستیوں کو جگا دو گے۔" ہرمن نے کہا۔

"یہ پیپر لکھا ہے.......... سمجھے۔" کیلر نے سرگوشی میں کہا۔

میسن نے چارلس کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے' مجھے آخر تک پتا نہیں چلے گا کہ

چکر کیا ہے۔"

"کل پوچھنا۔" چارلس نے جواب دیا۔

وکٹر سب سے آخر میں آیا اور ناک سکتے ہوئے بولا۔ "توبہ توبہ' آنسو گیس سے بدتر چیز ہے۔" چارلس کو یہ دیکھ کر خوشی اور سکون ہوا کہ وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔

مین نے ٹارچ کی روشنی میں باکس کا جائزہ لیا۔ پھر سر جھٹک کر بولا۔ "مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔" پھر اس نے جا کر ڈرائیونگ سیٹ سے اپنا سیاہ تھیلا نکالا۔ کیلر اپنے شاپنگ بیگ نکال لایا۔ وہ جنگلے کی طرف پہنچ گئے کیلر نے اپنے بیگ سے گوشت کے پارچے نکالے ور ایک ایک کر کے جنگلے کے پار اچھال دیئے۔ چند ہی لمحے بعد رکھوالی کے کتے نمودار ہوئے اور گوشت پر جھپٹے۔ وہ چار کتے تھے۔ ہر ایک کے حصے میں دو دو پارچے آئے۔

ہرمن اپنا بیگ اٹھا کر گیٹ کی طرف چل دیا۔ گیٹ میں کئی مختلف قسم کے تالے لگے ہوئے تھے۔ ہرمن نے اپنا بیگ کھول کر اوزار نکالے اور مصروف ہوگیا۔ فضا میں اوزاروں کی کھنک کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ اس آپریشن کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ لیفرٹی والوں کو چوری کا پتا ہی نہ چل سکے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ تالے توڑے نہ جائیں بلکہ اس طرح کھولا جائے کہ دوبارہ بند بھی ہوسکیں۔

ہرمن کام کرتا رہا۔ وکٹر' کیلر اور چارلس زمین پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لیتے رہے۔ چند لمحوں بعد ان کی رنگت بحال ہوگئی' جو الٹیوں کی وجہ سے اڑ گئی تھی۔ وہ علاقہ سنسان تھا۔ ایک میل دور تین اطراف میں رہائشی مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا تھا لیکن ابھی تک آبادی نہیں ہوئی تھی۔

"آل رائٹ۔" ہرمن نے اعلان کیا۔

چارلس نے اس کی طرف دیکھا۔ گیٹ کھل گیا تھا۔ ہرمن اپنے اوزار دوبارہ بیگ میں رکھ رہا تھا۔

چند لمحے بعد وہ سب گیٹ سے داخل ہوگئے۔ مین نے کتوں کی گنتی میں غلطی نہیں کی تھی۔ چاروں کتے گہری نیند سو رہے تھے۔ پانچواں ہوتا تو یقیناً بھونکتا' لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ اندر پہنچ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ کسی اجڑے ہوئے شہر میں آگئے ہیں۔ جگہ جگہ

بڑے بڑے ٹرالر کھڑے تھے۔ موبائل ہومز۔ ایک طرف پرزوں کا انبار لگا تھا۔ وہاں بڑے بڑے آہنی ڈھانچے بھی تھے۔ کھمبوں پر آویزاں فلیش لائٹس کی روشنی ناکافی تھی مگراتنی ضرور تھی کہ انہیں راستہ تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ ویسے بھی چارلس' مین کے ساتھ گزشتہ شام' یہاں آچکا تھا۔ سیکنڈ ہینڈ موبائل ہوم کے خریدار کی حیثیت سے انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے مطلب کی چیز کہاں رکھی ہے۔

چارلس نے انڈر کیرج کی پیائش کی اور مطمئن ہوگیا۔ تاہم وہ بھاری تھا۔ وہ اسے پکڑ دا کر باہر لے آئے۔ باہر آتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ گئے۔ انڈر کیرج کو ٹرک میں رکھوانے کے بعد چارلس نے مین سے کہا۔ "میں آگے بیٹھوں گا۔"

"میں بھی۔" ہرمن نے مستعدی سے کہا۔

"ہم سب آگے بیٹھیں گے۔" کیلر نے نہایت حلیمی سے کہا۔ وکٹر نے بڑی شدت سے سر کو تائیدی جنبش دی۔

مین نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "پانچ آدمیوں کی گنجائش تو نہیں ہوگی۔"

"ہوجائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم سمٹ کر بیٹھ جائیں گے۔"

"تھوڑی سی تکلیف ہی سہی۔" وہ سب اپنی اپنی ہانکنے لگے۔

"لیکن یہ خلافِ قانون ہے۔" مین نے انہیں یاد دلایا۔ "دو آدمیوں سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے۔ چالان بھی ہوسکتا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" چارلس نے کہا اور اگلے حصے میں گھس گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وکٹر' ہرمن اور کیلر بھی گھس آئے۔ وہ اس وقت کالج کے شریر طالب علم معلوم ہو رہے تھے' مین نے تعجب سے سر ہلایا لیکن کوئی تبصرہ کئے بغیر ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔ گیئر لگانے میں دشواری ہو رہی تھی۔ گیئر کے لیور کی جگہ چھ سات گھٹنے موجود تھے۔ "اب میں چوتھا گیئر کیسے لگاؤں گا؟" اس نے فریاد کی۔

"مجھے بتادو' میں لگادوں گا۔" ان چاروں نے بیک آواز کہا۔

جیسے تیسے ٹرک چل پڑا۔ خوش قسمتی سے ٹریفک زیادہ نہیں تھا اور ٹریفک پولیس سے بھی واسطہ نہیں پڑا لیکن جب بھی ٹرک اچھلتا' چار چیخیں سنائی دیتیں۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تم لوگوں نے عقبی حصے میں کھل کر بیٹھنے پر یہاں پھنس کر بیٹھنے کو کیوں ترجیح

دی ہے۔" راستے میں مین نے کہا مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ٹرک کو پروگرام کے مطابق متروک کمپیوٹر پلانٹ کے سامنے روک دیا گیا۔ چاروں ساتھیوں نے انڈر کیرج کو ٹرک سے اتار کر اندر پہنچایا۔ وہ واپس آئے تو مین ٹارچ کی روشنی میں ٹرک کے باکس کو ٹٹولتا پھر رہا تھا۔

"ہم فارغ ہو گئے۔" چارلس نے اعلان کیا۔ مین نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ "یہ.......... یہ بو کیسی ہے؟" اس نے نتھنے سکوڑ کر پوچھا۔

"وہسکی کی۔" کیلر نے جواب دیا۔

"کینیڈین وہسکی۔" ہرمن نے وضاحت کی۔

مین نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا اور زخمی لہجے سے بولا۔ "اور تم لوگ اکیلے اکیلے ہی پی گئے۔ مجھے پوچھا تک نہیں تم نے؟ خیر کوئی بات نہیں؟"

ان چاروں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

☆------☆------☆

اتوار کی صبح چار بج کر بیس منٹ پر پولیس کی پٹرول کار ٹرالر بینک کے پاس سے گزری۔ کار میں موجود دونوں پولیس والوں نے بینک کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت بینک میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کسی من چلے نے خالی بینک کو لوٹنے کی حماقت بھی کی تو پولیس اسٹیشن میں الارم بج اٹھے گا اور وہاں سے انہیں مطلع کر دیا جائے گا۔ وہ محفوظ ترین بینک تھا۔ دروازہ پوری طرح الارم وائرنگ کی لپیٹ میں تھا۔ کھڑکیوں کا بھی یہی حال تھا۔ چڑیا سے بڑا کوئی بھی جانور اندر داخل ہوتا تو الارم چیخ اٹھتا۔

مین پیٹرول کار کے گزرنے کے بعد ٹرک سے اترا۔ ٹرک کو ذیلی سڑک کے کنارے پارک کیا گیا تھا۔ اس بار ٹرک ایک گارمنٹ کمپنی کا تھا۔ اس بار کیلر نے بہت زیادہ دیکھ بھال کے بعد ٹرک چرایا تھا۔ چنانچہ ہر شخص اچھے موڈ میں تھا۔ ٹرک کے اندر چارلس، کیلر، ہرمن اور وکٹر کے علاوہ انڈر کیرج بھی تھا۔ جس کا اب حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ ان لوگوں نے ہفتے کی شام کمپیوٹر کے متروک پلانٹ میں اس پر بڑی محنت کی تھی۔ اب وہ بالکل نیا معلوم ہو رہا تھا۔

مین نے ٹرک کا عقبی دروازہ کھول کر اعلان کیا۔ "پولیس والے جا چکے ہیں۔ اب وہ آدھے گھنٹے بعد واپس آئیں گے۔ تمہیں اٹھائیس منٹ کی مہلت مل گئی ہے۔"

ان پانچوں نے مل کر ٹرک سے انڈر کیرج اتارا اور اسے گھسیٹتے ہوئے ٹرالر کے نیچے لے گئے۔ اس کے بعد مین دوبارہ ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اسے گرد و پیش پر نظر رکھنا تھی۔ ٹرالر کے نیچے باقی چاروں ساتھیوں نے پنسل ٹارچیں نکالیں۔ نچلے حصے سے دو جیک منسلک تھے۔ وہ کام میں مصروف ہو گئے بالآخر ٹرالر اٹھنے لگا۔ چند لمحے بعد اتنا خلا ہو گیا کہ سڑک کی روشنی ٹرالے کے نیچے پہنچنے لگی۔ پہیے لگانے کا کام خاصا دشوار ثابت ہوا

لیکن بالآخر ہوگیا۔ پھر جیک گھمائے گئے اور ٹرالر نیچے آگیا۔ انہوں نے ٹرالر کو کنکریٹ کے بلاکس پر نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ٹرالر اور بلاکس کے درمیان معمولی سا فاصلہ رکھا۔ وہ امید ہی کرسکتے تھے کہ کوئی اس فرق کو محسوس نہیں کرے گا۔ آگے قسمت جانے۔

چارلس نے آخری بار جائزہ لیا اور ٹرالر کے نیچے سے نکل آیا۔ چاروں ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔ پھر وہ ٹرک میں جا بیٹھے۔ وہ واردات کے اہم ترین مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزر چکے تھے۔ وکٹر کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ سب سے زیادہ خوش تھا۔ وہ ایک سچ مچ کی واردات میں جو شریک تھا۔

☆------☆------☆

جوزف کو بینک میں داخل ہوتے ہوئے ٹھوکر لگی۔ اس نے زیرِ لب گالی بکی اور چوبی پائیدان کے آخری قدمچے کو بے حد بدمزگی سے دیکھا۔ وہ مسلسل ساتویں جمعرات تھی کہ وہ بینک میں رات کی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اب تک اسے اس پائیدان کا عادی ہوجانا چاہئے تھا۔

"کیا ہوا جو؟" بڈھے فینٹن نے پوچھا۔ وہ خود کو چیف کہلوانا پسند کرتا تھا۔ لیکن کوئی بھی اسے چیف نہیں کہتا تھا۔ وہ بے حد مستعد آدمی تھا۔ اس کی ڈیوٹی سوا آٹھ بجے شروع ہوتی تھی لیکن وہ ہمیشہ آٹھ بجے پہنچ جاتا تھا۔ وہ نرم دل بھی تھا۔ کبھی کوئی گارڈ لیٹ بھی ہوجاتا تو وہ اسے پابندی وقت کی اہمیت پر لیکچر دیتا تھا لیکن آفس میں کبھی شکایت نہ کرتا تھا۔

"بڑھاپے کی وجہ سے لڑکھڑانے لگا ہوں۔" جوزف نے جواب دیا۔ وہ خوش تھا جمعرات کی رات کی یہ ڈیوٹی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ ہر جمعرات کو نو بجے تک بینک کے تمام ملازمین رخصت ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد کا وقت سکون کا وقت ہوتا تھا۔ خوب تفریح ہوتی تھی۔

تمام گارڈز آچکے تھے۔ بینک کو ساڑھے آٹھ بجے تک کھلا رہنا تھا۔ اس وقت سوا آٹھ بجے تھے۔ گویا آئندہ پندرہ منٹ میں بہت زیادہ ہجوم ہونا تھا۔ سات گارڈز کی وجہ سے ہجوم اور زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ ان ساتوں کا تعلق کاؤنٹی ڈیٹیکٹو ایجنسی سے تھا۔ ان کی وردیاں پولیس یونیفارم سے خاصی مماثلت رکھتی تھیں۔ ان کے کندھوں پر سی ڈی

ے کے دھاتی حروف تھے۔ ہولسٹر میں اعشاریہ اڑتیس کے ریوالورز تھے۔ ان میں سے بیشتر سابق پولیس افسر تھے اور یونیفارم میں رہنا پسند کرتے تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے بینک کے گارڈ نے دروازے اندر سے بند کردیئے۔ اب وہ وقتاً فوقتاً باہر جانے والے کسٹمرز کے لئے دروازہ کھول رہا تھا۔ بینک کے ملازمین اپنی کاغذی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ نو بجے تک تمام کام مکمل ہوگیا۔ رقومات سیف میں رکھ دی گئیں اور سیف مقفل کردیا گیا۔ پھر ملازمین ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے۔ آخری شخص بینک کا منیجر تھا۔ اس نے جاتے ہوئے بینک کا دروازہ مقفل کردیا۔ اس کے جانے کے بعد فینٹن نے وہ جملہ دہرایا۔ جو وہ ہر جمعرات کی رات کہتا تھا۔ "لڑکو' اب ہم ڈیوٹی پر ہیں۔"

"ہاں۔" جوزف نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ بلاک وہ فولڈنگ ٹیبل اٹھانے چل دیا جو تجوری کے قریب رکھی رہتی تھی۔ دوسرے گارڈز اپنی اپنی پسند کی کرسی کی طرف بڑھ رہے تھے ایک منٹ کے اندر اندر کسٹمر ایریا میں فولڈنگ ٹیبل بچھا دی گئی۔ اس کے گرد سات کرسیاں تھیں' جن پر سات گارڈز بیٹھے تھے۔ موریسن نے اپنی جیب سے تاش کی دو گڈیاں نکالیں۔ سب نے اپنی اپنی جیب سے ریزگاری نکال کر میز پر اپنے سامنے رکھ لی۔ ڈریسر نے پانچ پانچ پتے بانٹے اور کھیل شروع ہوگیا۔

ڈیڑھ بجے تک صورتِ حال یہ تھی کہ جوزف چار ڈالر اور ستر سینٹ ہار چکا تھا۔ پتے بانٹے گئے اس بار جوزف کے پاس تین چھکے آگئے۔ اس وقت تک پاٹ میں پہلے ہی ایک ڈالر پانچ سینٹ جمع ہوچکے تھے۔ فینٹن نے پچیس سینٹ سے داؤ کا آغاز کیا جو پہلے داؤ کی آخری حد تھی۔ جوزف نے داؤ بڑھانے کا سوچا لیکن زیادہ سے زیادہ کھلاڑیوں کا مقابلے میں رہنا بہتر تھا۔ چنانچہ اس نے بھی پچیس سینٹ بڑھادیئے۔ گارفیلڈ اور بلاک نے بھی اس کی تائید کی۔ پاٹ میں دو ڈالر پانچ سینٹ جمع ہوچکے تھے۔ اب پتے لینے کا مرحلہ تھا۔ فینٹن نے ایک پتا اٹھایا۔ جوزف دو پتے اٹھاتے ہوئے جھجکا کہ اس طرح اس کے ساتھی سمجھ لیں گے کہ اس کے پاس ٹریل ہے لیکن وہ خطرات مول لینے کے لئے مشہور تھا۔ چنانچہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ یہ اندازہ نہ لگائیں۔ اس کے پاس تین چھکوں کے علاوہ ایک بیگم اور ایک چوکا تھا۔ اس نے چوکا پھینک کر کہا۔ "ایک پتا۔"

گارفیلڈ مسکرایا۔ "پھر لمبے چکر میں ہو۔"

"ہاں' ہوں تو سہی۔" جوزف نے کہا۔ نیا پتا بیگم تھا۔ اب اس کے پاس دو بیگمیں ہو گئیں۔

گارفیلڈ نے تین پتے بدلے۔ گویا اس کے پاس محض ایک جوڑی تھی۔

بلاک نے ایک پتہ بدلا یعنی اس کے پاس دو جوڑیاں تھیں۔ یا فلش تھا یا اسٹریٹ۔

ڈرا کے بعد آخری داؤ پچاس سینٹ کا تھا۔ فیننٹن نے پچاس سینٹ لگائے۔ اس کا مطلب تھا کہ پتا بدلنے کے بعد اس کا ہینڈ بہتر ہو گیا تھا۔

جوزف نے پھر اپنے پتے دیکھے۔ حالانکہ وہ اسے زبانی یاد تھے۔ تین چھکے اور دو بیگمیں۔ شاندار فل ہاؤس۔ اس نے داؤ بڑھا کر ایک ڈالر کر دیا۔

اس پاٹ میں تین ڈالر پچیس سینٹ تھے جس میں اس کے ایک ڈالر چالیس سینٹ تھے۔

گارفیلڈ نے داؤ بڑھنے پر منہ بنایا لیکن ایک ڈالر پاٹ میں ڈال دیا۔ بلاک نے داؤ بڑھا کر ڈیڑھ ڈالر کر دیا۔ موریسن اور فیننٹن دستبردار ہو گئے۔

جوزف نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ پاٹ میں اس کی ڈالی ہوئی رقم کے علاوہ چار ڈالر پینسٹھ سینٹ تھے' وہ اپنے پتوں کو دیکھتا اور سوچتا رہا۔ داؤ لگانے اور جیتنے کی صورت میں نہ صرف ہاری ہوئی رقم برابر ہو جاتی بلکہ وہ جیت میں بھی رہتا لیکن ہارنے کی صورت میں.........! وہ دوسرے ساتھیوں کے پتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ گارفیلڈ نے ایک جوڑی سے اسٹارٹ لیا تھا اور بہتر ہوا تھا یعنی اس کے پاس ٹریل تھی یا دو جوڑیاں۔ اگر بات فلش یا اسٹریٹ کی تھی تو فل ہاؤس ہونے کی وجہ سے جوزف کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ دوسری طرف بلاک نے صرف ایک پتا لیا تھا۔ اسٹریٹ یا فلش ہونے کی صورت میں کوئی دھڑکا نہیں تھا لیکن اگر اس کے پاس بھی فل ہاؤس ہوا تو جوزف کے ہاتھ میں صرف چھکے کا فل ہاؤس اسے تباہ کر سکتا تھا۔

گارفیلڈ اس کی سوچ بچار سے پریشان ہو گیا۔ وہ نروس انداز میں بولا۔ "تم فیصلہ کرو گے یا نہیں جوزف۔"

"ٹھیک ہے' میں داؤ بڑھا رہا ہوں۔" جوزف نے کہا اور دو ڈالر پاٹ میں ڈال

دیئے۔

گارفیلڈ نے مایوسی سے کہا۔ "میں دستبردار ہوا۔"

بلاک نے پھر داؤ بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر عیار مسکراہٹ تھی۔

جوزف دہل گیا۔ اس کا مطلب ہے بڑے پتے کا فل ہاؤس۔ اس نے مایوس ہو کر سوچا' لیکن اب واپسی کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس نے ڈھائی ڈالر پاٹ میں ڈال دیئے۔ "شو کرو۔" اس نے کہا۔

"بادشاہ کا کلر۔ اینٹ کے پتے ہیں سارے۔" بلاک نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"واہ۔" جوزف نے اپنا فل ہاؤس میز پر پٹخ کر اعلانِ فتح کے لئے ہاتھ بلند کیا۔ اسی وقت ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ کرسی سمیت الٹ گیا۔ میز بھی الٹ گئی تھی۔ سکوں کی جھنکار سنائی دی۔ اس کے تمام ساتھی بھی اچھل کر کہیں کے کہیں گئے۔ سب کی سمتیں مختلف تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ٹرالر میں اندھیرا ہو گیا۔

☆======☆======☆

وہ جمعرات کی رات تھی۔ پولیس اسٹیشن میں تین ڈسپیچر موجود تھے۔ ان کی میزیں برابر برابر بچھی تھیں۔ ہر میز پر تین ٹیلی فون اور ایک ٹووے ریڈیو رکھا تھا۔ وہ سامنے والی دیوار پر نصب پینل پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ پینل سیاہ تھا اور اس پر سولہ مقامات پر سرخ بلب لگے ہوئے تھے۔ ہر بلب کے نیچے سفید پینٹ سے ایک نمبر لکھا تھا۔ اس وقت کوئی بلب روشن نہیں تھا۔ ایک بج کر سینتیس منٹ پر باون نمبر کا بلب جل اٹھا۔ ساتھ ہی ایک الارم بجنے لگا۔ بائیں جانب بیٹھے ہوئے ڈسپیچر نے ایک بٹن دبایا۔ الارم کی آواز بند ہو گئی۔ باون نمبر اسی سے متعلق تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے فون اٹھایا اور داہنے ہاتھ سے ریڈیو کا سوئچ آف کر دیا۔ اس کی نظریں میز پر شیشے کے نیچے رکھی ہوئی فہرست کو ٹٹول رہی تھیں۔ باون نمبر کیپٹل بینک کا تھا۔

"کار نمبر نو۔" اس نے ریڈیو میں پکارا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے سات نمبر ڈائل کیا۔ یہ کیپٹن کے آفس کا نمبر تھا۔ اس وقت لیفٹیننٹ وائٹ ڈیوٹی پر تھا۔

کار نمبر9 وہ پٹرول کار تھی جو عارضی بینک کے پاس سے گزرتی تھی۔ آج رات اس پر آفیسر بولٹ اور ایچر کی ڈیوٹی تھی۔ بولٹ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار کم

رکھی تھی۔ پانچ منٹ پہلے وہ ٹرالر بینک کے پاس سے گزرے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرالر میں پتے تقسیم ہوئے تھے اور جوزف کو تین چھکے عطا ہوئے تھے۔

اپچر نے جو بولٹ کے اوپر بیٹھا تھا' مائیک اٹھایا اور کال کا جواب دیا۔ "کار نمبر نو پلیز۔"

"کیپٹل بینک کا الارم بجا ہے۔"

"کون سا بینک.......... کہاں؟" اپچر گڑبڑا گیا۔

"کیپٹل بینک.......... جو ٹرالر پر ہے۔"

"اوہ' وہ.......... عارضی بینک۔"

"ہاں' وہی۔"

اس دوران بولٹ نے کار موڑ لی تھی۔ اس نے پوری رفتار سے کار دوڑائی۔ جو فاصہ انہوں نے پانچ منٹ میں طے کیا تھا' وہ اس بار دو منٹ میں پورا ہوا۔ اس دوران لیفٹیننٹ وائٹ نے اسٹیشن میں موجود نفری کو تیار رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے علاوہ اس نے دو دوسری پٹرول کاروں کو بھی اسی علاقے میں پہنچنے کو کہا۔

دو منٹ بعد کار نمبر9 سے ریڈیو پر اطلاع ملی۔ "بینک تو یہاں موجود نہیں ہے۔"

ڈسپیچر بوکھلا گیا۔ گویا سبب پریشانی ہی موجود نہیں تھا۔ اس کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے پھر فہرست پر نظر ڈالی۔ باون نمبر کے آگے واضح طور پر کیپٹل بینک تحریر تھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔ "اچھا' کچھ دیر پہلے تو موجود تھا؟"

"ہاں' پانچ منٹ پہلے ہم یہاں سے گزرے تو بینک اپنی جگہ موجود تھا۔"

ڈسپیچر کو سانپ سونگھ گیا۔ دوسری طرف آفیسر بولٹ اور اپچر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خالی جگہ کو دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے بینک موجود تھا۔ کنکریٹ کی دونوں چھوٹی دیواریں اب بھی موجود تھیں لیکن ان پر رکھا ہوا بینک غائب ہو چکا تھا۔ اِدھر اُدھر بجلی اور ٹیلی فون کے وہ تار بکھرے ہوئے تھے جو کچھ دیر پہلے بینک سے منسلک رہے ہوں گے۔ چوبی پائیدان ایک طرف رکھا تھا۔

"ب.......... بینک.......... بینک غائب ہے۔" بالآخر ڈسپیچر کو ہوش آیا۔

"جی ہاں۔" بولٹ غرایا۔ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے سائرن کی آواز سنائی دے

رہی تھی۔ "کسی مردود نے بینک چرا لیا ہے۔"

☆------☆------☆

بینک کے اندر افراتفری مچی ہوئی تھی۔ چارلس اور اس کے ساتھیوں نے اسپرنگز اور شاک ابزربرز جیسے تعیشات کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ انہیں تو صرف پہیوں کی فکر تھی پھر ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی۔ چنانچہ بینک کسی کٹی پتنگ کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ جھٹکوں نے اس کے اندر موجود گارڈز کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

"میرے پاس فل ہاؤس تھا۔" جوزف نے تاریکی میں چیخ کر کہا۔

"خدا کے لئے جو!" کہیں سے بلاک کی آواز سنائی دی۔ "کھیل تو کینسل ہو گیا۔"

"چھکوں کا فل ہاؤس تھا میرے پاس۔" جوزف نے چیخ کر کہا۔

اچانک لیفٹیننٹ چیخا۔ "کھیل کی باتیں بند۔ تم لوگوں کو احساس بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے بینک چرا لیا ہے۔"

جوزف سناٹے میں آ گیا۔ واقعی.......... یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پتے تھے اور دوسرے سے اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ اڑتی ہوئی کرسیوں سے خود کو بچانا ایک اضافی مسئلہ تھا۔ ایسے میں وہ کچھ سوچنے کے قابل ہی کہاں رہا تھا۔

"روشنی۔" ڈریسر چلایا۔ "فلیش لائٹ کس کے پاس ہے؟"

"پردے کھینچو۔" موریسن نے چیخ کر کہا۔

"فلیش لائٹ میرے پاس ہے۔" گارفیلڈ نے کہا۔ اسی لمحے ایک سفید متحرک شعاع نظر آئی لیکن افراتفری کی وجہ سے روشنی بھی انہیں پوری طرح سب کچھ نہیں دکھا سکی۔ پھر روشنی لڑھک گئی اور ڈولنے لگی۔ "لعنت ہے۔ وہ بھی گر گئی۔" گارفیلڈ غرایا۔

اب روشنی اچھلتی پھر رہی تھی۔ وہ سب اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے' لیکن وہ تو چھلاوے کی طرح تھی۔ پھر اچانک روشنی غائب ہو گئی۔ شاید فلیش لائٹ بجھ گئی تھی۔

چند لمحے بعد کسی نے پردے کھینچ دیئے۔ اب وہ کسی حد تک دیکھ سکتے تھے کچھ دیر روشنی رہتی' پھر تاریکی کا وقفہ آ جاتا۔ اچھی خاصی آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ جوزف چاروں

ہاتھ پیروں پر بیٹھا تھا۔ ذرا سی روشنی ہوتے ہی وہ رینگ کر آگے بڑھا۔ جابجا فرنیچر اور کہیں کہیں اس کے ساتھی بکھرے پڑے تھے۔ کبھی کوئی اٹھنے کی کوشش کرتا تقریباً کامیاب بھی ہو جاتا لیکن بالآخر کوئی جھٹکا اسے اکھاڑ پھینکتا۔ جوزف رینگ رینگ کر آگے بڑھا اور کاؤنٹر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ فیننٹن پہلے ہی کاؤنٹر کو دبوچے کھڑا تھا۔ ڈریسر کھڑکی کی چوکھٹ پکڑے کھڑا باہر دیکھنے اور صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بلاک اور گارفیلڈ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے لڑھکتے پھر رہے تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے چھٹکارا پانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ موریسن بھی نظر آگیا لیکن فوکس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"فوکس! تم کہاں ہو؟" جوزف نے اسے پکارا۔

"میں یہاں ہوں۔" فوکس کی آواز سنائی دی۔

آواز تو فوکس ہی کی تھی لیکن وہ تھا کہاں۔ پھر اچانک انہوں نے اسے کاؤنٹر کی دوسری سمت سے سر ابھارتے ہوئے دیکھا۔ "میں یہاں ہوں۔" اس نے دہرایا۔

"تم وہاں کیسے پہنچے؟" فیننٹن دہاڑا۔

"مجھے کیا معلوم؟ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں کیسے پہنچا۔" فوکس بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

بلاک اور گارفیلڈ اب لڑھکتے ہوئے درمیان میں آگئے تھے لیکن انہیں اٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ گارفیلڈ نے سر اٹھا کر فیننٹن کو دیکھا اور پوچھا۔ "دروازہ توڑنے کی کوشش کی جائے؟"

فیننٹن کسی محصور کمانڈر کی طرح برہم ہوگیا جسے قلعے کا دروازہ کھولنے کا مشورہ دیا گیا ہو۔ "کیوں؟ انہوں نے بیشک بینک چرا لیا ہے لیکن رقم انہیں نہیں ملے گی۔" اس نے ڈرامائی انداز میں تجوری کی طرف اشارہ کیا۔ بدقسمتی سے اسی وقت بینک نے نوے درجے کا موڑ کاٹا اور وہ کھڑکی سے لٹکے ہوئے ڈریسر سے ٹکرایا۔ اگلے ہی لمحے گارفیلڈ اور بلاک بھی ان دونوں میں مدغم ہوگئے۔

جوزف نے کسی نہ کسی طرح اپنی گرفت برقرار رکھی تھی۔ موریسن بہ دستور فرش پر بیٹھا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ البتہ کاؤنٹر کے اس طرف موجود فوکس کا چہرہ نہ جانے کہاں

غروب ہوگیا تھا۔

"مجھ پر سے اترو' اتر جاؤ میرے اوپر سے۔" اچانک فیننٹن کی دہاڑ سنائی دی۔ "یہ میرا حکم ہے' اتر جاؤ میرے اوپر سے۔"

لیکن اس صورتِ حال میں اس کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ جوزف نے وہ منظر دیکھا۔ اچھلتی ہوئی.......... چلتی ہوئی ٹانگوں میں سے کون سی کس کس کی تھیں' یہ کہنا مشکل تھا۔ انسانی کھچڑی سی پک رہی تھی۔

"یہ.......... یہ کیا.........." فیننٹن کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔ شاید اس کے منہ میں کسی کی کہنی پھنس گئی تھی۔

کھڑکی سے آنے والی روشنی غائب ہوگئی۔ اب پھر متحرک اندھیرا تھا اور وہ تھے۔

"اس کا مطلب ہے' اب ہم شہر میں نہیں ہیں۔" موریسن نے چیخ کر کہا۔

"میں کہتا ہوں اترو.........." فیننٹن پھر چیخا' لیکن شاید کہنی کے سائیلنسر نے پھر کام دکھا دیا تھا۔

خدا جانے کس عمل کے تحت چپکے ہوئے تینوں گارڈ اور چیف علیحدہ ہوگئے۔ "آل رائٹ۔" فیننٹن نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "سب موجود ہیں نا؟" یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ حاضری لے ڈالی۔ سب موجود تھے۔ "دیکھو' اب کہیں نہ کہیں چوروں کو رکنا ہوگا۔ وہ اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔" اس نے پروفیسرانہ انداز میں کہا جیسے کلاس لے رہا ہو۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ خود کو کاؤنٹر یا کسی اور فرنیچر کی اوٹ میں رکھنا ہے۔ رقم کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ارے.......... یہ مجھے نیند کیوں آرہی ہے۔"

نیند سبھی کو آرہی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جاگنے کی کوشش کر رہے تھے.......... لیکن بالآخر ان کی آنکھیں مندتی گئیں۔

☆------☆------☆

ڈسپیچر ریڈیو میں چیخ رہا تھا۔ "تمام پٹرول کاریں ہوشیار ہو جائیں۔ آپ کو ایک بینک تلاش کرنا ہے' جسے چرا لیا گیا ہے۔ بینک گیارہ فٹ اونچا ہے اور اس کا رنگ نیلا اور سفید.........."

☆------☆------☆

بینک کی چوری کے موقع پر صرف چارلس، کیلر اور مین موجود تھے۔ کیلر نے شام ہی کو ایک ٹریکٹر کیب چرالیا تھا۔ اس کے بعد سے مین ہی اسے چلا رہا تھا۔ کیلر، چارلس اور مین کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس کے پاس سیاہ ربڑ کے پائپ کا پچیس فٹ لمبا لچھا تھا جو بے حد مضبوط تھا۔

وہ سوا ایک بجے بینک پہنچے۔ ٹریکٹر کیب کو ایک طرف پارک کردیا گیا۔ ڈیڑھ بجے پٹرول کار گزری اس کے گزرتے ہی وہ ٹریکٹر کیب کو ٹرالر کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ربڑ پائپ کے ذریعے ٹرالر کو ٹریکٹر کیب سے منسلک کردیا۔ پانچ منٹ بعد مین نے ٹریکٹر کیب کو اسٹارٹ کیا اور جھٹکے سے آگے بڑھایا۔ اس نے ایسا دانستہ طور پر کیا تھا۔ پائپ سیوریج لائن کا تھا۔ اس میں سے پانی بہہ نکلا۔ پہلے ہی موڑ پر ایک بیکری کی کھڑکیاں بال بال بچیں۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ بینک بدمست ہاتھی کی طرح لہراتا ہوا پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

مین نے راستہ منتخب کرتے وقت ہر بات کا خیال رکھا تھا۔ ٹریفک سے بچنے کے لئے سڑکوں کا انتخاب بے حد اہم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی موڑ کاٹنے پڑے کئی بار ایسا ہوا کہ ٹرالر نے دو پہیوں پر موڑ کاٹا۔ وہ بہت تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ کیلر اور چارلس ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔

"کیا کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے؟" کیلر نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔

مین نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ تیز ڈرائیو کرنا ضروری ہے۔ یہ تکنیکی بات تمہیں میں اس وقت نہیں سمجھا سکتا۔ مجھے ڈرائیو کرنے دو۔"

چارلس کو اندازہ تھا کہ اس وقت مین کے ارتکاز میں خلل اندازی مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔ اس نے کیلر کو گھور کر دیکھا۔

بیس منٹ بعد وہ ایک نسبتاً کم آبادی علاقے میں داخل ہوئے۔ مزید بیس منٹ بعد وہ ایک ویران علاقے میں تھے جہاں کھیتوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ مین نے رفتار کم کرنا شروع کردی۔ "فوری طور پر بریک لگانے کی صورت میں ٹرالر ہمیں تہس نہس کردے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ بڑا نازک مرحلہ ہے۔" اس نے ٹریکٹر کیب کو کچے میں

اتارا اور درختوں کے ایک جھنڈ کا رخ کیا۔ رفتار بیس میل فی گھنٹہ رہ گئی تو اس نے بریک لگانے شروع کئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ پلٹ کر ٹرالر کو بھی دیکھتا رہا تھا۔ بالآخر دونوں گاڑیاں رک گئیں۔

"اب میں اتر کر دیکھتا ہوں۔" چارلس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ کیلر بھی وہ چابی لے کر نکل آیا جو ہرمن نے اسے اس دعوے کے ساتھ دی تھی کہ اس سے بینک کا دروازہ کھل جائے گا۔

دروازہ کھلتے ہی کیلر نے فلیش لائٹ کی روشنی اندر پھینکی۔ ٹرک ایگزھاسٹ کی کاربن مونو آکسائیڈ نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ تمام گارڈز بے ہوش تھے۔ پھر بھی چارلس نے احتیاطاً پکارا۔ "اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھاؤ اور باہر نکل آؤ۔" لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ بینک کا فرنیچر بری طرح بکھرا ہوا تھا۔

وہ تینوں بینک میں داخل ہوئے اور انہوں نے کھینچ کھانچ کر ساتوں گارڈز کو باہر نکالا۔ کیلر نے انہیں بغور دیکھا اور بولا۔ "کتنے پُرسکون ہیں۔ انہیں دیکھ کر تو مجھے بھی نیند آنے لگی ہے۔"

چارلس خود بھی بھاری پن محسوس کر رہا تھا۔ اچانک وہ چلایا۔ "مین!"

مین اندر کاؤنٹر پر جھکا کھڑا تھا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ "کیا.......... کیا بات ہے؟"

"کیا انجن اب بھی چل رہا ہے؟"

"اوہ میرے خدایا۔ ابھی بند کرتا ہوں جاکر۔"

چارلس سوچتا رہ گیا۔ سمجھنے میں ذرا تاخیر ہوتی تو وہ لوگ خود بھی سوجاتے۔ گیس کے اثرات موجود تھے۔

ان تینوں نے تازہ ہوا میں خوب گہری گہری سانسیں لیں۔ پھر انہوں نے ٹرالر کی کھڑکیاں کھولیں۔ وہ واپس کیب میں پہنچے تو مین سوچکا تھا۔ انہوں نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے جگایا۔ ٹرالر میں سب سے زیادہ دیر تک وہی رہا تھا۔ جاگنے کے باوجود وہ اونگھتا رہا۔ بہرحال ڈرائیو کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ گارڈز کو درختوں کے جھنڈ میں لٹا کر انہوں نے ٹرالر سمیت اپنا سفر پھر شروع کردیا۔

☆------☆------☆

دو بج کر چالیس منٹ پر میسن کی ممی نے اعلان کیا۔ "وہ آرہے ہیں۔" اور اپنی گردن کی پٹی اٹھانے کے لئے کار کی طرف دوڑی۔ اس نے پلاسٹک کی پٹی بمشکل گردن میں پہنی تھی کہ ٹریکٹر کی ہیڈ لائٹس نظر آنے لگیں۔ کچھ دیر بعد ٹریکٹر ٹرالر سمیت فٹ بال کے میدان میں داخل ہوا۔ میدان کے تین اطراف تماشائیوں کے لئے اسٹینڈز بنے ہوئے تھے۔

میسن نے ٹریکٹر کو روکا ہی تھا کہ وکٹر نے ٹرالر کے ساتھ سیڑھی لگا دی اور ہرمن پینٹ کا ڈبا اور برش لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اس دوران میگی اور مسز مرچ ٹرالر کے اس حصے پر ٹیپ کی مدد سے کاغذ چپکانے میں مصروف ہوگئیں' جسے پینٹ نہیں ہونا تھا۔ وہاں کئی اور سیڑھیاں' پینٹ کے ڈبے اور برش موجود تھے۔ وکٹر اور میسن دونوں خواتین کی مدد میں مصروف ہوگئے' جبکہ چارلس اور کیلر نے سیڑھیاں اور پینٹ کے ڈبے سنبھال لئے۔ وہ سبز رنگ کا واٹر پینٹ استعمال کر رہے تھے' جو عموماً گھر کی دیواروں پر روغن کرنے کے کام آتا ہے۔ اس رنگ کو بعد میں صرف پانی کی مدد سے بہ آسانی صاف کیا جاسکتا تھا۔ وہ پینٹ استعمال کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ تیزی سے کیا جاسکتا تھا اور دوسرے کوٹ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بہت جلدی سوکھ بھی جاتا تھا بالخصوص کھلی ہوا میں۔

پانچ منٹ کے اندر اندر بینک' بینک نہیں رہا تھا۔ بینک کا نام بھی مٹ گیا اور نیلے اور سفید رنگ کی جگہ سبز رنگ نے لے لی۔ نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی۔ اب اس پر مشی گن کی نمبر پلیٹ تھی اور وہ ایک عام سا موبائل ہوم تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر سیڑھیاں' برش اور پینٹ کے خالی ڈبے جھاڑیوں میں چھپا دیئے گئے۔ وکٹر اور کیلر' وکٹر کی گاڑی میں چلے گئے۔ وکٹر اپنی گاڑی میں خواتین کو یہاں لایا تھا۔ میسن ٹریکٹر کیب لے کر میدان میں نکل آیا۔ اس بار رفتار کم تھی۔ ایک تو اب موقع نازک نہیں رہا تھا۔ دوسرے اب ٹرالر میں معزز اور محترم افراد موجود تھے........... بالخصوص دو خواتین۔

ٹرالر میں کچھ اور ہی کام ہو رہا تھا۔ میسن کی ممی اور میگی ٹرالر کی کھڑکیوں پر وہ نئے پردے لٹکا رہی تھیں جو کئی دن پہلے سے سیئے جا رہے تھے۔ چارلس ٹرالے کے فرش کی صفائی میں مصروف تھا جبکہ ہرمن تجوری پر جھکا ہوا تھا لیکن تجوری کو دیکھنے کے بعد وہ بے

حد ناخوش نظر آرہا تھا۔

☆======☆======☆

"کوئی بینک دیکھتے ہی دیکھتے غائب نہیں ہوجاتا۔" کیپٹن ڈیمر نے کہا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

کیپٹن ڈیمر نے مضطرب ہوکر اپنی انگلیاں چٹخائیں۔ "اور بینک اڑتا بھی نہیں۔"

"نو سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"چنانچہ بینک ہمیں مل جانا چاہئے۔"

"یس سر۔"

وہ دونوں اس وقت کیپٹن کے دفتر میں تنہا تھے۔ دفتر کے باہر بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہنگامی صورتِ حال تھی۔ دروازے کھل رہے تھے............ بند ہو رہے تھے' پیغامات کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ یہ امر بھی تاریخی تھا کہ بینک کی تلاش شدومد سے جاری تھی۔ شاہراہوں کی چیکنگ کی جا رہی تھی۔ شہر کے بارہ میل لمبے بارڈر کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ لانگ آئی لینڈ سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ہر حال میں نیویارک سے گزرنا پڑتا تھا۔ تمام بحری' بری اور فضائی محکموں کو چوکنا کردیا گیا تھا۔

"ہم نے انہیں بند کردیا ہے۔ وہ نکل نہیں سکتے۔" کیپٹن نے ہاتھوں سے بوتل میں ڈاٹ لگانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

"اب ہمیں جال کھینچنا ہے۔ دائرے کو محدود سے محدود کرنا ہے۔" کیپٹن نے آہستہ آہستہ مٹھی بھینچ کر دائرے کو محدود سے محدود تر کرنے کا مظاہر کیا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا اور ہونٹوں کو متحرک کرکے مسکراہٹ کی صورت دینے کی کوشش کی۔ وہ پریشان تھا کیونکہ کیپٹن کو سوتے سے اس نے اٹھایا تھا۔ وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیپٹن ذاتی طور پر اسے اس کا جرم تصور نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود لیفٹیننٹ نروس تھا۔ پھر اب تک بینک کی بازیابی کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔

کیپٹن اور لیفٹیننٹ ہر اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ لفٹیننٹ جوان تھا'

دبلا پتلا تھا' کوئی بھی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچاتا تھا' خاموش طبع تھا اور مطالعے کا شوقین تھا۔ کیپٹن پچاس کے لگ بھگ' فربہ اندام' غصہ ور' شور مچانے والا تھا اور کتابوں سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا البتہ دونوں کے درمیان ایک قدر مشترک تھی' پریشانی دونوں کو ناپسند تھی۔ یہ ایک مقام تھا جہاں دونوں ایک ہی زبان استعمال کرتے تھے۔ کیپٹن ہر صبح اپنے ماتحتوں سے کہتا۔ "مجھے امن و سکون پسند ہے۔" لیفٹیننٹ شام کو چارج سنبھالتے ہوئے ماتحتوں سے کہتا۔ "امن و سکون قائم رکھنا ہے۔"

لیکن یہ امن و سکون کی رات نہیں تھی۔ "یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں گھر پر تھا۔" کیپٹن نے کہا لیکن کوئی وضاحت نہیں کی۔ لیفٹیننٹ نے یس سر کہہ کر متفق ہونے کا اعلان کیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ کیپٹن نے کہا۔ "دیکھو لیفٹیننٹ! کون ہے؟"

"یس سر۔"

لیفٹیننٹ نے فون پر بات کی۔ وہ ڈیسک کے پاس ہی کھڑا تھا۔ کیپٹن کی موجودگی میں اس سے بات کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ بالآخر اس نے فون کرنے والے کو ہولڈ کرنے کے لئے کہا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیپٹن! بینک والے آئے ہیں۔"

"بلالو انہیں۔" کیپٹن نے کہا اور بہ دستور نقشے پر جھکا رہا۔ اس کے ہونٹ حرکت کررہے تھے..........بے آواز' شاید وہ کہہ رہا تھا۔ "دائرے کو محدود سے محدود تر کرنا ہے۔"

تین افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ سب ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ان میں ایک سفید بالوں والا باوقار آدمی تھا۔ دوسرا موٹا پستہ قامت اور معنک تھا۔ اس کے ہاتھ میں براؤن بریف کیس تھا۔ عمر ۴۰ سال۔ وہ کسی قسم کا اسپیشلسٹ معلوم ہوتا تھا۔ تیسرا بہت دبلا اور بہت لمبا تھا۔ گھنی مونچھیں۔ عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کا ایسا ہی تھیلا تھا جیسا پلمبر استعمال کرتے ہیں۔ اس نے تھیلا میز پر رکھا اوزاروں کے کھٹکنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیپٹن ڈیمر؟" باوقار آدمی نے پوچھا۔

کیپٹن نے نقشے پر جھکے جھکے جواب دیا۔ "میں ہی ہوں۔"

"میں جارج ویلڈنگ ہوں۔ فرام کیپٹل بینک۔ وہ بینک جو تم نے کھو دیا۔"

کیپٹن کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی جیسے کسی نے اس کے سینے پر گھونسا مارا ہو۔ اس نے کسی لڑاکا بیل کی طرح سر جھکا لیا۔ جارج نے اپنے موٹے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ البرٹ ہے اس کا تعلق اس کمپنی سے ہے جس نے ہماری شاخ کو تجوری مہیا کی ہے' اور یہ گیری ہے۔" اس نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی کمپنی کے ٹرالر پر ہمارا وہ عارضی بینک قائم تھا۔"

سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ کیپٹن کی مسکراہٹ میں تلخی تھی۔

"ہم سب آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے حاضر ہیں۔" گیری نے کہا۔

"شکریہ۔" کیپٹن نے کہا۔

"اب میں جاننا چاہوں گا کہ کیس کے سلسلے میں آپ نے کس حد تک پیش رفت کی ہے۔" جارج ویلڈنگ نے پوچھا۔

"ہم نے ناکابندی کرکے انہیں جکڑ لیا ہے۔" کیپٹن نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟" جارج مسکرایا۔ "کہاں..........کس جگہ؟" وہ ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"یہاں۔" کیپٹن نے نقشے میں لانگ آئی لینڈ کے علاقے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ بچ کر نکل نہیں سکتے۔ البتہ ان کی گرفتاری میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے' تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟" جارج مایوس ہوگیا۔ "لانگ آئی لینڈ تو بہت بڑا ہے۔ بعض مقامات پر اس کی چوڑائی بیس میل تک ہے۔"

پریشانی کے عالم میں کیپٹن کی بائیں آنکھ بند ہوجانے کی عادی تھی پھر وہ ایک لمحے کے لئے کھلتی تھی اور دوبارہ نسبتاً آہستگی سے بند ہوجاتی تھی۔ ایسے میں اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ آنکھ مار رہا ہے۔ ایام جوانی میں وہ اس کی بدولت بارہا مشکل میں پھنس چکا تھا۔ اس کی شادی بھی اسی چکر میں ہوئی تھی کیونکہ اس کی بیوی شروع ہی سے فلرٹ کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اس بار معاملہ مختلف تھا۔ جارج سمجھا کہ وہ کوئی بات رازدارانہ طور پر بتانا چاہ رہا ہے' چنانچہ وہ اس کے قریب ہوگیا۔ "لانگ آئی لینڈ بڑا ضرور ہے لیکن جلد یا بہ دیر ہم اسے کور کرلیں گے۔ وہ نکل نہیں سکتے۔" کیپٹن نے کہا۔

"فی الوقت تم کیا کررہے ہو؟"

"اس وقت تو ہم صرف سڑکوں پر پیٹرولنگ کر سکتے ہیں۔ کوشش تو یہی ہے کہ ان کے بینک کو کہیں چھپانے سے پہلے ہی انہیں دھرلیں۔"

"اب تین بج رہے ہیں۔ بینک چوری ہوئے ڈیڑھ گھنٹا ہوچکا ہے۔ اب تک تو انہوں نے اسے کہیں چھپا بھی دیا ہوگا۔"

"ممکن ہے، لیکن صبح ہوتے ہی ہم ہر ایسی جگہ کی تلاشی لیں گے جہاں کوئی ٹرالر چھپانا ممکن ہو۔ ہم پورا جزیرہ چھان ماریں گے۔"

"تم جس آپریشن کی بات کر رہے ہو کیپٹن، اس کی تکمیل میں ایک مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔"

"ایسی بات نہیں جناب۔ صبح ہوتے ہی ہمیں اور محکموں سے بھی مدد مل جائے گی۔ ہم اس سلسلے میں وہی تکنیک اختیار کریں گے جو گمشدہ بچے کی تلاش کے سلسلے میں اپنائی جاتی ہے۔"

"لیکن بینک کسی گمشدہ بچے سے کافی بڑا ہے۔" جارج نے اعتراض کیا۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ ہم ہیلی کاپٹرز بھی استعمال کر سکیں گے۔" کیپٹن نے خوش ہو کر کہا۔ "وہ بری طرح پھنس چکے ہیں۔ اب ہمیں دائرے کو محدود سے محدود تر کرنا ہے۔" کیپٹن کی آواز بلند اور بائیں آنکھ پھر بند ہوگئی۔

"ٹھیک ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ فی الوقت تم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔" جارج کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔

"جی ہاں۔" کیپٹن نے کہا۔ پھر اس نے گیری کو دیکھا۔ اس جیسے کم تر آدمی کے تعاون کا تصور ہی اس کے لئے روح فرسا تھا۔ اس کا سر جھک گیا اور بائیں آنکھ بری طرح پھڑپھڑانے لگی۔ "مجھے اس ٹرالر کے بارے میں بتاؤ۔" کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں استاد کی سی سختی تھی جو کسی نالائق شاگرد سے ہم کلام ہو۔

"وہ ٹرالر نہیں چلتا پھرتا گھر ہے۔" گیری کو لفظ ٹرالر سے توہین کا احساس ہوا تھا لہجے کے متعلق اسے پتا ہی نہیں چلا۔

"میری بلا سے۔ تم چاہو تو اسے بوئنگ ۷۴۷ بھی کہہ سکتے ہو۔" کیپٹن غرایا۔ "تم مجھے اس کا حلیہ بتاؤ۔"

گیری چند لمحے خاموش رہا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ "ٹھیک ہے۔ میں تعاون کی غرض سے آیا ہوں اور تعاون ہی کروں گا۔" اس نے کہا۔

کیپٹن نے اپنا منہ سختی سے بھینچ لیا جو کئی ناخوشگوار باتیں کہنے پر بضد تھا۔ اس نے خود کو یاد دلایا کہ اپنی ٹیم کے ممبروں سے لڑنا حماقت ہے۔

"جو ماڈل میری کمپنی نے کیپٹل بینک کو دیا ہے وہ ۵۰ فٹ لمبا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے۔ اس میں عموماً تین بیڈ روم بنائے جاتے ہیں لیکن بینک کے لئے پارٹیشن کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اس میں کچن کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ باتھ روم اس میں موجود ہے۔ اس کی دیواروں، فرش اور چھت میں مکمل برگلر الارم سسٹم موجود ہے۔"

کیپٹن نے لیفٹیننٹ کو دیکھا کہ وہ نوٹس لے رہا ہے یا نہیں۔ وائٹ نوٹس لے رہا تھا۔ "اس سے پہلے کہ تمہاری کمر مستقل طور پر جھک جائے، بیٹھ جاؤ۔" کیپٹن نے اسے ڈپٹا۔

"یس سر۔" وائٹ نے کہا اور بیٹھ گیا۔

"اور کچھ؟" کیپٹن نے گیری کی طرف دیکھا۔

"اور یہ کہ اس کے پہیے نکال لئے گئے تھے۔"

"کیا؟ کیا مطلب؟ تمہارا مطلب ہے، ٹرالر میں پہیے نہیں تھے۔" کیپٹن بری طرح اچھلا۔ اس کی بائیں آنکھ نے بھی اچھل کود مچادی۔

"اسے موبائل ہوم کہئے اور ظاہر ہے کہ.........."

"میں تو ٹرالر ہی کہوں گا۔" انسپکٹر نے دہاڑ کر کہا۔ "ٹرالر.......... ٹرالر.......... ٹرالر.......... اور اس لعنتی ٹرالر میں پہیے نہیں تھے تو وہ خبیث اسے لے کیسے گئے۔ کندھوں پر رکھ کر؟"

کسی نے جواب نہیں دیا کیپٹن ہانپتا رہا۔ اس کا سر کسی بیل کی طرح کندھوں کے اندر دھنس گیا تھا۔ بائیں آنکھ مستقل طور پر بند ہوچکی تھی اور دائیں آنکھ پھڑپھڑا رہی تھی۔

وائٹ نے کھنکھار کر گلا صاف کیا تو کمرے میں موجود ہر شخص اچھل پڑا۔ اس نے

بمشکل اپنی ہمت مجتمع کر کے کہا۔ ”ہیلی کاپٹر.........“

وہ سب ہونقوں کی طرح اسے دیکھتے رہے۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ”کیا مطلب وائٹ؟“ کیپٹن نے کہا۔

نتیجتاً وائٹ کو پورا جملہ بولنا پڑا۔ ”میرا مطلب ہے جناب کہ ممکن ہے کہ ٹرالر کو رسی سے باندھ کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے.........“

”جزیرے سے باہر لے جایا گیا ہو۔“ کیپٹن غرایا۔

”ہمارا موبائل ہوم بہت بھاری ہے۔“ گیری نے فخریہ کہا۔

”اتنا بھاری ہے کہ ہیلی کاپٹر اسے نہیں اٹھا سکتا؟“ کیپٹن نے پوچھا۔

”اس سے بھی زیادہ بھاری ہے وہ۔“

”وائٹ! آرمی والوں کو فون کر کے معلوم کرو کہ ہیلی کاپٹر کے لئے یہ ممکن ہے یا نہیں۔“ کیپٹن نے لیفٹیننٹ کو حکم دیا۔

”یس سر۔“

”اور اپنے کچھ آدمی علاقہ واردات میں بھیجو۔ وہ پڑوسیوں سے پوچھیں کہ انہوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز تو نہیں سنی؟“

”یہ ناممکن ہے۔ ایسی کوشش کی جائے تو ہیلی کاپٹر ٹرالر بن جائے گا۔“ گیری نے اصرار کیا۔

”ابھی پتا چل جائے گا۔“ کیپٹن نے چڑچڑے پن سے کہا۔ وائٹ فون پر مصروف ہوگیا تھا۔ ”اچھا فرض کریں کہ ہیلی کاپٹر نہیں استعمال کیا گیا۔“ کیپٹن نے کہا۔ ”اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چور اس ٹرالر کو......... ٹرالر......... ٹرالر......... ٹرالر کو کیسے لے گئے؟“ اس نے ٹرالر پر بالخصوص زور دیا۔ ”اس کے پہیئے جو تم نے نکال لئے تھے، اس وقت کہاں ہوں گے؟“

گیری اس بار موبائل ہوم کی توہین کو پی گیا۔ ”بروک لین میں جو ہمارا پلانٹ ہے، وہاں ہوں گے۔“

”تم یقین سے کہہ سکتے ہو یہ بات؟“

”نہیں۔“

کیپٹن کی کھلی ہوئی اکلوتی آنکھ شعلے برسانے لگی۔ ”یعنی تم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ پہیئے وہاں موجود ہوں گے۔“

”میں نے چیک تو نہیں کیا نا۔ اور پھر وہ دنیا میں موبائل ہوم کے پہیوں کا اکلوتا سیٹ تو نہیں۔ پہیئے تو کہیں سے بھی مل سکتے ہیں۔“

اتنے میں وائٹ نے کیپٹن کو بتایا کہ آرمی والوں نے گیری کے دعوے کی تصدیق کردی ہے۔ ”آپ بے فکر رہیں جناب۔“ کیپٹن نے بینک کے چیئرمین جارج ویلڈنگ سے کہا۔ ”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ انہوں نے واردات کیسے کی۔ ہم بہرحال انہیں پکڑ لیں گے۔ آپ یہ امید نہیں کرسکتے کہ کوئی احمق بینک کا بینک چرالے اور پھر بچ بھی نکلے۔“

”میں ایسی امید کرنا بھی نہیں چاہتا۔“ جارج نے منہ پھلا کر کہا۔

اب کیپٹن، البرٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”آپ میری کیا مدد کرسکتے ہیں؟“

”تجوری توڑنے میں انہیں بہت وقت لگے گا۔ یہ کام آسان ثابت نہیں ہوگا۔“ البرٹ نے کہا۔

”کیپٹن کی بائیں آنکھ یوں پھڑپھڑائی جیسے اب کھل ہی تو جائے گی۔ ”اچھا.........“ اس نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

”جی ہاں جناب۔ وہ جدید ترین تجوری ہے۔“

فون کی گھنٹی بجی۔ وائٹ نے فون ریسیو کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اچھل پڑا۔ ”ایک شخص ہے جس نے بینک دیکھا ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔ وہ بے حد خوش نظر آرہا تھا۔

”تفصیل سے بتاؤ۔“ کیپٹن نے خشک لہجے میں کہا۔ اس کی دائیں آنکھ بھی تقریباً بند ہوگئی تھی۔ محض چھوٹی سی ایک جھری رہ گئی تھی۔

”ایک بار ٹینڈر نے پونے دو بجے کے قریب اسے دیکھا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ ٹرالر کے آگے ایک ٹریکٹر کیب تھا۔ رفتار بہت زیادہ تھی۔“

”پونے دو بجے! تو اس نے اب تک پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا؟“ کیپٹن نے اعتراض کیا۔

”اسے اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوا جب ہم نے روڈ بلاک کئے۔“

"کس جگہ کی بات ہے؟"

اس نے یونین پائیک پر روڈ بلاک ہوتے دیکھا اور........."

"گدھے........ میں پوچھ رہا ہوں' اس نے بینک کو کس جگہ دیکھا تھا؟"

وائٹ بالکل سرخ ہوگیا۔ "اوہ! کولڈ اسپرنگ کی بات ہے یہ۔"

"کولڈ اسپرنگ......... کولڈ اسپرنگ۔" کیپٹن نقشے پر جھپٹا۔ "مضافات کے قریب ہے۔" اس نے نقشے میں کولڈ اسپرنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے جزیرے سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ گویا وہ ہنٹنگ کی طرف جا رہے تھے۔ لیفٹیننٹ' فوری طور پر تمام یونٹس کو مطلع کردو۔"

"یس سر۔" وائٹ نے کہا اور ریسیور اٹھا کر مصروف ہوگیا۔

جارج ویلڈنگ نے کہا۔ "تم خوش نظر آرہے ہو کیپٹن' اور یہ اچھا شگون ہے۔"

"اب تک تو ٹھیک ہے۔ بس ہم تجوری کھولنے سے پہلے انہیں پکڑ لیں تو بہتر ہے۔"

"اس سلسلے میں بے فکر رہو کیپٹن وہ کوئی معمولی تجوری نہیں ہے۔" البرٹ نے کہا۔

کیپٹن مسکرا دیا۔ اسی وقت لیفٹیننٹ نے ہیجانی کیفیت میں اسے پکارا۔ "ساتوں گارڈ بھی مل گئے جناب۔"

"اچھا......... کہاں؟"

"وڈبری روڈ کے پاس درختوں کے ایک جھنڈ میں سوئے ہوئے تھے۔"

کیپٹن نقشے کی طرف مڑ رہا تھا کہ اسے کچھ خیال آگیا......... "سوئے ہوئے؟"

"جی ہاں۔"

کیپٹن ڈیمر نے البرٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت درکار ہے۔" البرٹ کی مسکراہٹ حوصلہ افزا تھی۔

☆------☆------☆

"میں اسے کھول سکتا ہوں۔" ہرمن نے کہا۔ "اس میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"میں شک کرنا بھی نہیں چاہتا۔ میں یہ تجوری کھلی دیکھنا چاہتا ہوں۔" چارلس بولا۔

اس وقت وہ سفر میں نہیں تھے۔ میسن ٹرالر کو وانڈر ٹرالر پارک لے آیا تھا......... اور انہیں ٹرالر کھڑا کرنے کے لئے خالی جگہ بھی مل گئی تھی۔ پارک کا مالک کہیں اور رہتا تھا۔ کسی ٹھہرے ہوئے مکان میں۔ یہ طے تھا کہ اسے صبح سے پہلے پتا نہیں چلے گا کہ اس کے پارک میں ایک اور ٹرالر کا اضافہ ہوگیا ہے۔

میسن فوراً ہی ٹریکٹر کیب لے کر روانہ ہوگیا تھا کہ وہ اسے کم از کم ۱۵ میل دور چھوڑ کر آئے گا۔ میگی اور میسن کی ممی مسز مَرچ نے بینک کو گھر بنا کر رکھ دیا تھا کم از کم باہر سے وہ چلتا پھرتا گھر ہی معلوم ہوتا تھا۔ ہرمن تجوری کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پروگرام کے مطابق ہرمن کو میسن کی واپسی تک تجوری کھول لینا تھی لیکن اب ہرمن کہہ رہا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔

"اہمیت ہے وقت کی۔" ہرمن نے کہا۔ "ایسی تجوری میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ دھات بھی مختلف ہے' قفل بھی مختلف ہے' ہر چیز مختلف ہے۔"

"یعنی دیر لگے گی؟" چارلس بولا۔

"ہاں۔"

"تو ہم انتظار کرلیں گے۔" چارلس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔ چھ ساڑھے چھ بجے تک بھی کام ہوگیا تو ٹھیک ہے۔"

ہرمن نے نفی میں سرہلایا۔ "صورتِ حال بہت......... بہت زیادہ خراب ہے۔"

میگی ان کے پاس آگئی۔ "پھر بھی......... تجوری کھلنے میں کتنی دیر لگے گی؟" اس نے پوچھا۔

"پورا دن بھی لگ سکتا ہے۔"

"بہت خوب!" چارلس نے طنزاً کہا

"سنو' اس تاخیر سے میں بھی تمہاری ہی طرح ناخوش ہوں۔" ہرمن نے کہا۔ "مجھے اپنے کام سے عشق ہے۔ سمجھے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہرمن۔" میگی نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن اسے کھولنا تو ضروری ہے۔"

”مجھے وقت درکار ہے۔ یہ طے پا گیا تھا کہ وقت کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ میں جتنا وقت چاہوں‘ لے سکتا ہوں۔“ ہرمن نے احتجاج کیا۔

”لیکن ہم اس ٹرالر کو کہیں چھپا تو نہیں سکتے۔ فی الوقت تو رنگ دینے‘ پردے لٹکانے اور پارک میں کھڑا کرنے سے کام چل رہا ہے لیکن صبح کے بعد تو گڑبڑ ہو جائے گی۔“ چارلس نے کہا۔

”ہم چھ ساڑھے چھ بجے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔“ ہرمن بولا۔ ”لیکن کیش لئے بغیر۔“

میگی‘ چارلس سے مخاطب ہوگئی۔ ”یہاں سے نکلنا ضروری کیوں ہے آخر؟“

”نہیں نکلیں گے تو پول کھل جائے گا۔“ چارلس نے جواب دیا۔

اسی وقت میسن کی ممی بھی وہاں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں فلیش لائٹ تھی۔ ”کیوں پول کھلے گا۔“ اس نے کہا۔ ”یہ ٹرالر کیمپ ہے۔ یہاں بے شمار ٹرالر ہیں۔ رنگ ہم نیا کر چکے ہیں‘ نمبر پلیٹ ہم بدل چکے ہیں‘ کھڑکیوں پر ہم نے پردے لٹکا دیئے ہیں‘ اس صورت میں پول کیسے کھل سکتا ہے؟“

”صبح کسی وقت اس پارک کا مالک یا منیجر آئے گا۔ اسے فوراً ہی پتا چل جائے گا کہ یہ غیر متعلقہ ٹرالر ہے۔ وہ دروزے پر دستک دے گا اور دروازہ کھلتے ہی اندر دیکھے گا۔“ چارلس نے پارٹیشن کی طرف اشارہ کیا۔ وہ واقعی کسی گھر کا تو نہیں بینک ہی کا نقشہ تھا۔

”ہوں.......... یہ تو ہے۔“

میگی بولی۔ ”اور اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی ہم یہاں ٹھہرنے کا کرایہ ادا کردیں تو؟“

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”میں سمجھا نہیں۔“ چارلس نے کہا۔

”دیکھو نا‘ یہ جگہ خالی تو تھی ہی۔“ میگی نے وضاحت کی۔ ”صبح ہم پارک کے مالک کے آتے ہی اسے کرایہ ادا کردیں تو ہم باضابطہ طور پر یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ جب تک جی چاہے‘ جب تک ضرورت سمجھیں۔“

ہرمن نے کہا۔ ”آئیڈیا تو اچھا ہے۔“

”واقعی۔ یہاں ہمیں کوئی تلاش نہیں کرسکتا۔“ مسز مرچ نے کہا۔

”میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ ڈاکے کی واردات ہے۔“ چارلس کچھ چڑ کر بولا۔ ”ڈاکا ڈالنے کے بعد بینک میں کبھی قیام نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے دور‘ بہت دور بھاگا جاتا ہے۔“

”لیکن یہاں معاملہ مختلف ہے۔ بینک تو خود ہمارے ساتھ بھاگا ہے۔“ ہرمن نے اعتراض کیا۔ ”یہاں ٹھہرنے کی صورت میں ہمیں بجلی بھی مل جائے گی۔ میں تجوری پر زیادہ بہتر طور پر کام کرسکوں گا۔“

چارلس نے منہ بنا کر ٹرالر کے اندر کے نقشے کو دیکھا اور بولا۔ ”یہ غیر معمولی صورتِ حال مجھے نروس کئے دے رہی ہے۔ میں طبعاً روایت پرست اور قدامت پسند ہوں۔“

”لیکن تم نے ہار ماننا کبھی پسند نہیں کیا۔“ میگی نے اسے یاد دلایا۔

چارلس چند لمحے سر کھجاتا رہا۔ ”یہ درست ہے۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن یہ کوئی روایتی واردات نہیں۔ جائے واردات پر گھر گرہستی کا تصور میرے حلق سے نہیں اترتا۔“

”ایک ہی دن کی تو بات ہے۔“ ہرمن بولا۔

”اور بجلی کی سپلائی اور پلمبنگ کے لئے پارک کے کارندے اندر تو آئیں گے ہی۔“ چارلس نے نکتہ اٹھایا۔

”پلمبنگ کی کیا ضرورت ہے؟“ مسز مرچ بولیں۔

”ٹھہریں گے تو ضرورت پڑے گی۔“

”تو یہ کام ہم خود کرلیں گے۔“ ہرمن نے کہا۔

چارلس نے اسے غصے سے دیکھا۔ دلیل پر دلیل‘ جواز پر جواز چلا آرہا تھا۔ ”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”میں‘ تم اور میسن یہ کام ابھی کرلیتے ہیں۔ صبح منیجر آئے گا تو میگی یا مسز مرچ اسے کرایہ تھما دیں گی۔ اسے بتایا جائے گا کہ ہم دیر سے آئے تھے۔ ہم نے کسی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ہر کام خود ہی کرلیا۔“

”لیکن ٹرالر کے اندر کا نقشہ؟“

"وہ ہر ٹرالر کی تلاشی تو لینے سے رہے۔" ہرمن نے کہا۔ "انہیں تو نیلے سفید ٹرالر کی تلاش ہوگی' جس پر کیپٹل بینک لکھا ہو اور وہ وہاں خواتین کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"اور اگر کسی نے ٹرالر کو اندر سے دیکھنا چاہا تو؟"

"تو میں کہوں گی.......... اس وقت تو ممکن نہیں آفیسر۔ میری بہن ابھی ابھی نہا کر باہر نکلی ہے۔" میگی نے جواب دیا۔

"کون ہے مارش؟" مسز مَرچ نے ابھی ابھی نہا کر نکلنے والی بہن کے مکالمے ادا کئے۔

"کچھ پولیس والے ہیں۔ پوچھ رہے ہیں کہ گزشتہ رات کسی بینک کو تو گزرتے نہیں دیکھا۔" میگی نے آخری مکالمہ بولا۔

"دونوں خواتین اعانت جرم کے الزام میں گرفتار ہوسکتی ہیں۔ آپ کو یقیناً جیل کی لانڈری میں کام پر لگایا جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔" دونوں خواتین بہ یک آواز بولیں۔

"اور یہ تجوری میرے لئے چیلنج بن گئی ہے۔ میں ہار نہیں مانوں گا۔" ہرمن نے اعلان کیا۔

چارلس نے اپنی زندگی کی طویل ترین آہ بھری۔ اسی وقت گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میسن آگیا تھا۔

☆------☆------☆

وکٹر اپنے کمرے میں بیٹھا ڈاکہ زنی کی حقیقی واردات کو ایک ناول کی حیثیت سے ریکارڈ کررہا تھا اس نے کسی کردار کا نام تبدیل نہیں کیا تھا۔ واقعات بھی اصلی تھے۔ ہر کردار کی آواز کی وہ کامیاب نقل اتار رہا تھا۔

"وکٹر؟"

وکٹر اچھل پڑا۔ مائیکرو فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بک کیس والا دروازہ کھلا ہوا تھا اور میسن وہاں کھڑا تھا۔ وکٹر کا چہرہ فق ہوگیا۔ میسن آگے بڑھ آیا۔ "کیا بات ہے وکٹر' خیریت تو ہے؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"مم.......... میں.......... میں ٹھیک ہوں۔ بس' تم نے مجھے چونکا دیا۔"

"مجھے کیلر نے بھیجا ہے۔"

"ہاں.......... ہاں' ٹھیک ہے۔" وکٹر نے کہا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ کیسٹ ریکارڈر اب تک چل رہا ہے۔ "ہمیں پھر اکٹھا ہونا ہے۔"

"کہاں؟"

"بینک میں۔"

"میرا مطلب ہے' بینک کہاں ہے؟" وکٹر کی دانست میں تو بینک اب بھی فٹ بال کے میدان میں تھا۔

"تم اپنی کار میں میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ آرہے ہو نا؟"

"ہاں' آرہا ہوں' لیکن گڑبڑ کیا ہوئی آخر؟"

"ہرمن کا کہنا ہے کہ تجوری جدید ترین ہے۔اسے کھولنے میں کل کا پورا دن لگے گا۔"

"چلو' میں چل رہا ہوں۔" وکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کیسٹ اور مائیکرو فون نکال کر جیکٹ کی جیب میں رکھا اور میسن کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔

چند لمحے بعد وہ اپنی کار میں میسن کی اسٹیشن ویگن کے پیچھے چل رہا تھا۔ کار کے ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر اس نے پچھلی ریکارڈنگ سنی۔ پھر اس نے میسن کے تمام ڈائیلاگ مٹائے اور ازسرنو ریکارڈنگ شروع کردی۔ نئی دشواری نے ناول کے متن کو اور بڑھا دیا تھا۔

☆------☆------☆

اگر ٹارچ کی روشنی باکس پر پڑے گی تو میں بہتر کام کرسکوں گا۔" ہرمن نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"سوری۔" کیلر نے کہا اور ٹارچ سیدھی کردی۔ "دراصل روشنی میرے جسم پر پڑ رہی تھی۔" اس نے وضاحت کی۔

"اب اسے میرے جسم پر بھی مت ڈالو۔ خدا کے لئے باکس کی طرف رکھو اس کا رخ۔"

"اوکے۔" کیلر نے ٹارچ کو مزید گھمایا۔

"اور میری گردن پر اس بری طرح مت پھنکارو۔"

"اوکے۔" کیلر نے کہا اور ایک انچ دور ہٹ گیا۔

ہرمن کو اپنے چڑچڑے پن کا احساس ہوگیا۔ اس نے طویل سانس لے کر جسم کو ڈھیلا چھوڑا.......... اور خود کو دماغ ٹھنڈا رکھنے کی تلقین کی۔ اس باکس کے ذریعے پاور اور سیور کی لائنیں ٹرالر سے منسلک ہونا تھیں اسے کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اس لعنتی تجوری نے اس سے اعتماد چھین لیا تھا۔ اب اس سے وہ باکس بھی نہیں کھل رہا تھا۔

"عام حالات میں.........." ہرمن نے اس بار نرم لہجے میں کہا۔ "یہ تالے میرے لئے کھلونوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"یقیناً.......... یقیناً۔" کیلر نے سرہلا کر کہا۔

"اس تجوری نے میرے اعتماد کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"لیکن اب بھی تم عہد ساز قفل شکن ہو۔" کیلر نے یوں کہا جیسے موسم پر تبصرہ کر رہا ہو۔

دشواری یہ تھی کہ وہ باکس کا تالا بھی توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ہرمن اس حقیر باکس کے قفل پر اب تک نصف درجن اوزار آزما چکا تھا۔ وہ باکس کے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن سوچ مسلسل تجوری کے بارے میں رہا تھا۔ "میں اسے کھول کر چھوڑوں گا۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ کوئی کچھ بھی سمجھے۔" اس کا اشارہ تجوری کی طرف تھا۔ باکس نہ کھلنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کام کرتے کرتے وہ تجوری کے بارے میں سوچنے لگا۔ باکس پر کام کرنے والا ہاتھ بے مقصد حرکات میں مصروف رہتا۔ اس وقت بھی یہ احساس ہوتے ہی اس کے منہ سے نکلا۔ "ارررر.........."

"کوئی گاڑی آرہی ہے۔" کیلر نے کہا۔

"نہیں۔ یہ آواز میرے منہ سے نکلی ہے۔" ہرمن نے بتایا۔

"گاڑی ہے بھئی اور ہیڈ لائٹس صاف نظر آرہی ہیں۔" کیلر نے کہا اور ٹارچ بجھادی۔

ہرمن نے ہائی وے کی طرف دیکھا اور بولا۔ "میسن تو نہیں ہوسکتا۔ ابھی تو گیا ہے وہ۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔ چار بجے ہیں۔"

"چار.........." ہرمن حیرت اور بے یقینی سے اسے گھورنے لگا۔ "کیا مطلب؟ میں نے اس حقیر تالے میں اتنی دیر.......... لاؤ' ٹارچ مجھے دو۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔

"ابھی نہیں۔ کیا پتا۔ یہ میسن نہ ہو۔"

"مجھے ٹارچ کی ضرورت بھی نہیں۔" ہرمن نے بھنا کر کہا اور اندھیرے ہی میں باکس پر پل پڑا۔

آنے والا میسن ہی تھا۔ اس کے اترتے ہی کیلر نے ٹارچ آن کی اور اس کا باکس کی طرف رخ کیا۔ "ارے.......... تم نے تو تالا کھول بھی لیا۔"

"ہاں۔" ہرمن نے غرا کر کہا۔ "تم اتنے زیادہ حیران کیوں ہو۔ مجھے کیا سمجھ رکھا ہے تم نے۔"

"میں تو.......... بس یونہی۔" کیلر گڑبڑا گیا۔ "یہ لو' میسن اور وکٹر بھی آگئے۔"

لیکن سٹیشن ویگن سے اترنے والا صرف میسن تھا۔ اس نے سیاہ باکس کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کھل گیا یہ؟“

”دیکھو......... تجوری مجھے تنگ کر رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میری پیشہ ورانہ عزت..........“

مین بوکھلا گیا۔ ”ارے.......... میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔“

”وکٹر کہاں ہے؟“ کیلر نے پوچھا۔

”یہ آ گیا۔“ مین نے اشارہ کیا۔ ”بہت آہستہ ڈرائیو کرتا ہے۔“

اس دوران بینک سے چارلس بھی نکل آیا۔ ”کام ہو گیا۔“ ہرمن نے باکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بتایا۔

چارلس نے پہلے گھڑی دیکھی، پھر ہرمن کو دیکھا.......... اور بولا۔ ”گڈ.......... ویری گڈ.......... ویری ویری گڈ..........“

”دیکھو..........“ ہرمن نے جارحانہ انداز میں کہا لیکن غصے کی شدت سے اس کی آواز گھٹ گئی۔ وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ اتنی دیر میں وکٹر بھی آ گیا۔

چارلس نے وکٹر سے کہا۔ ”اندر چلو، کچھ بات کرنی ہے۔ یہ لوگ یہاں کام سنبھال لیں گے۔“ اس نے کیلر اور مین کی طرف اشارہ کیا۔

کام سے مراد، پانی، بجلی اور سیور لائن کی سپلائی تھی۔ کیلر نے اسے یقین دلایا۔ ”تم بے فکر رہو۔ کام ہو جائے گا۔“

”پائپ میں لیتا ہوا آیا ہوں۔“ مین نے کہا۔

”آہستہ بولو.......... بلکہ مت بولو۔“ چارلس نے ہدایت کی۔

”بہتر جناب۔“

ہر طرف مستعدی اور کارکردگی کا دور دورہ تھا۔ ہرمن نروس ہو گیا۔ ”میں اندر جا رہا ہوں۔ مجھے کام کرنا ہے۔“

چارلس اور وکٹر بھی اس کے ساتھ ٹرالر میں چلے آئے۔ ”تمہیں مین نے کچھ بتایا؟“ چارلس نے وکٹر سے پوچھا۔

”صرف اتنا کہ تجوری ہرمن کے قابو میں نہیں آ رہی ہے۔“

اس پر ہرمن نے گھبرا کر اسے دیکھا.......... غرایا.......... لیکن خاموش رہا۔

”یہ مین بہت اچھا ڈرائیور ہے۔“ وکٹر نے ستائشی لہجے میں کہا۔

”اس کا کام ہی یہی ہے۔“ چارلس بولا۔

اس پر ہرمن ایک بار پھر غرایا۔ اب دوسروں کی تعریف میں بھی اسے اپنی توہین محسوس ہو رہی تھی۔

”یہاں تاش کی گڈی موجود ہے۔“ مسز مرچ نے وکٹر کو بتایا۔ ”ابھی ابھی تجوری کے پاس سے مجھے پھول کی تتلی ملی ہے۔“

”بہت خوب!“ وکٹر نے کہا اور ہرمن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”تمہیں مدد کی ضرورت ہے؟“

”نہیں۔“ ہرمن نے غرا کر کہا لیکن فوراً ہی تصحیح کر ڈالی۔ ”میرا مطلب ہے.......... ہاں۔“

”وکٹر.......... تم ہرمن کا ساتھ دو گے۔“ چارلس نے کہا۔ وکٹر نے سر کو اقراریہ جنبش دی۔

”تم تھوڑا سا فرنیچر کھسکا دو۔“ مین نے چارلس سے کہا۔ ”اس صورت میں یہ جگہ کچھ تو بلینک لگ سکے گی۔“

چارلس عملہ، صفائی میں شامل ہو گیا۔ ہرمن نے وکٹر سے کہا۔ ”میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔“

وکٹر چوکنا ہو گیا۔

”میں اس تجوری پر بہ یک وقت وہ تمام حملے کرنے والا ہوں جو انسانوں نے آج تک تجوریوں پر کئے ہیں۔“

”بہت بہتر۔“ وکٹر نے کہا۔ ”میرے لئے کیا حکم ہے؟“

”تم ہینڈل گھماؤ گے۔“

☆------☆------☆

وہ لوگ تاش کھیل رہے تھے۔ میگی نے چارلس کے اٹھے پر پتا مارتے ہوئے کہا۔ ”اس سے بہتر کافی میں خود بنا سکتی تھی۔“

”اس وقت ایک ہی ریسٹورنٹ کھلا ہوا تھا۔ جو کچھ بھی مل سکا، میں لے آیا۔“ مین

نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا.......... اور پنجا پھینک دیا۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہی ہوں۔" میگی بولی۔

میسن کی ممی نے کافی کا مگ نیچے رکھا۔ چند لمحے اپنے پتوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی رہی۔ بالآخر ایک طویل آہ بھر کے اس نے غلام پھینکا اور چاروں پتے سمیٹ لئے۔

"ہوشیار.......... خبردار..........! ممی بے ایمانی بہت کرتی ہیں۔" میسن نے شور مچایا۔

"چپ رہو۔" مسز مَرچ نے اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ ہاتھ بنانا بہت ضروری تھا۔"

میگی ٹرالر کے دروازے کے پاس بیٹھی تھی۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ سڑک پر اور پارک کے داخلی دروازے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ سات بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اجالا ہو چکا تھا۔ پارک کے کچھ باسی کام پر روانہ ہو چکے تھے۔ اب تک کسی نے بینک کی وہاں موجودگی کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ نہ تو پارک کا منیجر آیا تھا اور نہ ہی اب تک پولیس نے وہاں قدم رکھا تھا۔

انہوں نے پرانے پارٹیشن کو ہٹا کر ایک نیا پارٹیشن تخلیق کیا تھا۔ تجوری اس کی اوٹ میں تھی اور باہر سے نظر نہیں آسکتی تھی۔ اس طرف ہرمن تجوری سے لڑ رہا تھا۔ کیلر اور وکٹر اس کی مدد کر رہے تھے۔ میسن اور چارلس تاش کھیل رہے تھے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی بدلنا تھی۔

ہرمن اب تک دو چھوٹے چھوٹے دھماکے کر چکا تھا لیکن تجوری ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

بینک اب کاروباری رہائشی سیٹنگ کی درمیانی حالت میں تھا یعنی بینک نہیں کہا جاسکتا تھا تو گھر کہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ کچن کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"کوئی آرہا ہے۔" اچانک میگی بڑبڑائی۔ "منیجر ہے شاید۔"

ایک نیلی اور سفید اسٹیشن ویگن آفس کے سامنے رکی تھی۔ اس میں سے ایک دبلا پتلا، پستہ قامت آدمی اترا۔ "میں ابھی آئی۔" میگی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

"ممی گردن والی پلاسٹک کی پٹی۔" میسن نے مسز مَرچ کو یاد دلایا۔ اس پٹی پر اچھا خاصا ہنگامہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ مسز مَرچ اسے پہننے پر تیار ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"میں نہیں پہنوں گی۔" مسز مَرچ نے صاف انکار کر دیا۔

میگی دفتر میں داخل ہو گئی۔ دبلا پتلا آدمی میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ اس نے میگی کو چونک کر دیکھا۔ "یس مس؟ یس؟"

"ہم ایک ہفتہ ٹھہریں گے۔ میں ادائیگی کرنے آئی ہوں۔" میگی نے کہا۔

"ایک ہفتہ..........! ٹرالر ہے آپ کے پاس؟" اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

"جی ہاں۔ آپ ایک ہفتے کا کرایہ بتائیں۔"

"۲۷.۵ ڈالر، لیکن آپ کا ٹرالر کہاں ہے؟"

"ہم تو کل رات ہی آگئے تھے۔"

"کب؟ میں نے تو کوئی آواز نہیں سنی!" منیجر اچھل پڑا۔ پھر وہ دروازے کی طرف لپکا میگی تعجب سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر منیجر واپس آگیا۔ "ہاں.......... ٹرالر تو ہے۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ خیر.......... فارم بھر دیں۔" اس نے کئی درازیں کھولیں اور بند کیں۔ بالآخر فارم میگی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ نروس ٹائپ کا آدمی تھا۔ "آپ فارم بھریں میں اتنی دیر میں پانی بجلی کی سپلائی کے سلسلے میں کچھ کرتا ہوں۔"

"یہ کام تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔" میگی نے کہا اور تالا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا؟ تالا کھلا ہوا تھا!" منیجر بوکھلا گیا۔ "اگر باس کو پتا چل گیا تو.........." اس نے ملتجی نگاہوں سے میگی کو دیکھا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں نہیں بتاؤں گی۔" میگی نے کہا۔ نروس منیجر اسے بھی نروس کئے دے رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس سے جان چھڑا لینا چاہتی تھی۔

میگی نے فارم بھرا۔ فارم کے مطابق ٹرالر میں چار افراد تھے۔ مسز پورٹ (وہ خود) مسز لومز (میسن کی ممی) اور ان کے دو بیٹے اسٹین اور وکٹر (میسن اور وکٹر) چارلس، کیلر اور ہرمن کا وجود ہی نہیں تھا۔ منیجر اب کسی حد تک پُرسکون بھی ہو گیا تھا.......... اور میگی کی موجودگی کا عادی بھی۔ میگی نے فارم اور ۲۷.۵ ڈالر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کا یہاں قیام پُرلطف ثابت ہوگا۔" منیجر نے رسم پوری کی۔

"شکریہ" میگی نے کہا اور واپسی کے لئے پلٹنے لگی۔ اسی وقت اس نے منیجر کا چہرہ فق ہوتے دیکھا۔ میگی نے پلٹ کر دیکھا۔ آفس میں دو پولیس والے آگئے تھے۔ وہ خود بھی

نروس ہوگئی لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اسے نروس ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ان کو دیکھے بغیر آفس سے نکلی اور ٹرالر بینک کی طرف چل دی۔ وہ بینک تک پہنچی تھی کہ اس نے بینک کو خفیف سا اٹھتے دیکھا۔ شاید ہرمن نے پھر کوئی دھماکا کیا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ٹرالر کے روشن دان سے سفید دھواں بلند ہوتا دکھائی دیا۔

ٹرالر کے دروازے پر قدمچوں کا اب بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ چارلس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دی۔

"شکریہ۔" میگی نے کہا۔ "یہاں پولیس والے آگئے ہیں۔"

"میں دیکھ چکا ہوں......... اور کیونکہ بے وجود ہوں' اس لئے پارٹیشن کے اس طرف جارہا ہوں۔" چارلس نے کہا۔

"لیکن پتے نہ ملانا۔" میسن کی ممی نے اپیل کی۔ "بہت دیر بعد میرے پاس اچھے پتے آئے ہیں"

"ممی' پلیز......... اب گردن کی پٹی پہن لو۔" میسن نے التجا کی۔

"میں آخری بار تمہیں بتا رہی ہوں' میں یہ پٹی نہیں پہنوں گی۔"

"آپ تو کیس کو یہیں ہروادیں گی۔" میسن نے احتجاج کیا۔

"میں اس وقت ایک مسروقہ بینک میں کھڑی ہوں۔" مسز مَرچ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہاں پکڑی گئی تو کیس کی اہمیت ہی کیا ہے۔ پھر تو ڈاکا زنی کا کیس چلے گا۔"

"لیکن انشورنس کیس جیتنے کی صورت میں ہم ایک دوسرے کیس کے لئے کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرسکیں گے۔" میسن نے دلیل دی۔

"یہ کس قسم کی حوصلہ افزا گفتگو ہو رہی ہے۔" میگی نے احتجاج کیا۔

چارلس پارٹیشن کے اس طرف چلا گیا تھا اور اب وہاں خاموشی تھی۔ شاید چارلس نے ہرمن کو مزید کارروائی سے روک دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وکٹر اس طرف والے حصے میں چلا آیا۔ "تو وہ یہاں تک پہنچ ہی گئے۔" اس نے کہا۔ اس کی باچھیں کھلی جارہی تھی۔

میگی نے دروازہ بند کیا اور کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ "اب وہ آفس سے باہر آرہے ہیں۔" اس نے کمنٹری کی۔

"یاد رکھنا' وہ وارنٹ کے بغیر اندر نہیں آسکتے۔"

"پتا ہے مجھے۔"

لیکن دونوں پولیس والے اندر آنے کے بجائے باہر کی طرف چل رہے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے بھی جارہے تھے۔ انہوں نے بینک کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

وکٹر دوسری کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ "لو......... بارش شروع ہوگئی۔" اس نے کہا۔ "اب وہ اپنی کار کی طرف بھاگیں گے۔"

ہوا بھی یہی۔ بارش تیز ہوتے ہی پولیس والے اپنی کار کی طرف لپکے۔ میگی مغرب سے اٹھنے والی گھٹا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "لگتا ہے' زوردار بارش ہوگی۔"

"ہمیں کیا پروا؟ ہم تو بینک میں آرام سے رہیں گے۔ گرم اور خشک۔" وکٹر نے لاابالی پن سے کہا۔

"وہ دونوں گئے یا نہیں؟" میسن کی ممی نے پوچھا۔

"کار میں بیٹھ رہے ہیں......... لو......... وہ گئے۔" میگی نے کہا اور مسکراتی ہوئی کھڑکی سے ہٹ آئی۔ "کمال ہے۔ مجھے اب پتا چلا' میں نروس ہو رہی تھی۔"

"چلو......... تاش کھیلیں۔" مسز مَرچ نے کہا اور چارلس کو پکارا۔

"چارلس......... اپنے پتے لے کر آؤ۔"

چارلس اس طرف آگیا ور وکٹر دوبارہ کیلر اور ہرمن کے پاس چلا گیا۔ کھیل پھر شروع ہوگیا۔ "ہشیار......... خبردار! ممی پھر بے ایمانی کے موڈ میں ہیں۔" میسن نے اعلان کیا۔

"بکواس مت کرو۔" مسز مَرچ نے اسے ڈانٹ دیا۔

دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھٹھر کر رہ گئے۔ میگی نے اٹھ کر کھڑکی سے جھانکا۔ "کوئی چھتری لئے کھڑا ہے۔" اس نے بتایا۔ بارش بہت تیز ہوگئی تھی۔

"جلدی سے پیچھا چھڑاؤ۔" چارلس نے کہا اور جلدی سے پارٹیشن کے اس طرف چلا گیا۔

میگی نے دروازہ کھولا۔ پارک منیجر کھڑا تھا اور پہلے سے زیادہ نروس دکھائی دے رہا تھا۔ میگی پریشان ہوگئی۔ اتنی بارش میں اسے اندر نہ بلانا......... یہ دشوار مرحلہ تھا۔

"میں کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔ بارش کے شور میں اس سے آہستہ بات کرنا ممکن نہیں تھا۔

"میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میگی بھی جواباً چلائی۔

"ذرا دیکھو۔" منیجر نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔ میگی نے جھک کر دیکھا۔ اس کے بال بھیگ گئے۔ ٹرالے کے نیچے سبز پانی دیکھ کر وہ دہل گئی۔ "او.......... مائی گاڈ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"میں کسی صورت میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" منیجر پھر چلایا۔

"آؤ.......... اندر آجاؤ۔" میگی نے اسے اشارہ کیا۔

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "نہیں' نہیں مجھے مصیبت میں نہیں پھنسنا۔"

"تو اب تم کیا کرو گے؟" میگی نے پوچھا۔

"میں تمہیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔ "باس مجھے نکال باہر کرے گا میرے لئے مصیبت نہ بنو۔"

"تم پولیس کو تو نہیں بلاؤ گے؟"

"بس.......... تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ سمجھوں گا کہ یہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔"

میگی کچھ سوچنے کی کوشش کرتی رہی۔ "ہمیں ایک گھنٹے کی مہلت چاہئے۔" بالآخر اس نے کہا۔

"یہ بہت زیادہ ہے۔"

"ہمیں ایک ٹرک لانا ہوگا۔ یہاں ٹرک تو ہے نہیں ہمارے پاس۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک گھنٹے سے ایک منٹ بھی زیادہ نہیں۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

"وعدہ رہا۔"

"اور مجھے کنکشن بھی کاٹنے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" میگی نے کہا۔ منیجر اب بھی کھڑا تھا۔ شاید وہ ٹرالر کا دروازہ بند ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی کہ کیا اس کا شکریہ ادا کرے لیکن پھر اس نے

فیصلہ کیا کہ منیجر کو شکریے کی نہیں' یقین دہانی کی ضرورت ہے۔ "آپ کسی مصیبت میں نہیں پھنسیں گے۔" اس نے چیخ کر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

چارلس اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے پوری گفتگو سن لی تھی

"اب ہمیں ٹرالر لے کر کہیں اور جانا ہوگا۔" میگی نے کہا۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سے مع رقم دستبردار ہو جائیں۔"

ہرمن اور کیلر بھی اس طرف آگئے۔ ہرمن نے کہا۔ "دست بردار ہو جائیں؟ ابھی تو جنگ شروع ہوئی ہے۔"

کیلر نے کہا۔ "مسئلہ کیا ہے آخر؟ اسے پتا کیسے چلا؟"

میگی نے وضاحت کی۔ "ہم نے واٹر کلر کیا تھا۔ بارش نے اسے دھو ڈالا ہے۔"

ہرمن بولا۔ "ہمیں کہیں اور جانا ہوگا میں اس تجوری سے شکست تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ میری عزت کا سوال ہے۔"

"اس وقت تک لانگ آئی لینڈ کا ہر پولیس مین اس ٹرالر کی تلاش میں مصروف ہوگا۔" چارلس نے کہا۔ "اب تو سبز رنگ بھی دھل گیا ہے ہم اسے لے کر کہاں جائیں اور کیسے جائیں گے؟"

.اور اب تو کوئی ٹرک بھی نہیں ہے۔ جو اسے گھسیٹے۔" میسن نے کہا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" کیلر جھٹ بولا۔ "ٹرک تو جب کہو اٹھا لاؤں۔"

"اور اتنی تیز بارش میں بینک کی تلاش بھی شدت سے نہیں کی جا رہی ہوگی۔ تمام پولیس والے بارش سے چھپتے پھر رہے ہوں گے۔" وکٹر نے کہا۔ اسے اپنا ناول خطرے میں نظر آ رہا تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔" چارلس نے بدمزگی سے کہا۔ "یہ بھی تو دیکھو کہ تلاش کس چیز کی ہے۔ یہ کوئی سوئی نہیں' پچاس فٹ لمبا بارہ فٹ چوڑا ٹرالر ہے۔ یہ تو خود بخود مرکز نگاہ بن جائے گا۔"

میگی اس دوران سوچتی رہی تھی۔ اسے دولت کی ہوس نہیں تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس واردات میں ناکامی کے بعد چارلس کا کیا حال ہوگا۔ "سنو.........." اس نے کہا۔

"میں نے ایک گھنٹے کی مہلت لے لی ہے۔"

اسی وقت لائٹ آف ہوگئی۔ "ہاں.......... ایک گھنٹے میں ہم اپنے اپنے گھر پہنچ کر بستروں میں گھس سکتے ہیں۔ ہم بھول جائیں گے کہ ہم نے کوئی واردات کی تھی۔" چارلس بولا۔

"ہمارے پاس دو کاریں ہیں۔ ہم ایک گھنٹے میں کوئی متبادل جگہ تلاش کرسکتے ہیں۔ کوئی جگہ نہ ملی تو سب کچھ ختم۔" میگی نے تجویز پیش کی۔

"ہاں.......... یہ ٹھیک ہے۔ اس دوران میں تجوری پر کام کرتا ہوں۔" ہرمن نے کہا اور پارٹیشن کے دوسری طرف چلا گیا۔

"اب تو سردی لگ رہی ہے۔" مسز مَرچ نے کہا۔

"پلاسٹر کی پٹی پہن لیں۔ گرم ہوجائیں گی۔" مین نے تجویز پیش کی۔ مسز مَرچ نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

چارلس نے آہ بھر کے کہا۔ "میں خوفزدہ ہوں کہ ہمیں کوئی نہ کوئی متبادل جگہ مل بھی جائے گی!"

☆======☆======☆

چارلس اور کیلر ایک گاڑی میں تھے۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اس جاب کے سلسلے میں تمہیں موردِ الزام ٹھہرانا غلط ہوگا۔" چارلس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔" کیلر نے کہا۔ وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

"لیکن میں تمہیں موردِ الزام ٹھہرا رہا ہوں۔"

"یہ تو زیادتی ہے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔

انہیں ساڑھے نو بجے تک بینک واپس پہنچنا تھا اور سوا نو بج چکے تھے۔ کیلر نے ایک ٹرک ڈھونڈ نکالا تھا۔ ٹرک مین کو دے دیا گیا تھا اور کیلر خود اسٹیشن ویگن ڈرائیو کر رہا تھا۔ وکٹر اور مسز مَرچ وکٹر کی پیکارڈ میں اسی کام کے لئے نکلے تھے.......... یعنی ٹرالر کو چھپانے کے لئے متبادل جگہ کی تلاش میں۔

"واپس چلو۔ اب کوئی جگہ نہیں ملے گی۔" چارلس نے کہا۔

"چلیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے.......... اور اتنی مایوسی کیسی؟"

"کیونکہ یہ علاقہ ہم گزشتہ ہفتے چھان چکے ہیں۔" چارلس نے کہا۔ "اور بینک کو

چھپانے کے لئے پچھلے ہفتے جگہ نہیں تھی تو اب بھی نہیں ہوگی۔"

"بس پانچ منٹ اور۔ پھر واپس چلیں گے۔"

"اس بارش میں تو ویسے بھی کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔"

"کیا پتا.......... قسمت کسی وقت جلوہ دکھادے۔" کیلر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چارلس نے کیلر کو گھور کر دیکھا لیکن وہ ڈرائیونگ میں منہمک تھا۔ چارلس بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن جانتا تھا کہ کیلر کی موٹی کھال کے لئے ناکافی ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس نے سر جھکا لیا۔

"بارش دھواں دھار ہو رہی ہے۔" کیلر نے کہا۔ چارلس خاموش رہا۔ کیلر بھی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر چارلس نے کہا۔ "اب تو پانچ منٹ ہوگئے ہوں گے۔"

"ابھی ایک منٹ باقی ہے۔"

چارلس ونڈ شیلڈ کو گھورتا رہا۔ ایک بات امید افزا تھی۔ ابھی تک کوئی پولیس والا نظر نہیں آیا تھا۔ دو ایک پیٹرول کاریں ضرور نظر آئی تھیں لیکن وہ معمول کے مطابق گشت کر رہی تھیں۔ بارش نے جہاں انہیں دھچکا پہنچایا تھا' پولیس کی کارروائی کو بھی تقریباً ختم ہی کر دیا تھا۔ چارلس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے یہی اس کی زندگی کی کہانی ہے۔ کیلر اسے ایک امید پر گھسیٹے لئے پھر رہا تھا۔ اس کی قسمت کبھی اچھی نہیں رہی تھی.......... لیکن بری بھی نہیں رہی تھی۔ یہ عجیب امتزاج تھا۔ مثبت نے منفی کو بھی کاٹ دیا تھا۔ بارش قسمت کی نمائندگی کر رہی تھی اور اس نے دونوں کام کئے تھے۔

اس نے آہ بھر کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ "وقت پورا ہوگیا ہے کیلر!"

کیلر نے ہچکچاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "ٹھیک ہے اگلے موڑ سے دوسری سڑک پر چلیں گے۔"

"اسی سڑک سے واپس چلو۔"

"میں ایک راستے سے دوبار گزرنا پسند نہیں کرتا۔"

چارلس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے لگا۔ میگی ٹرالر کے دروازے پر اس کی منتظر ہے۔ ہرمن نے تجوری کھول لی ہے' وہ اسے بتا رہی ہے۔ پھر ہرمن نمودار ہوا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں گڈیاں ہیں۔ مین کی ممی نے گردن

والی پلاسٹر کی پٹی باہر بارش میں اچھال دی ہے اور چیخ رہی ہے! مجھے انشورنس کی رقم نہیں چاہئے' پس منظر میں وکٹر مسکرا رہا ہے۔

کیلر نے اچانک بریک لگائے۔ اسٹیشن ویگن دائیں جانب پھسلی۔ چارلس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ اس کا خواب بکھر گیا۔ "کیا مصیبت ہے؟" وہ غرایا۔

"وہ دیکھو......... وہ دیکھو۔" کیلر ہیجانی انداز میں چلایا لیکن جس طرف وہ اشارہ کر رہا تھا' وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم عقب سے ایکسیڈنٹ کرانے کے ماہر ہو۔" چارلس نے اسے داد دی۔

"تم دیکھ لو........." کیلر نے کہا اور گاڑی کو ایک طرف موڑا اور پارکنگ لاٹ میں لے آیا۔ تب کہیں چارلس کو وہ چیز نظر آئی۔ جس کی طرف کیلر اشارہ کر رہا تھا۔ "میں نے دیکھ لیا۔ تو پھر؟" وہ غرایا۔

"نہیں سمجھے؟"

"نہیں۔"

کیلر نے پھر اشارہ کیا۔ "ہم ٹرالر کو یہاں کھڑا کر سکتے ہیں۔"

چارلس گھورتا رہ گیا۔ "لعنت ہے۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ کوئی جگہ مل جائے گی۔"

"بہت مناسب جگہ ہے۔" کیلر نے کہا۔

چارلس کیا کرتا۔ وہ مصیبت سے جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ مسکراہٹ تو کہیں اس کے اندر سے ابھری تھی......... سچی مسکراہٹ! "لعنت ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆======☆======☆

"مجھے بارش سے نفرت ہے۔" کیپٹن ڈیمر نے کہا۔

"یس سر!"

"مجھے بارش سے شروع ہی سے نفرت ہے لیکن اتنی نفرت کبھی نہیں تھی جتنی آج محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ دونوں اس وقت ایک پیٹرول کار کی عقبی نشست پر بیٹھے تھے جسے کیپٹن ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال کر رہا تھا۔ اگلی نشست پر دو پیٹرول مین تھے۔ بائیں جانب ڈرائیور اور دائیں جانب ریڈیو آپریٹر۔ ریڈیو پر ان کا رابطہ پولیس اسٹیشن ہی سے نہیں'

ان تمام پیٹرول کاروں سے بھی تھا جو بینک کی تلاش میں مصروف تھیں لیکن اب بارش کی وجہ سے ریڈیو الفاظ کی زبان کے بجائے گڑگڑاہٹ کی زبان میں بات کر رہا تھا اور یہی بات کیپٹن کے نروس سسٹم پر بری طرح اثر انداز ہو رہی تھی۔

کیپٹن آگے کی طرف جھکتے ہوئے غرایا۔ "تم اس ذلیل ریڈیو کا کچھ نہیں کر سکتے؟" خطاب ریڈیو آپریٹر سے تھا۔

"سر......... یہ موسم کی وجہ سے گڑبڑ کر رہا ہے۔"

"اور تمہارے خیال میں یہ بات مجھے معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا ہے کہ تم اس کا کچھ نہیں کر سکتے؟"

"بلندی پر اس کی کارکردگی بہتر ہو سکتی ہے جناب۔ میرا طلب ہے' اگر ہم کسی پہاڑی کا رخ کریں۔"

کیپٹن ڈرائیور پر الٹ پڑا۔ "سن رہے ہو۔ کسی پہاڑی کا رخ کیوں نہیں کرتے۔"

"یس سر۔"

کیپٹن' لیفٹیننٹ وائٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "پہاڑی!" اس نے یوں دہرایا جیسے یہ لفظ اس کے لئے ذاتی توہین کے مترادف ہو۔

"یس سر۔" وائٹ اس وقت ہر چیز کی تائید کے لئے تیار تھا......... بہ اعتبار ضرورت.........' ورنہ نو سر!

"یہ میرا چلتا پھرتا ہیڈ کوارٹر ہے......... اور میں کسی سے اس وقت تک رابطہ نہیں کر سکتا' جب تک کہ کسی پہاڑی پر نہ چڑھ جاؤں۔ کیا چلتا پھرتا ہیڈ کوارٹر ایسا ہی ہوتا ہے؟"

لیفٹیننٹ پریشان ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں اس بات کا جواب نہیں آیا۔ وہ یس سر اور نو سر کے درمیان معلق رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ خاموشی ہی میں عافیت ہے۔

جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کیپٹن نے ڈرائیور سے پوچھا۔ "تمہیں اب تک کوئی پہاڑی نہیں ملی؟"

"میرا خیال ہے کہ کچھ آگے ایک پہاڑی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔ "لیکن اس بارش میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

”مجھے بارش سے نفرت ہے۔“ کیپٹن نے کہا اور دانت نکال کر گویا بارش کا منہ چڑایا............ ریڈیو سے بدستور عجیب و غریب آوازیں نشر ہو رہی تھیں۔ بارش کار کی چھت پر شور مچا رہی تھی۔ کیپٹن کی بائیں آنکھ پھڑ پھڑنے لگی۔

”اس ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک دوں کیپٹن؟“ ڈرائیور نے پوچھا۔

”کیپٹن نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بولا۔ ”روک دو۔“

”میرا خیال ہے' انشورنس کمپنی نے ادائیگی کردی ہوگی جناب؟“ ریڈیو آپریٹر بولا۔

”کہاں کی ہانک رہے ہو؟“ کیپٹن نے منہ بنا کر کہا۔

”اس ریسٹورنٹ میں گزشتہ سال آگ لگی تھی جناب! جل کر خاک ہو گیا تھا بالکل۔“

”بہرحال' پھر تعمیر ہو گیا ہے۔“ لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

”لگتا ہے' ابھی کھلا نہیں ہے دوبارہ۔“ ریڈیو آپریٹر نے تبصرہ کیا۔

کیپٹن کو یہ غیر متعلقہ گفتگو بری طرح کھل رہی تھی۔ ”ہم یہاں ریسٹورنٹ کے متعلق باتیں کرنے نہیں بلکہ پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔“

”یس سر۔“ اس کے تینوں ماتحتوں نے بہ یک آواز کہا۔

ریسٹورنٹ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اس کے اور سڑک کے درمیان کنکریلا پارکنگ لاٹ تھا۔ سڑک کے کنارے سائن بورڈ پر لکھا تھا............ ”میکبے ریسٹورنٹ“ ڈرائیور نے گاڑی اس کے نزدیک روکی۔

ریڈیو مین پولیس اسٹیشن سے رابطہ ملانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ ایک منٹ بعد گڑگڑاہٹ کے درمیان ہلکی سی آواز سنائی دی۔ ”رابطہ مل گیا۔“ ریڈیو آپریٹر نے خوش ہو کر کہا۔

”گڈ............ انہیں بتاؤ کہ ہم کہاں ہیں۔“ کیپٹن نے کہا۔ ”ارے............ یہ جگہ کون سی ہے؟“

”میکبے ریسٹورنٹ جناب۔“

کیپٹن نے لڑاکا بیل کے سے انداز میں سر جھکایا جو کسی پر جھپٹنے کی تیاری کر رہا ہو۔ ”یہ بورڈ میں بھی پڑھ چکا ہوں سمجھے؟“ وہ غرایا۔ ”میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ علاقہ کون

سا ہے؟“

”یہ ساگا پوناک کے قریب کوئی مقام ہے جناب۔“ ریڈیو آپریٹر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تو پولیس اسٹیشن کو یہی پوزیشن بتا دو۔“

”بہتر جناب۔“

”اور معلوم کرو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”یس سر۔“

”اور انہیں بتاؤ کہ ہم غیر معینہ مدت کے لئے یہاں ٹھہر گئے ہیں۔“

”یس سر۔“

”بتا دو کہ ہم اس وقت تک یہیں رکیں گے' جب تک بینک نہیں مل جاتا' یا بارش نہیں رک جاتی یا میں پاگل نہیں ہو جاتا۔“

ریڈیو آپریٹر پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ ”یس سر۔“

کیپٹن' لیفٹیننٹ وائٹ کی طرف متوجہ ہوا جس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ”مجھے بچپن ہی سے بارش سے نفرت ہے۔“ کیپٹن نے کہا۔

”یس سر۔“

کیپٹن کی بائیں آنکھ یوں پھڑپھڑائی جیسے اب بند ہی ہو جائے گی۔ ”میں یس سر' یس سر سنتے سنتے بیزار ہو گیا ہوں۔“

”یس سس۔“ لیفٹیننٹ بوکھلا گیا۔

”سر' میں نے پولیس اسٹیشن کو اپنی پوزیشن بتا دی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں جس کی رپورٹ دی جائے۔“

”ظاہر ہے۔“

”وہ کہتے ہیں کہ بینک کی تلاش کی مہم بارش کی وجہ سے ٹھپ ہو گئی ہے۔“

”اچھا تو انہوں نے وجہ بتانے کی زحمت بھی کی؟“

”یس سر۔“

”اُف............“ لیفٹیننٹ نے کھنکھار کر ریڈیو آپریٹر کو یس سر کے خوفناک اثرات کا احساس دلایا۔ کیپٹن نے اسے گھور کر دیکھا۔ ”کچھ نہیں سر۔“ لیفٹیننٹ منمنایا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"سوا دس بجے ہیں سر۔" لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

"میں بھوکا ہوں۔ لیفٹیننٹ' تم جا کر کافی اور برگر کیوں نہیں لے آتے......... سب کے لئے......... میری طرف سے۔" کیپٹن نے ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"کھڑکی پر بورڈ آویزاں ہے سر' جس پر کلوزڈ لکھا ہے۔"

"شاید آگ لگنے کے بعد یہ ریسٹورنٹ اب تک کھلا نہیں ہے۔ سب کچھ جل کر خاک ہو گیا تھا۔" ریڈیو آپریٹر نے دہرایا۔

"لیفٹیننٹ......... تم جاؤ اور دروازے پر دستک دو۔ اگر کوئی موجود ہو تو پوچھو کہ ہمیں برگر اور کافی مل سکتی ہے یا نہیں۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔ پھر اسے خیال آگیا۔ "میرا مطلب ہے......... میرا مطلب ہے......... اوہ........."

"اور اگر برگر اور کافی نہیں تو کچھ بھی مل جائے۔ ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔"

"اوہ......... سر۔"

"تھینک یو۔" کیپٹن نے کہا اور کھڑکی سے باہر بارش کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا۔

لیفٹیننٹ کار سے اترتے ہی بارش کی لپیٹ میں آگیا۔ وہ بارش سے لڑتا' لڑکھڑاتا ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ ویسے تو عمارت کو دیکھ کر ہی احساس ہو رہا تھا کہ ابھی ریسٹورنٹ والوں نے بزنس شروع نہیں کیا ہے......... لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ دروازے کی نچلی درز سے اسے کار کے پہیے نظر آئے۔ اس کا مطلب تھا کہ اندر کوئی موجود ہے۔

وہ پانی میں چھپاکے مارتا دروازے تک پہنچا اور اس نے دستک دی۔ اسے امید تو نہیں تھی......... لیکن چند لمحے بعد دروازہ ذرا سا کھلا اور ایک نوجوان عورت نے جھانکا۔ "فرمائیے؟" عورت نے کہا۔

"ہمیں کافی اور برگر کی ضرورت ہے۔" لیفٹیننٹ نے نہایت حلیمی سے کہا۔

"ریسٹورنٹ بند ہے۔"

اسی وقت عقب سے ایک معمر عورت آئی اور اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے

گر ٹروڈ؟"

"انہیں کافی اور برگر کی ضرورت ہے۔ میں انہیں بتا رہی تھی کہ ریسٹورنٹ بند ہے۔" نوجوان عورت نے جواب دیا۔

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے......... اور ہم یہاں ڈیوٹی پر ہیں۔ اگر آپ ہمارے لئے کچھ کر سکیں تو نوازش ہو گی۔" لیفٹیننٹ نے دل جیتنے والی مسکراہٹ لبوں پر لانے کی کوشش کی لیکن سوائے اس کے کچھ نتیجہ نہ نکلا کہ اس کے منہ میں بارش کا پانی بھر گیا۔

"ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔" معمر عورت نے رکھائی سے کہا۔ اس کی گردن پر پلاسٹر کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

لیکن گر ٹروڈ نے مہربان لہجے میں کہا۔ "کاش......... ہم آپ کی مدد کر سکتے لیکن یہاں تو بجلی تک نہیں ہے۔ ہم تو خود کافی کو ترس رہے ہیں۔"

"پھر بھی میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"ریسٹورنٹ کھلنے کے بعد آیئے گا۔ ہم آپ کو پہلی بار مہمان کی حیثیت دیں گے۔"

لیفٹیننٹ شکریہ ادا کر کے پلٹ آیا۔ اس نے کیپٹن کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

کیپٹن نے بھنا کر کہا۔ "ہمیں ڈھنگ کی کوئی پہاڑی بھی نہیں ملی۔" پھر وہ ریڈیو آپریٹر سے بولا۔ "معلوم کرو کہ اس علاقے میں کوئی پیٹرول کار ہے۔"

"یس سر۔"

"انہیں کہنا کہ ہمیں کافی اور برگر درکار ہیں۔"

"یس سر۔" ریڈیو مین نے کہا اور حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔

دس منٹ بعد ایک پیٹرول کار آئی اور انہیں کافی اور برگر میسر آگئے۔ کیپٹن بہت خوش ہوا۔ اس نے بل بھی ادا کر دیا۔ دو منٹ بعد دوسری پیٹرول کار بھی کافی اور برگر لے آئی۔ "مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔" کیپٹن بل ادا کرتے ہوئے بڑبڑایا لیکن جب تیسری اور چوتھی پیٹرول کار کے ذریعے کافی اور برگرز کی مزید کھیپ پہنچی تو کیپٹن نے دھاڑ کر ریڈیو آپریٹر سے کہا۔ "ان سے کہو' اب بس کریں۔ ان سے کہو' اب رک جائیں۔ ان سے کہو' بہت ہو چکی۔ ان سے کہو' اتنی کافی کافی ہے۔ ان سے کہو' میں کنگال ہونے والا ہوں........."

"یس سر۔" آپریٹر نے کہا اور پھر حکم کی تعمیل میں مصروف ہوگیا۔

اس کے باوجود اگلے پانچ منٹ میں دو پیٹرول کاریں مزید کافی اور برگر لے آئیں۔ کیپٹن ڈسپلن کا بہت احترام کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے نہ صرف یہ کمک قبول کی بلکہ ادائیگی بھی کی اور لانے والوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے عارضی ہیڈ کوارٹر پلاسٹک کی پیالیوں اور برگر کے تھیلوں سے پٹ گیا۔ بھاپ کی وجہ سے کار کے شیشے دھندلے ہونے لگے۔

"بس اب نہیں پی جاتی۔" کیپٹن نے بے بسی سے کہا۔ ذخیرہ بہت زیادہ تھا۔

"کیپٹن........... میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

"خدا مجھے اپنی امان میں رکھے۔ اب کچھ اور نہ منگوالینا۔"

"سر........ ریسٹورنٹ والے بھی ضرورت مند ہیں۔ کیوں نہ فاضل کافی اور برگر انہیں دے دیئے جائیں۔"

کیپٹن چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اپنی اس حلال کی کمائی کو پھینکنے کے مقابلے میں یہ بہتر ہے۔"

"تھینک یو سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا اور تمام فاضل چیزیں سنبھال کر باہر نکل آیا۔

دروازہ اس بار بھی نوجوان عورت نے کھولا تھا۔ "ہمیں ہماری ضرورت سے زیادہ مل گیا تھا۔" لیفٹیننٹ نے وضاحت کی۔ "میں نے سوچا' شاید آپ کو ضرورت ہو۔"

"بڑی مہربانی آفیسر' ہم واقعی ضرورت مند تھے۔" عورت نے کہا۔

"یہ چار افراد کے لئے ہے لیکن ہمارے پاس اور بھی ہے۔ ضرورت ہو تو مانگ لیں۔ آپ لوگ چار ہی ہیں نا؟"

عورت ہچکچائی........... پھر بولی۔ "آفیسر........... یہاں ہم سات افراد ہیں۔"

"سا! اوہ........ تب تو آپ لوگ تیزی سے کام کر رہے ہوں گے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔ اسے امید تھی کہ وہ لوگ ریسٹورنٹ کا افتتاح جلد از جلد کر دیں گے۔

"جی ہاں........ ہماری کوشش تو یہی ہے کہ تیزی سے کام کریں لیکن عجیب طرح کی رکاوٹیں سامنے آئی ہیں۔"

"یعنی آپ کو یہ دروازہ کھولنے کی جلدی ہے؟"

"ہاں آفیسر' ہمیں وہ دروازہ کھولنے کی جلدی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے' وہ دروازہ۔" عورت نے برابر میں کچھ فاصلے پر موجود دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ محظوظ ہو رہی ہے۔ "ریسٹورنٹ کا اصل دروازہ وہ ہے۔"

"اوہ خیر' میں آپ کے لئے اور کافی اور برگر لاتا ہوں۔"

"شکریہ آفیسر۔"

لیفٹیننٹ کار کی طرف واپس گیا اور کچھ اور پیکنگز سمیٹنے لگا۔ کیپٹن نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔ "تم ایک ریسٹورنٹ کو کافی اور برگر سپلائی کر رہے ہو۔ تمہیں عجیب نہیں لگتا لیفٹیننٹ؟"

"لگتا تو ہے سر لیکن میرے خیال میں وہ آپ کی حلال کی کمائی کے واقعتاً مستحق ہیں۔"

عورت نے برگرز اور کافی لیتے ہوئے کہا۔ "آفیسر........ اگر سب پولیس والے تم جیسے ہوجائیں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ کوئی جھگڑا ہی نہ رہے۔"

"ارے نہیں مادام۔ میں تو بس........" لیفٹیننٹ نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" عورت نے بزرگانہ انداز میں دعا دی۔

لیفٹیننٹ واپس آیا تو کیپٹن کا موڈ بے حد خراب تھا۔ "یہ دن........ لعنتی بارش والا دن........" وہ غرایا۔ "میں تمہیں بتا رہا ہوں کیپٹن کہ یہ دن ختم ہوجائے گا۔ یہ دن سدا نہیں رہے گا۔ ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے گا یہ۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ گڑبڑا گیا۔ "اور........ سر۔"

گفتگو یہیں موقوف ہوگئی۔ سب نے بساط سے زیادہ برگر کھائے تھے........ رات بھر بیداری الگ۔ ڈرائیور گہری نیند سوگیا۔ کیپٹن اونگھنے لگا۔ لیفٹیننٹ بار بار جھٹکے لے رہا تھا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ ریڈیو آپریٹر البتہ جاگ رہا تھا۔

صبح گزری پھر دوپہر گزری۔ بالآخر دو بج گئے۔ نہ بارش رکی........ اور نہ ہی بینک کے سلسلے میں کوئی مثبت اطلاع ملی۔ بالآخر دو بج کر دس منٹ پر کیپٹن نے آنکھیں کھول کر

باہر دیکھا۔ بارش بہ دستور ہو رہی تھی۔ "بس.......... بہت ہو چکی۔" اس نے دہاڑ کر کہا۔

تینوں ماتحت الرٹ نظر آنے کی کوشش کرنے لگے۔

"یہاں بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا۔" کیپٹن مزید دہاڑا۔ "یہ ہیڈ کوارٹر موبائل نہیں ہے۔ سب کچھ بے سود ہے۔ ڈرائیور' واپس چلو.......... پولیس اسٹیشن۔"

"لیس سر۔"

☆======☆======☆

"وہ جا رہے ہیں۔" وکٹر نے چیخ کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔" میسن کی ممی نے کہا اور گردن والی پلاسٹر کی پٹی کو کھولنے میں مصروف ہوگئیں۔

چارلس ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈلوانے کی پریکٹس کر رہا تھا اس نے بے یقینی سے وکٹر کو دیکھا اور بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ جا رہے ہیں؟"

"وہ تو چلے بھی گئے۔" وکٹر فاتحانہ لہجے میں چلایا۔

وکٹر آہ بھر کر اٹھا تو اسے اپنی تمام ہڈیاں چٹختی محسوس ہوئیں جسم اکڑ کر رہ گیا تھا۔

میگی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آخری چار گھنٹے قیامت کی طرح گزرے تھے۔ حالانکہ چارلس اور کیلر نے جب پہلی بار ریسٹورنٹ کو دیکھا تھا تو انہیں یہ جگہ بطورِ خاص اپنے لئے جنت سے اتری ہوئی معلوم ہوئی تھی چنانچہ وہ وانڈر ٹرالر پارک واپس گئے تھے۔ وہاں میسن پہلے ہی بینک کو ٹرک سے منسلک کر چکا تھا۔ اسٹیشن ویگن کو وکٹر کہیں چھوڑ آیا تھا۔ وہ سب فوری روانگی کے لئے تیار تھے۔

وکٹر اور کیلر پہلے نکلے تھے۔ وہ ٹرک اور ٹرالر سے دو بلاک آگے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ پولیس والوں کی سرگرمیوں کے مطابق میسن کو الرٹ رکھا جائے۔ چارلس اور ہرمن خواتین کے ساتھ بینک میں تھے۔ یہ قافلہ بخیر وخوبی متروک ریسٹورنٹ تک پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ٹرالر کو اندر کھڑا کیا۔ وکٹر کی پیکارڈ بھی کھڑی کردی گئی۔ کام شروع ہوگیا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب ہرمن کو بیٹری سے چلنے والے اوزار استعمال کرنے پڑ رہے تھے۔ کیونکہ ریسٹورنٹ بجلی سے محروم تھا۔ تاش اب فلیش لائٹ کی روشنی میں کھیلے جا رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے بینک کے اندر سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ سب

اچھے موڈ میں تھے۔ کیونکہ مستقبل روشن نظر آرہا تھا۔ حتیٰ کہ ہرمن کا یہ اعتماد بھی بحال ہوگیا تھا کہ دنیا کی ہر مقفل چیز کھول سکتا ہے۔

پھر اچانک پولیس والے نازل ہوگئے۔ سب سے پہلے کیلر نے انہیں دیکھا۔ وہ اس وقت کھڑکی میں کھڑا تھا۔ "دیکھو.......... دیکھو' قانون آیا۔" اس نے شور مچادیا۔

وہ سب اس کھڑکی کے گرد جمع ہوگئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھورتے رہے۔ "کیا یہ ہمارے پیچھے آئے ہیں؟ اب کیا ہوگا؟" میگی نے پوچھا۔

"نہیں.......... یہ بات نہیں۔" وکٹر نے کہا۔ وہ گروہ کے قانونی مشیر کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔ اپنے ایف بی آئی کے تجربے کی وجہ سے وہ اس قسم کی صورتِ حال کو بہت جلدی سمجھ لیتا تھا۔ "یہ صرف گشت کرنے نکلے ہیں معمول کے مطابق۔" اس نے مزید کہا۔ "اگر یہ ہمارے پیچھے آئے ہوتے تو ان کا انداز اور ہوتا۔"

"یعنی ریسٹورنٹ کا محاصرہ کرتے۔" چارلس بولا۔

"بالکل۔"

اس کے باوجود ہرمن کو اپنی توجہ کام پر مرکوز رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے۔ چرایا ہوا بینک اندر ہو اور پولیس باہر دھرنا دیئے بیٹھی ہو' بے خبر ہی سہی.......... تو ایسے میں کام کیا خاک ہوگا۔ پھر ایک پولیس افسر کار سے اترا اور ریسٹورنٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ تاش کا کھیل رک گیا۔ ہرمن نے اوزار ایک طرف رکھ کر سر پکڑ لیا۔ ہر شخص سانس روک کر بیٹھ گیا۔ میگی اور مسز مَرچ نے اسے بھگتایا۔ اس کے بعد یہ تو طے ہوگیا کہ پولیس والے ان کی اصلیت سے بے خبر ہیں لیکن اعصاب پر بوجھ بہ دستور موجود رہا۔ کیونکہ پولیس کار اپنی جگہ جمی رہی۔ ہر شخص یہی پوچھ رہا تھا کہ آخر یہ یہاں کیا کررہے ہیں' یہ یہاں سے کب جائیں گے.......... اور وکٹر ہر سوال کے جواب میں کہتا.......... مجھے معلوم نہیں۔ میں تو خود حیران ہوں۔ پھر پیٹرول کاروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو متروک ریسٹورنٹ میں ہلچل مچ گئی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ تمام پیٹرول کاریں کافی اور برگر لے کر آئی تھیں۔ یہ بات چارلس کی تیز نظروں نے بھانپی تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی ہماری طرح تباہ حال اور بے گھر ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ خوش قسمتی سے ناشتا انہیں خود پولیس والوں نے

فراہم کیا۔ وہ سب یہ سوچ سوچ کر حیران تھے کہ پولیس والے ان کی تلاش میں ہیں.......... اور وہ ان کے اس قدر قریب ہیں لیکن پولیس والوں کو کچھ خبر نہیں۔ اس کے باوجود پولیس کی موجودگی کی وجہ سے ہرمن کے کام کی رفتار سست پڑگئی۔ کم از کم وہ کوئی دھماکا تو ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ ہرمن کا موڈ خراب سے خراب تر ہوتا گیا۔ وہ بے چینی سے بینک کے اندر ٹہلنے اور گفتگو کرنے والوں پر غرانے اور پھنکارنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے علاوہ گردن کے پلاسٹر کا مسئلہ الگ تھا۔ میسن نے اتنا واویلا کیا کہ مسز مَرچ کو پٹی پہننے پر رضامند ہونا پڑا' لیکن اسے پہننے کے نتیجے میں اس کا موڈ بہت خراب ہوگیا۔ غرانے اور پھنکارنے کے معاملے میں وہ ہرمن سے بھی آگے بڑھ گئی.......... اور اس طرح ایک اور ایک مل جائیں تو گیارہ کہلاتے ہیں۔

پھر اچانک پولیس والے روانہ ہوگئے۔ نہ ان کی آمد کا کوئی معقول سبب تھا اور نہ روانگی کا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں کھنچ گئیں۔ میسن کی ممی نے گردن کی پٹی اتار کر دور پھینک دی۔ اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

"اب میں وہ کچھ کروں گا' جو کئی گھنٹوں سے کرنا چاہ رہا ہوں۔" ہرمن نے خوش ہوکر کہا۔

چارلس ٹہل ٹہل کر 8 کا ہندسہ بنارہا تھا۔ ساتھ ہی اپنے بازوؤں اور کندھوں کو حرکت دے رہا تھا تاکہ اکڑے ہوئے پٹھے نرم ہوجائیں۔ اس نے قدم روکے اور ہرمن سے پوچھا۔ "کیا کروگے تم؟"

"یہ جو سوراخ ہوا ہے نا تجوری میں' اس کے ذریعے.......... آتش گیر مادہ اندر رکھوں گا اور پھر دھائیں۔"

"ٹھیک ہے' جلدی کرو۔ ورنہ مجھے خدشہ ہے کہ اس بار محکمہ صحت والے ہمارے کچن کا معائنہ کرنے کی غرض سے آجائیں گے۔"

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس بار دھماکا زبردست ہوگا۔"

چارلس پھر 8 کے درمیان رک گیا۔ "مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ ہم سب وہ دھماکا جھیل سکیں گے؟"

"ہاں ہاں۔ اب اتنا بڑا دھماکا بھی نہیں ہوگا وہ۔" ہرمن نے سرہلا کر کہا۔

"بس تو پھر کر ڈالو دھماکا۔"

"مجھے سیٹنگ میں پانچ منٹ لگیں گے۔"

پانچ منٹ بعد ہرمن نے سب کو پارٹیشن کی دوسری طرف بھیج دیا۔ "دھات کے ٹکڑے اڑ سکتے ہیں.......... اور یہ خطرناک ہوگا۔" اس نے وضاحت کی۔

وہ سب سینے کے بل لیٹ گئے۔ ہرمن غائب تھا۔ شاید وہ آخری کام میں مصروف تھا۔ پھر وہ بھی آیا اور سینے کے بل لیٹ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو تار تھے۔

"ریڈی؟" اس نے پوچھا۔

"اب کر بھی دو دھماکا۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔

"اوکے۔" ہرمن نے کہا اور دونوں تاروں کے سرے ملا دیئے۔

دھماکا کافی زوردار تھا۔ پورا بینک ہل کر رہ گیا۔ پارٹیشن کے اس طرف والے حصے سے سرمئی دھواں اٹھتے دیکھ کر ہرمن کی باچھیں کھل گئیں۔ "ہوگیا کام۔" اس نے نعرہ لگایا۔

"یہ اندر سے دھواں کیسا نکل رہا ہے؟" چارلس نے پوچھا۔ وہ سب تجوری سے اٹھنے والے دھوئیں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ایک منٹ۔" ہرمن نے کہا اور آگے بڑھ کر تجوری پر جھک گیا۔ پھر غصے سے اس کا بدن لرزنے لگا۔ "لعنت ہو۔ دھات کے ٹکڑے اندر گرے ہیں۔"

کیلر نے آگے بڑھ کر تجوری میں جھانکا۔ "ارے.......... نوٹ جل رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی افراتفری پھیل گئی۔ "لیکن صورتِ حال زیادہ خراب نہیں ہے۔" چارلس نے تجوری کا معائنہ کرنے کے بعد اعلان کیا۔ سوراخ کا قطر کم از کم ایک فٹ تھا۔ اندر اسی سائز کا دھاتی ٹکڑا تھا۔ وہ بے حد گرم تھا اور نوٹوں کی گڈیوں پر گرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے آگ لگ رہی تھی بلکہ آگ نہیں لگی تھی۔ ابھی نوٹ صرف بھوری رنگت اختیار کر رہے تھے۔ البتہ چھوٹے چھوٹے شعلے نومولود بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے۔ صورت حال پر فوری طور پر قابو پانا تھا' ورنہ ساری رقم راکھ ہوجاتی۔ چارلس نے اپنا جوتا اتارا اور سوراخ میں سے اندر ہاتھ ڈال کر آگ کو جوتے سے پیٹ پیٹ کر بجھانے

کی کوشش کی۔

کاش.......... یہاں پانی موجود ہوتا۔" وکٹر نے بے حد حسرت سے کہا۔

"ٹوائلٹ کی ٹینکی فل ہوگی' استعمال ہی کہاں کی گئی ہے۔" میسن کی ممی نے یاد دلایا۔

یہ سنتے ہی کافی کنٹینر بریگیڈ تشکیل دی گئی۔ کافی کے ٹن میں پانی کی سپلائی شروع ہوگئی۔ تپتے ہوئے نوٹوں پر جوتے کے بجائے پانی کی مار پڑنے لگی۔ صرف چار ٹن پانی میں آگ کا حوصلہ جواب دے گیا۔

"بھیگی ہوئی رقم۔" چارلس نے سرہلا کر کہا۔ "خیر.......... پلاسٹک کے بیگ کہاں ہیں؟"

وہ لوگ پلاسٹک کا پورا باکس اٹھا لائے تھے۔ میگی باکس لائی اور اس نے اسے کھول کر ایک پلاسٹک بیگ چارلس کو دیا۔ چارلس اور کیلر بیگ میں نوٹ بھرنے میں مصروف ہوگئے۔ بعض نوٹ دھوئیں کی وجہ سے سیاہ ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ بھیگے ہوئے نوٹ بھی تھے اور خشک نوٹ بھی تھے۔ میگی اور وکٹر بیگ کا منہ کھولے کھڑے تھے۔

اسی وقت مسز مَرچ نے چیخ ماری۔ "زلزلہ.......... ہم ہل رہے ہیں!"

چارلس فوراً سیدھا ہوگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں نوٹ تھے۔ "واٹ؟" وہ چلایا۔

اسی وقت میسن دوڑتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تیں۔ چارلس نے اسے اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "ہم چل پڑے ہیں۔ ٹرالر چل پڑا ہے ڈھلان کی طرف۔ یعنی ٹرالر پہاڑی سے نیچے جارہا ہے۔ اب وہ ہمارے بس میں نہیں ہے!؟"

☆------☆------☆

کیلر نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اسے متحرک مضافاتی مناظر نظر آئے۔ "اس وقت تو ہم سڑک پر ہیں۔" اس نے کہا۔

عقب سے میسن نے چیخ کر کہا۔ "کودو.......... چھلانگ لگادو۔"

ٹرالر کی رفتار پانچ یا دس میل فی گھنٹا سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود کیلر نے نیچے دیکھا.......... اور اسے چکر آگئے۔ چھلانگ لگانی ضروری تھی۔ ٹرالر کے سامنے والے

حصے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی کہ پتا چلتا' وہ کہاں جارہے ہیں۔ وہ تو اندھا سفر تھا۔ ٹرالر کسی بھی وقت کسی بھی چیز سے ٹکرا سکتا تھا اور انہیں پتا ہی نہ چلتا۔ اس وقت رفتار کم تھی کیونکہ ڈھلوان ہلکی تھی لیکن آگے ڈھلان کو یقیناً گہرا ہونا تھا۔ اس صورت میں رفتار بھی بڑھنا تھی اور اس وقت چھلانگ لگانا ناممکن ہو جاتا۔

کیلر نے سب سے پہلے چھلانگ لگائی۔ پھر وکٹر نے۔ کیلر دو قلابازیاں کھا کر اٹھا تو اس کی پتلون گھٹنوں پر سے پھٹ چکی تھی۔ گینگ کے باقی لوگ بھی کود رہے تھے۔ جلد ہی وہ سب سڑک پر بکھرے پڑے تھے............ اور بینک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اڑا جارہا تھا۔ اس کی رفتار بتدریج بڑھ رہی تھی۔

کیلر نے سر گھما کر دیکھا۔ وکٹر ریسٹورنٹ کی طرف بھاگا جارہا تھا۔ ایک لمحے کو تو کیلر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وکٹر اپنی کار لینے گیا ہے تاکہ بینک کا پیچھا کرسکے۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا لیکن اس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی وکٹر اپنی کار نکال لایا تھا۔ کیلر کو دیکھ کر اس نے بریک لگائے اور کیلر کے بیٹھتے ہی کار کو پوری رفتار سے چلادیا۔ وہ چارلس کے پاس کار روکنے والا تھا جو ہاتھ میں نوٹوں کا بیگ لئے کھڑا تھا لیکن چارلس نے اسے اشارہ کیا کہ وہ کار نہ روکے۔ "ان کی فکر نہ کرو۔ وہ وین میں آجائیں گے۔" کیلر نے وضاحت کی۔ وکٹر نے کار کی رفتار اور بڑھادی۔

بینک طویل ڈھلوانی سڑک پر اڑتا جارہا تھا۔ جو بارش کی وجہ سے پھسلواں بھی ہورہی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ بارش کی وجہ سے سڑک سنسان تھی۔ بینک سڑک کے عین درمیان بھاگ رہا تھا............

"اب موڑ آئے گا............ اور بینک نیچے............" کیلر نے کہا۔ "تاہم' ہم رقم نکال سکیں گے۔"

لیکن ٹرالر موڑ پر بڑی نفاست سے گھوم گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"لعنت ہو اس پر۔ اسے پکڑو وکٹر!" کیلر چلایا۔

"ضرور پکڑوں گا۔" وکٹر نے کہا۔ "پتا ہے............ ہوا کیا تھا؟"

"سیدھی سی بات ہے' ٹرالر چل پڑا تھا۔"

"دھماکے کی وجہ سے۔" وکٹر نے مربیانہ انداز میں کہا۔ "دھماکے نے اسے تحرک دیا اور وہ تھا بلندی پر۔ چنانچہ پستی کی طرف چل پڑا بدبخت۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" کیلر نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں اندازہ نہیں کہ چارلس کو کتنا غصہ آرہا ہوگا۔"

وکٹر نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ "ابھی تک نظر نہیں آئی ہے وین۔"

"وہ یقیناً چل پڑے ہوں گے۔" کیلر بولا۔ "ہمیں تو صرف بینک کی فکر کرنا چاہئے۔"

وکٹر نے موڑ کاٹا۔ موڑ کاٹتے ہی انہیں بینک نظر آیا۔ درمیانی فاصلہ بڑھ گیا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں مچھیروں کا گاؤں تھا۔ بینک سیدھا گاؤں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وکٹر نے رفتار بڑھادی۔

درمیانی فاصلہ سمٹنے لگا۔ سڑک بھی اب اتنی ڈھلوان نہیں رہی تھی۔ بینک کی رفتار کم ہونے لگی۔ گاؤں میں پہنچتے پہنچتے اس کی رفتار ۲۵ میل فی گھنٹا سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ بینک کو سرخ لائٹ کا بھی احساس نہیں تھا۔ سڑک کراس کرنے والی ایک عورت اس کی زد میں آتے آتے بچی۔ اس نے ٹرالر کو گالیاں دیں' لیکن ٹرالر نہیں رکا۔

"اب بینک رک جائے گا۔ آگے ڈھلوان نہیں ہے۔" کیلر نے کہا۔

"وہ آگے سمندر ہے۔"

"اوہ............ میرے خدا............ نہیں۔" کیلر نے کراہتے ہوئے کہا۔

سڑک کے اختتام پر ایک پشتہ تھا جو تیس فٹ آگے پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وکٹر کی پیکارڈ بینک تک پہنچی تو بینک پشتے پر پہنچ چکا تھا۔ اب اسے روکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ایک مچھیرا پشتے پر ایک کرسی بچھائے' سر پر زرد ہیٹ رکھے' زرد برساتی پہنے بیٹھا سمندر کو گھور رہا تھا۔ اس نے جو بینک کو دیوانہ وار آتے دیکھا تو کرسی سے اٹھ کر بائیں جانب سمندر میں چھلانگ لگادی۔ پشتے پر اس کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ صرف بینک تھا جو اب اس پشتے پر قابض تھا۔

وکٹر نے بریک لگایا۔ کیلر نے چیخ کر کہا۔ "روکو اسے............ ہمیں اسے ہر قیمت پر روکنا ہے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" وکٹر نے آہ بھر کر کہا۔

وہ دونوں آہیں بھرتے ہوئے بینک کو سمندر کی طرف بڑھتا دیکھتے رہے۔ بالآخر بینک پانی میں گر گیا۔ کیلر کسی زخم خوردہ آدمی کی طرح کراہا۔

"ایک بات ماننا پڑے گی۔" وکٹر نے کہا۔ "یہ بے حد خوبصورت منظر تھا۔"

"مجھ پر ایک احسان کرو وکٹر۔" کیلر نے التجا کی۔ "چارلس کے سامنے یہ بات نہ کہنا۔"

"کیوں؟"

"وہ تمہاری بات سمجھ نہیں سکے گا۔"

"اچھا.......... نہیں کہوں گا۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی ممکن ہے' ہم تیر کر ٹرالر تک پہنچیں اور رقم نکال لائیں۔ خبر نہیں' پانی کتنا گہرا ہے۔"

کیلر خوش ہو کر مسکرایا۔ "اچھا آئیڈیا ہے' آج نہ سہی' کسی روشن اور چمکدار دن سہی۔"

"یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے ہی کوئی اسے دیکھ لے اور پولیس کو مطلع کر دے۔"

"اوہ.......... یاد آیا۔" کیلر نے منہ بنا کر کہا۔ "یہاں پشتے پر بھی تو کوئی موجود تھا۔"

"جی ہاں.......... ایک مچھیرا تھا۔ آیئے اسے دیکھیں۔" وکٹر بولا۔ وہ دونوں کار سے اترے اور پشتے کے اوپری کنارے کی طرف بڑھے۔ اسی وقت انہوں نے زرد برساتی والے مچھیرے کو پشتے پر چڑھتے دیکھا۔ کیلر نے سہارا دے کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دی۔

"تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ کیا ہوا ہے!" مچھیرے نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آرہا ہے۔"

"ہم نے بھی دیکھا تھا وہ ٹرالر۔" کیلر نے کہا۔

"وہ اچانک ہی نازل ہوا مجھے پانی میں چھلانگ لگانا پڑی۔ میری کرسی گئی' میرا ہیٹ گیا.......... اور میں خود بھی جاتے جاتے بچا ہوں۔"

"برساتی بہرحال بچ گئی۔" وکٹر نے اسے دلاسا دیا۔

"ٹرالر میں نہ جانے کیا ہوگا؟" مچھیرے نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں تھا اس میں۔ خالی تھا۔" کیلر نے اسے یقین دلایا۔

"میری بیوی نے مجھے منع کیا تھا کہ اس موسم میں.........." چھینک نے مچھیرے کو بات پوری نہیں کرنے دی۔

"اب جلدی سے گھر چلے جاؤ۔ تمہیں نمونیا بھی ہو سکتا ہے۔" وکٹر نے کہا۔

مچھیرا چھینکتا ہوا' اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ وکٹر اور کیلر پشتے کے نچلے حصے کی طرف چل دیئے۔ وہ دونوں سمندر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ بالآخر وکٹر نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ "وہ رہا۔" کیلر نے اشارے کی سمت دیکھا۔ پہلے تو اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر نیلے اور سفید رنگ کی وھیل مچھلی نما کوئی شے نظر آئی۔ "ارے.......... یہ تو حرکت کر رہا ہے۔" وکٹر پھر چلایا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔ پانی کے نیچے کا تیز بہاؤ ٹرالر کو دور لئے جا رہا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آرہا.......... لیکن یہ درست ہے۔"

اسی وقت وین رکنے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحے بعد انہیں اپنے پانچوں ساتھی نظر آئے۔ چارلس سب سے آگے تھا۔ کیلر نے اپنے ہونٹوں پر ایک سوگوار مسکراہٹ سجالی اور شامت کا انتظار کرنے لگا۔

چارلس نے آتے ہی پانی کو گھورا اور بولا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ تم دونوں غسلِ آفتابی کی غرض سے یہاں موجود ہو۔"

"نہیں۔" کیلر نے جواب دیا۔

"اور میرا خیال ہے' بینک سمندر میں گر گیا۔ ہے نا؟"

"ہاں.......... وہ دیکھو' تمہیں نظر آئے گا۔" کیلر نے اشارہ کیا۔ پھر مایوس ہو کر بولا۔ "اب تو نظر بھی نہیں آرہا ہے۔"

"ظاہر ہے' وہ حرکت جو کر رہا تھا۔" وکٹر نے بتایا۔

"حرکت کر رہا تھا!؟"

"جی ہاں۔ ہوا نے اس کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ میرے خیال میں ایئر ٹائٹ ہو گیا ہو گا۔ اندر ہوا تیز ہو گی کہ وہ ڈوب نہیں پایا اور پانی کے نیچے کے بہاؤ نے اسے کھینچتا

شروع کر دیا۔" وکٹر نے سائنٹیفک وضاحت کی۔

کیلر نے محسوس کیا کہ چارلس اسے گھور رہا ہے لیکن اس نے اپنی عافیت اسی میں جانی کہ خود پانی کو گھورتا رہے۔

باقی لوگ بھی آئے تھے۔ "تو بینک حرکت میں ہے۔ کہیں جارہا ہے؟" میگی نے پوچھا۔ وکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں جارہا ہے؟" میسن کی ممی نے پوچھا۔

"فرانس۔" چارلس نے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے' اتنی محنت اور اتنی اچھی کارکردگی کے باوجود وہ ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا؟" ہرمن نے احتجاج کیا۔

"خیر.......... ہم بالکل خالی تو نہیں ہیں۔ اچھی خاصی رقم ہے ہمارے پاس۔" کیلر نے لبوں پر پیار مسکراہٹ سجاتے ہوئے' چارلس کی طرف دیکھا لیکن وہ پہلے ہی واپسی کے لئے پلٹ چکا تھا۔

وہ سب چارلس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ بارش کی تندی میں فرق نہیں آیا تھا۔

☆------☆------☆

"۲۳ ہزار ۸ سو ۲۰ ڈالر۔" چارلس نے اعلان کیا۔ فوراً ہی اسے چھینک آگئی۔

وہ سب اس وقت چارلس کے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ وہ لوگ کپڑے بدل چکے تھے۔ مسز مرچ نے میگی کے اور تمام مردوں نے چارلس کے کپڑے پہنے تھے۔ سب کو چھینکیں آرہی تھیں۔ میگی نے چائے بنائی تھی۔

"تقریباً ۲۴ ہزار ڈالر۔" کیلر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔"

"ہاں۔ اس رقم کے لئے ہم نے ۱۴ سال قید بامشقت کا خطرہ مول لیا تھا۔" چارلس نے چڑ کر کہا۔

"ہر ایک کے حصے میں کتنی رقم آئی؟" میسن نے پوچھا۔

چارلس نے کہا۔ "پہلے تو سرمایہ کاری کے ۱۵ ہزار ڈالر نکال لو۔ بچے ۸ ہزار ۸ سو ۲۰ ڈالر۔ اسے ۷ پر تقسیم کرو۔ جواب آیا ۲ ہزار ۲ سو ۶۰ ڈالر فی کس۔"

میسن نے منہ بنایا جیسے بدبو آرہی ہو۔ "صرف ۲ ہزار ڈالر!"

"نہیں.......... اس کے ساتھ ۲ سو ۶۰ ڈالر بھی تو ہیں۔" کیلر نے دلاسا دیا۔

ہرمن اور مسز مرچ کو چھینکیں بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

"اس سے زیادہ تو ڈاکٹر کا بل بن جائے گا ہر ایک کا۔" چارلس بولا۔

وکٹر نے کہا۔ "اس کے باوجود ہم نے ایک مہم سر کی ہے.......... اور آپ اسے ناکام ہم نہیں کہہ سکتے۔"

"میں اگر چاہوں تو کہہ سکتا ہوں۔" چارلس نے تند لہجے میں کہا۔

"چائے پیو.......... چائے۔" میگی بولی۔ کیلر نے انتہائی خوفناک چھینک ماری۔

"دو ہزار ڈالر!" ہرمن نے حقارت سے کہا۔ "اتنی رقم تو محض میرے ناک سنکنے بس خرچ ہو جائے گی۔" اس کے ساتھ ہی اس پر چھینکوں کا دورہ سا پڑ گیا۔

میسن کی ممی نے آہ بھر کے کہا۔ "اب مجھے وہ منحوس پٹی دوبارہ پہننا پڑے گی۔"

"آپ نے وہ کھو دی ہے۔" میسن نے الزام دینے والے انداز میں کہا۔ "آپ نے سے بڑی بے پروائی سے بینک میں پھینک دیا تھا۔"

"یعنی اب نئی خریدنی پڑے گی۔"

"ایک اور خرچ۔" میسن نے آہ بھر کے کہا۔

"میرا خیال ہے' اب ہم اپنا اپنا حصہ لیں اور اپنے اپنے گھر کا رخ کریں۔" کیلر نے تجویز پیش کی۔

"حصہ؟" چارلس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تو آئی ڈراپر کی ضرورت پڑے گی۔"

"خیر' ایسا تو نہیں ہے۔ کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔"

چنانچہ رقم کے حصے بخرے ہوئے۔ ہر شخص نے وعدہ کیا کہ وہ کپڑے جلد از جلد واپس بھجوا دے گا۔ پھر وہ رخصت ہو گئے۔

☆======☆======☆

"بینک اسی جزیرے میں کہیں ہے۔" کیپٹن ڈیمر غرایا۔ "وہ یہیں کہیں ہے۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے مردہ لہجے میں کہا۔

"اور میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا۔"

"یس سر۔"

وہ دونوں اس پیٹرول کار میں تنہا تھے۔ کیپٹن ڈرائیو کر رہا تھا اور لیفٹیننٹ اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ کیپٹن کی نگاہیں دائیں بائیں علاقے کو ٹٹول رہی تھیں......... کھنگال رہی تھیں۔

لیفٹیننٹ کی نگاہوں میں عجیب سا خالی پن تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس تقریر کو دہرا رہا تھا جس کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ کیپٹن کے سامنے کبھی نہیں کر سکے گا۔

"کیپٹن......... اب تین ہفتے ہوگئے ہیں۔ تم نے پولیس اسٹیشن پر خاک ڈال دی ہے اور مسروقہ بینک کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ تم ہفتے میں سات دن طلوع آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ڈرائیو کرتے ہو......... اور اس کو تلاش کرتے ہو۔ کیپٹن......... وہ بینک اب کبھی نہیں ملے گا۔ وہ چلا گیا۔ اب وہ کبھی نہیں مل سکتا۔

"لیکن کیپٹن اگر وہ بینک تمہاری کمزوری بن گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور۔ وہ میری کمزوری تو نہیں بنا۔ تم نے مجھے رات کی ڈیوٹی سے محروم کر دیا جو مجھے بہت پسند تھی۔ رات کے وقت میں پولیس اسٹیشن کا انچارج ہوتا تھا لیکن تم نے اس گھامڑ شولر کو میری جگہ دے دی۔ حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں آتا۔ کچھ دن اور گزر گئے تو وہ میرے تمام کئے کرائے پر، تمام انقلابی اقدامات پر پانی پھیر دے گا۔

"پھر کیپٹن دیکھو نا۔ تین ہفتے ہو چکے ہیں۔ چار دن بعد نیویارک پولیس اپنے تعاون سے دست بردار ہوگئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ گزشتہ ڈھائی ہفتے میں بینک بہ آسانی لانگ آئی لینڈ سے لے جایا جا چکا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے......... افریقہ میں......... ایشیا میں۔ ڈھائی ہفتے کم تو نہیں ہوتے اس جدید زمانے میں۔ تمہاری تھیوری یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے پہلی رات بینک کو کہیں چھپایا۔ تجوری کھولی، رقم نکالی اور بینک کو وہیں چھوڑ کر کھسک لئے۔ اگر تمہاری تھیوری درست ہے، تو بھی ہمیں کیا فائدہ؟ جس بینک کو ان گنت سرچ پارٹیز تلاش نہیں کر سکیں، اسے ہم دونوں کیسے تلاش کر سکتے ہیں۔"

"یہی وجہ ہے کیپٹن کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر تم ہر روز بینک کو ڈھونڈنے نکلنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی لیکن مجھے میری نائٹ ڈیوٹی لوٹا دو۔ پلیز......... ورنہ مجھے کمشنر سے بات کرنا پڑے گی۔ میں نے آخری حد تک تمہارا ساتھ دینے........."

"مجھ سے کچھ کہا تم نے؟" کیپٹن نے پوچھا۔

لیفٹیننٹ بری طرح چونکا۔ "کیا......... کیا؟"

"میرا خیال ہے، تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نو سر۔"

"اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔"

"یس سر۔"

لیفٹیننٹ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اسے کوئی امید نہیں تھی۔ کار اب چڑھائی کا سفر طے کر کے میکے ریسٹورنٹ کے بورڈ تک پہنچنے والی تھی۔ لیفٹیننٹ کو نوجوان عورت کا وعدہ یاد آیا جس نے اسے ریسٹورنٹ کھلتے ہی کھانے پر مدعو کیا تھا لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ ریسٹورنٹ کا نام ونشان مٹ چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اس پر بلڈوزر چلا دیا ہے۔ "ارے.........!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"سر......... وہ ریسٹورنٹ تو غائب ہوگیا۔"

"ہو جانے دو۔" کیپٹن نے اسے ڈانٹا۔ "ہمیں ریسٹورنٹ کی نہیں، بینک کی تلاش ہے۔ سمجھے؟"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا اور دل ہی دل میں اس تقریر میں اضافہ کرنے لگا جس کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ کیپٹن کے سامنے کبھی نہیں کر سکے گا۔

☆=====ختم شد=====☆

تنگ آمد

علیم الحق حقی

تنگ آمد

ایک شریر میاں بیوی کی ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کردینے والی شرارتوں بھری کہانی۔ وہ ہنسی خوشی رہنے کے باوجود محبت جیسے لطیف جذبے سے بے خبر تھے۔ انہیں اپنے اندر چھپی ہوئی محبت کی کھوج تھی۔ پھران کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ محبت کا مفہوم کھل کر ان کے سامنے آگیا اور وہ اپنا سب کچھ ایک دوسرے پر قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔

"بڑے سرکار' آپ چل کر ایک نظر باغیچے کو دیکھ تو لیں۔" مالی نے گھگیا کر کہا۔

"میں پوچھتا ہوں' ہوا کیا ہے؟" مقصود الزمان جھنجلا گئے۔ مالی مسلسل یہی اصرار کئے جارہا تھا اور وہ ملنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھے۔

"سرکار۔ بس ایک نظر..........."

"خاموش!" زمان صاحب نے گرج کر کہا۔ "سیدھی طرح بتاؤ' بات کیا ہے؟"

مالی بری طرح سہم گیا۔ "سرکار........ گلاب کے پودے میں سورج مکھی کے پھول' موتیے میں.......... چنبیلی' چنبیلی پر چمپا..........."

"کیا بکواس کر رہا ہے؟" زمان صاحب بیگم کی طرف مڑے۔ "میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"جا کر دیکھ لیجئے نا ایک نظر۔" بیگم نے مشورہ دیا۔

"اچھا بابا' دیکھتا ہوں۔" زمان صاحب نے کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے باہر چلے گئے۔ مالی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئے اور کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

بیگم زمان چند لمحے انہیں پُرتشویش نظروں سے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "کیا ہوا' خیریت تو ہے؟"

"خیریت' خیریت کا اس گھر میں کیا کام؟" زماں صاحب نے بے بسی سے کہا۔

"دیکھ لو' صبح سے اب تک یہ چھٹی شکایت ہے۔"

"کچھ بتائیں گے بھی۔" بیگم جھنجلا گئیں۔

"ارے' وہی دونوں ہیں' میں تو عاجز آگیا ہوں۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟"

"وہی جو مالی کہہ رہا تھا۔" زماں صاحب نے پھر اپنا سر پکڑ لیا۔ "یقین کرو، مجھے چکر آگئے۔ ایسا لگا کہ دنیا الٹ گئی ہے۔ ذرا سنبھلا تو اندازہ ہوا کہ بے چارے مالی پر کیا گزری ہوگی۔"

بیگم زماں خاموش رہیں۔ بس سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"تم دیکھ لیتیں تو بس پاگل ہی ہو جاتیں۔" زماں صاحب نے مزید کہا۔

"وہ تو اب بھی ہو جاؤں گی۔ مجھے پتا ہی نہیں چل رہا ہے کہ بات کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ مالی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ گلاب کے پودوں پر سورج مکھی کے پھول کھلے ہیں۔ سورج مکھی پر گیندا بہار دکھا رہا ہے۔ چمپا کی شاخوں پر موتیا ہے تمام پھولوں کی جگہیں بدل دی گئی ہیں۔ یہی حال درختوں کا ہے۔ کیلے کے پیڑ پر امرود، امرود کے درخت پر کیلے۔ ایسا لگتا ہے کہ باغیچہ پاگل ہو گیا ہے۔"

بیگم زماں الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔ "کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں آپ؟ باغیچہ پاگل ہو گیا ہے............ ہونہہ۔"

"بغیر دیکھے کچھ نہیں سمجھو گی۔" زماں صاحب جھنجلا کر بولے۔ "تصور کرو............ اگر میری آنکھیں ٹھوڑی پر ہوں، ناک کی جگہ دو کان لگے ہوں، کانوں کی جگہ ہونٹ ہوں اور ناک پیشانی پر کھڑی ہو تو کیسا لگے گا؟"

بیگم زماں حیرت سے انہیں دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ چند لمحے بعد واپس آئیں تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ "واقعی............ ایک لمحے کے لئے تو میں بھی خود کو پاگل محسوس کرنے لگی لیکن یہ سب کیا کیسے ہوگا انہوں نے۔ نہیں جی............ مجھے یقین نہیں آتا۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ یہ بھوتوں کا کیا دھرا ہے؟"

"جی ہاں۔ مجھے تو کوئی آسیبی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ دونوں بھوت اور آسیب سے کم نہیں۔ جہاں ہوں گے، وہاں سے بھوت بھی بھاگ جائیں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔" بیگم زماں نے دہرایا۔

"نہ آئے............ مجھے کیا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ان دونوں نے میری ارتھمیٹک درست کر دی ہے۔ ایک جمع ایک دو ہرگز نہیں ہوتے............ گیارہ ہوتے ہیں۔" زماں صاحب نے پھر سر تھام لیا۔

چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ باورچی نازل ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھا۔ "کیا بات ہے نصیرے؟" بیگم زماں نے پوچھا۔

"بڑے سرکار کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

زماں صاحب نے چونک کر سر اٹھایا۔ "نصیرے............ تو بھی؟" انہوں نے دردناک لہجے میں کہا۔ "تو کیا چاہتا ہے؟"

"پڑھ لیجئے سرکار!" نصیرے نے کاغذ ان کی طرف بڑھایا۔

"بڑے صاحب نے کاغذ کو دیکھا۔ وہ تہہ شدہ تھا۔ انہوں نے اسے کھولنے کے بجائے نصیرے کو گھور کر دیکھا۔ "بات کیا ہے؟"

"پڑھ لیجئے نا بڑے سرکار؟" نصیر گھگیا کر بولا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ سرکاری ملازموں والی حرکتیں یہاں نہیں چلیں گی۔" زماں صاحب نے ڈپٹ کر کہا۔ "زبانی بتا............ کیا چاہتا ہے، تنخواہ بڑھوانی ہے؟"

"نہیں بڑے سرکار! آپ کی مہربانیاں پہلے ہی کم نہیں ہیں۔"

"تو پھر؟"

"تبادلہ چاہتا ہوں بڑے سرکار!"

"یعنی ٹرانسفر؟"

"جی بڑے سرکار!" نصیرا اور گھگیانے لگا۔

"ابے............ یہ میرا گھر ہے یا سرکاری محکمہ!" زماں صاحب دہاڑے۔ "کس قسم کا ٹرانسفر چاہتا ہے۔ مالی سے ڈیوٹی بدلے گا کیا؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم گھاس پھوس کھا کر گزارہ نہیں کر سکتے۔"

"یہ بات نہیں بڑے سرکار! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا ٹرانسفر برابر والے گھر میں کر دیں۔"

"یعنی صدیق صاحب کے گھر؟"

"اِس طرف والے نہیں سرکار' اُس طرف والے گھر کی بات کررہا ہوں۔"

"مشہود کے گھر؟"

"جی ہاں بڑے سرکار!"

"یہ کیسے ممکن ہے' دونوں گھر الگ الگ ہیں۔"

"دیکھیں نا بڑے سرکار۔ ایک ٹرانسفر تو پہلے ہی ہوچکا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔" زمان صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ جی.......... آخر لبنیٰ بی بی کا ٹرانسفر بھی تو ہوا ہے.......... وہاں سے یہاں۔" نصیرے نے نظیر پیش کی۔

زمان صاحب کیلئے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانا دوبھر ہوگیا۔ "مردود.......... اسے ٹرانسفر نہیں' شادی کہتے ہیں۔"

بیگم زماں کی سمجھ میں بات کچھ کچھ آنے لگی۔ "اوہو.......... یہ شاید شبو سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیوں' یہی بات ہے کیا؟" زماں نے نصیرے سے پوچھا۔

"جی.......... اب تو نہیں ہے یہ بات۔"

"گویا پہلے تھی؟" بیگم صاحبہ نے آنکھیں نکالیں۔

"جی بیگم صاحبہ' تھی تو سہی لیکن شبو نے انکار کردیا۔ کہنے لگی' اب تو میرے سکھ چین سے رہنے کے دن آئے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ میں اب دہرے عذاب میں پھنس جاؤں۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔"

"سکھ چین سے رہنے کے دن! شبو کے؟" زماں صاحب نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں بڑے سرکار! وہ لبنیٰ بی بی جو یہاں آگئی ہیں۔"

بیگم زماں کو ہنسی آگئی۔ "تو تُو گھر داماد بن جا۔"

"میں تو اس کے لئے بھی تیار تھا جی۔ سکھ چین سے رہنے کے لئے تو آدمی کچھ بھی کرسکتا ہے۔ پر شبو نے منع کردیا' کہنے لگی ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔"

"اچھا.......... یہ بتا' تیرا ٹرانسفر ہوگیا تو یہاں کھانا کون پکائے گا؟" بیگم زماں نے پوچھا۔

"میری جگہ شبو یہاں آجائے گی' وہ جی بڑے سرکار! کیا کہتے ہیں ایسے ٹرانسفر کو؟" نصیرا زماں صاحب کی طرف مڑا۔

"میوچوئل ٹرانسفر.......... باہمی تبادلہ۔" زماں صاحب نے بلا ارادہ کہا پھر وہ کھسیائے اور اس کے بعد انہیں غصہ آگیا۔ "کیا بکواس ہے؟"

"اچھا' تو تُو شبو کو شادی سے انکار کی سزا دینا چاہتا ہے؟" بیگم زماں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم بیگم صاحبہ' یہ بات نہیں۔ وہ جی چھوٹے سرکار بھی کم نہیں تھے کہ اب لبنیٰ بی بی بھی آگئیں۔ کل میں نے چائے بنائی اور کسی کام سے کچن سے باہر آیا۔ لبنیٰ بی بی نے چائے میں مسالے ملائے اور تو اور جی بگھار بھی لگا دیا۔ پھر مجھے زبردستی پلایا.......... سوپ کہہ کر۔ لگ تو کچھ کچھ سوپ ہی رہا تھا۔ میں بھی مزے میں پی گیا۔ اب تک پیٹ میں درد ہے۔"

بیگم زماں ہنسنے لگیں۔ "تو شبو بھی یہاں آکر روئے گی۔"

"چھ چھ ماہ بعد ٹرانسفر کرتی رہئے' سب کا کام چل جائے گا۔ تمام نوکروں کی لسٹ بنا لیجئے.........." نصیرا خوب سوچ سمجھ کر آیا تھا۔

"بس.........." زماں صاحب ہاتھ اٹھا کر دھاڑے۔ "مجھے لگتا ہے' تُو نوکروں کی یونین بنا ڈالے گا۔ ڈسمس' دفع ہوجا۔"

"برابر والے گھر میں؟"

"ہرگز نہیں' کچن میں جا اور چائے بنا کر لا۔ سر میں درد کردیا تُو نے۔"

نصیرے نے جلدی سے ایپرن کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اور کاغذ نکال کر زماں صاحب کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" زماں صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پڑھ لیجئے سرکار۔"

"بکواس مت کر' زبانی بتا۔"

"یہ استعفیٰ ہے بڑے سرکار!"

زماں صاحب کو ہنسی آگئی۔ "اچھا جا۔ میں تیری ٹرانسفر کی درخواست پر غور کروں

گا۔" انہوں نے کہا۔

نصیرا شکریہ ادا کر کے کچن کی طرف چلا گیا۔ زماں صاحب نے پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "اکلوتی اولاد کو پیدا ہوتے ہی گولی مار دینی چاہئے۔" چند لمحے بعد انہوں نے سر اٹھا کر کہا۔

"تو کیا اولاد کے ماتھے پر لکھا ہوتا ہے کہ وہ اکلوتی ہے۔" بیگم چڑ گئیں۔

"اچھا آپ تشریف لے جائیں اور مجھے اس سلسلے میں کچھ سوچنے دیں۔" زماں صاحب نے کھسیا کر کہا۔

☆======☆======☆

مسئلہ تھا دو اکلوتی اولادوں کا۔ مقصود الزماں اور مشہود الزماں بھائی تھے اور دونوں میں بڑی محبت تھی۔ مسعود، مقصود صاحب کی اکلوتی اولاد تھا اور لبنیٰ مشہود صاحب کی۔ مسعود اور لبنیٰ کے درمیان بہت سی قدریں مشترک تھیں۔ دونوں والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ دونوں ذہین تھے اور طبعاً شریر بھی۔ بچپن کے ساتھی تھے اور ان کے درمیان وابستگی اتنی گہری تھی کہ ان کی شادی لازمی ہونی تھی لیکن شرارتوں کی وجہ سے شادی کچھ جلد ہی ہو گئی۔ دونوں بھائیوں کا خیال تھا کہ ان کا لاابالی پن شادی ہی کے ذریعے ختم ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات کہ نتیجہ برعکس نکلا۔ وہ یکجا ہوئے تو.......... دو آتشہ ہو گئے۔ ملازموں کی روز مرہ شکایتوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ دونوں بچے ہوں۔ جس وقت شادی ہوئی، لبنیٰ اکیس سے اوپر تھی اور مسعود پچیس کے قریب تھا۔ لبنیٰ نے گریجویشن کر لیا تھا اور مسعود ایم اے کر چکا تھا۔ اب ان کی شادی کو چھ ماہ ہو چکے تھے۔

ایک ہفتہ پہلے مقصود صاحب نے مسعود سے بات کی تھی۔ "بیٹے، اب تمہیں اپنے کاروبار کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" انہوں نے کہا تھا۔ "آخر مستقبل میں تمہی کو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔" مقصود صاحب کی کنسٹرکشن کمپنی کا شمار ملک کی ممتاز ترین تعمیراتی کمپنیوں میں ہوتا تھا۔

"جی بہت بہتر پاپا!" مسعود نے کہا تھا۔ "جب آپ حکم کریں گے، میں دفتر جانا شروع کردوں گا۔"

مقصود الزماں کو کبھی کبھی اس پر بہت حیرت ہوتی تھی کہ مسعود اتنا سعادت مند ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شرارتوں کے معاملے میں بے لگام ہونے کے باوجود اس نے کبھی بدتمیزی نہیں کی تھی۔ نہ ہی ان کا کوئی حکم ٹالا تھا۔ اس سے انہیں امید بندھتی تھی کہ لاابالی پن چھوڑنے کے بعد وہ بہت اچھا بیٹا ثابت ہوگا۔ پڑھائی میں بھی وہ بہت اچھا جارہا تھا۔ اس نے معاشیات میں ایم اے پوزیشن کے ساتھ کیا تھا۔

اس گفتگو کے بعد مقصود صاحب نے مسعود کے لئے دفتر آراستہ کرایا۔ دفتر کے باہر.......... مسعود الزماں، ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن کی تختی لگی تھی۔ اب سے چار دن پہلے انہوں نے مسعود کو بتا دیا کہ اگلی صبح سے اسے ہر روز دفتر آنا ہے۔ "تمہیں ایڈمنسٹریشن سنبھالنا ہے۔ کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ دفتر کے معاملات بنے ہوئے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، پھر بھی مشکل ہوئی تو میں گائیڈ کروں گا۔"

اگلی صبح سے مسعود اختر آنے لگا۔ اس کے ایک دن بعد مقصود صاحب کو ضروری کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ اس میں بھی کوئی خلافِ معمول بات نہیں تھی۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ ایسا ہوتا تھا۔ ان کے ماتحت ان کی غیر موجودگی میں بھی کام سنبھال لیتے تھے۔

مقصود صاحب اسلام آباد سے گزشتہ روز ہی واپس آئے۔ دوپہر کے قریب وہ دفتر گئے تو دفتر میں سناٹے نے انہیں پریشان کر دیا۔ ان کے قدم تیز ہو گئے۔ اچانک ایک نعرے نے گویا پوری بلڈنگ ہلا ڈالی۔ "وہ مارا.......... کلین بولڈ!" مقصود صاحب اب تقریباً دوڑ رہے تھے۔

زیادہ تر کمرے خالی تھے۔ میز پر فائلیں اور کاغذات رکھے تھے لیکن کام کرنے والے ندارد۔ وہ اس طرف چلتے رہے، جہاں سے نعرہ سنائی دیا تھا اور بالآخر ان کے بدترین اندیشے کے مطابق وہ نئے ڈائریکٹر صاحب کا کمرہ ثابت ہوا۔

انہوں نے دروازے سے جو کچھ دیکھا، اس کے بعد انہیں زمین اپنے پیروں تلے سے نکلتی محسوس ہوئی۔ مسعود دونوں ٹانگیں میز پر پھیلائے اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں سامنے رکھے.......... ٹی وی پر جمی تھیں، جس کا پہلا حصہ مقصود صاحب کو نظر آرہا تھا۔

مقصود صاحب اس وقت چہرے پہچاننے کے قابل ہی نہیں تھے۔ وہ بس یہ جانتے

تھے کہ کمپنی کے ملازمین میں سے دو مسعود کی میز پر دائیں اور بائیں بیٹھے تھے۔ کمرے کی تمام کرسیاں' صوفے اور کاؤچ گھری ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ فرش پر بھی بیٹھے تھے۔ وہ سب کرکٹ کا ٹیسٹ میچ دیکھ رہے تھے' جو اسی روز شروع ہوا تھا۔

پہلے تو مقصود صاحب کچھ دیر سناٹے کے عالم میں کھڑے رہے پھر انہوں نے گرج کر کہا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

ان کی آواز سنتے ہی وہاں کھلبلی مچ گئی۔ صرف ایک منٹ کے اندر وہاں مسعود کے سوا کوئی نہیں رہا۔ وہ بھی اب بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی نظریں بھی ٹی وی پر نہیں تھیں۔ "آیئے.......... آیئے پاپا!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

مقصود صاحب اندر چلے گئے۔ "میں پوچھتا ہوں' یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"میچ دیکھ رہے تھے پاپا!" مسعود نے سادگی سے کہا۔

"دفتر میں؟"

"پاپا.......... میں میچ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔"

"لیکن پورے دفتر کو میچ دکھانے کی کیا تک بنتی تھی؟"

"میں نے کسی کو نہیں بلایا تھا پاپا' وہ سب خود ہی جمع ہو گئے تھے۔"

"تو تمہیں ان کو منع کر دینا چاہئے تھا۔"

"جو کام میں خود کر رہا تھا' اس سے انہیں کیسے منع کرتا!" مسعود نے معصومیت سے کہا۔

"تو پھر تم بھی دفتر میں یہ کام نہ کیا کرو۔"

"اب کبھی نہیں کروں گا پاپا! میچ کے دن میں دفتر سے چھٹی کیا کروں گا۔"

مقصود صاحب وہاں سے نکلے اور اپنے دفتر میں آئے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے انٹر کام پر کمپنی کے منیجر شیرازی صاحب کو طلب کر لیا۔ ذرا ہی دیر میں شیرازی صاحب بوکھلائے ہوئے ان کے کمرے میں آئے۔ "تشریف رکھئے۔" مقصود صاحب نے تیکھے لہجے میں کہا۔

شیرازی صاحب بیٹھ گئے مگر وہ نروس نظر آ رہے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ ہمارا دفتر ڈسپلن کے اعتبار سے مثالی ہے شیرازی صاحب!"

"یہ سب چھوٹے صاحب کی وجہ سے ہو رہا ہے جناب!" شیرازی صاحب نے بلبلا کر کہا۔ "پرسوں چھوٹے صاحب نے معاشیات اور بجٹ کے موضوع پر ملازمین کا سیمینار منعقد کیا اور کل تو وہ تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافے کا حکم نامہ جاری فرما رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں روکا۔ آج ٹیسٹ میچ شروع ہو گیا اور شکر ہے کہ آپ بھی آ گئے ورنہ آج شاید میں انہیں روک نہیں پاتا۔"

"تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافہ!" مقصود صاحب نے دہرایا اور پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ "ٹھیک ہے' آپ جایئے۔"

شیرازی صاحب کے جانے کے بعد مقصود الزماں نے انٹر کام اٹھا کر مسعود کو بلایا۔ اس کے آتے ہی وہ شروع ہو گئے۔ "یہ تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافے کا کیا چکر ہے؟" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

"وہ پاپا' پرسوں تین ملازمین میرے پاس آئے تھے۔ انہیں قرضے کی ضرورت تھی۔" مسعود نے بتایا۔

"تو پھر؟" مقصود صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"میں نے منع کر دیا" مسعود نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں نے انہیں بجٹ کی اہمیت سمجھائی۔ بتایا کہ بجٹ کے مطابق وہ گزر بسر کریں تو قرضے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور قرضہ لیں گے تو مزید قرضہ لینا پڑے گا کیونکہ قرضے کی قسط تنخواہ اور کم کر دے گی اس پر وہ کہنے لگے کہ قرض تو سبھی لیتے ہیں۔ سو پاپا' میں نے اگلے دن سیمینار طلب کر لیا۔ اس میں' میں نے بجٹ بنانا سکھایا مگر ثابت یہ ہوا کہ جو تنخواہ ہم انہیں دے رہے ہیں' اس میں صرف بارہ دن کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تنخواہوں میں ڈیڑھ سو فیصد اضافہ ناگزیر ہے۔"

"بے وقوف ہو تم۔ چند ماہ بعد وہ تنخواہ بھی بارہ دن کے گزارے کی رہ جائے گی۔"

"یہ ناممکن ہے پاپا!"

"گدھے ہو تم' زندگی کا کچھ پتا ہی نہیں ہے تمہیں۔ میاں' یہ زندگی ہے' علم معاشیات نہیں۔ تنخواہیں بڑھیں گی تو ان کا معیارِ زندگی مقابلتاً تنخواہوں سے زیادہ بلند ہو گا

اور چند ماہ میں وہ وہیں کے وہیں ہوں گے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تم قرضہ ہی منظور کر لیتے۔ خیر.........“ مقصود صاحب نے اچانک اس کے سامنے ہاتھ جوڑ لئے۔ ”مجھ پر اور میری کمپنی پر رحم فرماؤ میرے بچے! اس سے تو اچھا ہے کہ تم کالج میں معاشیات پڑھ کر دوسروں کے بچوں کو خراب کرو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ یہ میری حقیر سی کمپنی تمہارے علم کی متحمل نہیں ہو سکتی‘ جاؤ......... چلے جاؤ۔“

”بہت بہتر پاپا!“ مسعود نے بے حد سعادت مندی سے کہا تھا۔

اور آج گھر میں شکایتوں کا طومار بندھ گیا تھا۔

مقصود صاحب اس سلسلے میں سوچتے رہے۔ بالآخر انہیں ایک حل سوجھ ہی گیا۔ ان کا تجربہ تھا کہ سفر انسان کو زیست کرنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ شادی کا مقصد سفر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ ”میاں مردود الزماں!“ انہوں نے تصور میں بیٹے کو مخاطب کیا۔ ”اب آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ تم پہاڑ پر جائے بغیر نہیں سدھرو گے۔“

اب انہیں مسعود کا انتظار تھا!

☆------☆------☆

جیسے ہی مسعود گھر میں داخل ہوا‘ انہوں نے اسے پکار لیا۔ وہ آیا......... اور سلام کر کے سامنے والی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ”جی پاپا!“ اس نے بے حد سعادت مندی سے کہا۔

”تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

”جی پاپا؟“

”دیکھو بیٹے‘ اب تمہاری شادی.........“ مقصود صاحب نے پُرشفقت لہجے میں اسٹارٹ لیا۔

”جی ہاں پاپا! اب میری شادی ہو چکی ہے‘ اب مجھ پر بڑی ذمے داریاں ہیں.........“ مسعود نے اس طرح کہا جیسے کسی کتاب سے رٹا لگا کر آ رہا ہو۔

”کہاں کی ہانک رہے ہو؟“ مقصود صاحب ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

”.........اب مجھے لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے۔“ مسعود نے سنی ان سنی کر کے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اب لبنی بھی میری ذمے داری ہے‘ حالانکہ شادی صرف میری نہیں اس کی بھی ہوئی ہے لیکن اسے کوئی ذمے داری کی تلقین نہیں کرتا۔ اس کا کیا دھرا

اب میرے کھاتے میں آتا ہے۔ یہ ہے شادی کا نقصان۔ واقعی......... اب میری ذمے داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔“

”کیا بکواس ہے یہ؟ مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنا تھی۔“

”اوہ......... تو کیا یہ بات نہیں کرنی تھی آپ کو؟“ مسعود کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں۔ دراصل میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہاری شادی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔“

”ہو جائے گی پاپا‘ ہو جائے گی۔ میں سمجھ رہا ہوں آپ کا مطلب!“ مسعود نے شرماتے ہوئے کہا۔

”کیا سمجھ رہے ہو تم؟“ مقصود صاحب جھنجلا گئے۔

”جی......... وہ.........وہ......... برخوردار امرود الزماں.........“

”امرود الزماں!“ مسعود صاحب نے حیرت سے دہرایا پھر اچانک ان کی سمجھ میں مسعود کی بات آئی اور ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”او مردود!“ انہوں نے دانت پیس کر کہا۔

”چلئے......... دوسرے کا یہ نام رکھ لیں گے۔“

مقصود صاحب نے کوشش کر کے اپنے غصے اور جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔ بے قابو ہونے کی صورت میں بات وہیں کی وہیں رہتی۔ مسعود سے کوئی کام کی بات کرنا آسان نہیں تھا۔

”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہنی مون کے بغیر شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔“

”لیکن پاپا‘ ہماری شادی کو چھ ماہ ہو چکے ہیں۔“ مسعود نے گھبرا کر کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض اوقات آدمی کا عقیقہ تک ولیمے کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”اور بعض اوقات آدمی کا ولیمہ سوم کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”اب میں ہاتھ جھاڑ دوں گا۔“ مقصود صاحب کے لئے غصے پر قابو رکھنا دوبھر ہو رہا تھا۔

”پاپا‘ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک تو یہ اماوس کی راتیں ہیں‘ پھر مکھیاں اس موسم میں اپنا جمع کیا ہوا شہد خود کھاتی ہیں۔“

”میں تمہیں چاند توڑ کر لانے کے لئے کہہ رہا ہوں نہ شہد کا چھتا توڑ کر لانے کے لئے۔“

"لیکن پاپا' یہ دسمبر کا مہینہ ہے۔" مسعود نے احتجاج کیا۔

"کچھ بھی ہو' تمہیں ہنی مون پر جانا ہوگا۔"

"اس موسم میں تو دو ہی جگہیں ہیں ہنی مون کے قابل۔" مسعود نے دردناک لہجے میں کہا۔ "ملتان یا جیکب آباد۔"

"کہیں بھی جاؤ لیکن جانا پڑے گا تمہیں۔"

"ٹھیک ہے پاپا' جون کے دوسرے یا تیسرے ہفتے میں.........."

"جون میں نہیں' اسی مہینے جانا ہوگا۔"

مسعود نے چپ سادھ لی۔ اکلوتا بھی تھا اور لاڈلا بھی لیکن باپ کا ہر لہجہ پہچانتا تھا۔ سمجھ گیا کہ اب ہیر پھیر کی کوئی گنجائش نہیں' اس لہجے کے بعد تو وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے۔

"بس جلدی سے روانگی کی تیاری کرلو۔"

"بہت بہتر پاپا!"

☆------☆------☆

لبنیٰ پُرتشویش نگاہوں سے مسعود کو دیکھ رہی تھی' جو بے حد پریشان دکھائی دے رہا تھا اور پریشانی کا سبب بتانے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔ "تو تم یوں نہیں مانو گے مچھو!" اس نے مسعود پر آنکھیں نکالیں۔

"نہیں چلے گا۔ یہ مچھو وچھو نہیں چلے گا' اب میں تمہارا شوہر ہوں۔" مسعود نے بگڑ کر کہا۔

"شوہر بننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دُم نکل آئی ہے تمہاری۔ میں تو تمہیں پہلے ہی کی طرح پکاروں گی.......... مچھو۔"

"اچھا یہ بات ہے۔ سوتے میں تمہارے سر کو بالوں سے محروم نہ کردیا تو میرا نام.........."

"مچھو نہیں۔" لبنیٰ نے ہنستے ہوئے گویا جملہ پورا کیا۔ "خیر چھوڑو۔ اب نہیں کہوں گی مچھو لیکن یہ تو بتاؤ کہ پریشان کیوں ہو؟"

"پاپا کا کہنا ہے کہ ابھی ہماری شادی مکمل نہیں ہوئی ہے۔" مسعود نے دلگیر لہجے میں بتایا۔

"کیا.......... کیا مطلب؟" لبنیٰ گڑبڑا گئی۔ "کیا اب ایکشن ری پلے بھی ہوگا شادی کا؟"

"یہ سب تمہاری شرارتوں کا نتیجہ ہے۔" مسعود نے غصے سے کہا۔ "تمہیں اتنا خیال بھی نہیں کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔ اب تم پر کچھ ذمے داریاں بھی ہیں۔ تمہیں لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے۔"

"تو کیا میری شرارتوں کی وجہ سے شادی نامکمل رہ گئی ہے؟"

"اور کیا؟" مسعود نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری شرارتیں بڑھ گئی ہیں بلکہ ناقابلِ برداشت بھی ہوگئی ہیں۔" لبنیٰ بولی۔ "بہرحال' یہ بتاؤ کہ اب کیا ہوگا؟ انکل کیا کہتے ہیں؟"

"ان کا حکم ہے کہ کہیں ہنی مون کے لئے جانا ہوگا۔"

"واہ!" لبنیٰ کھل اٹھی۔ "تب تو مزہ آگیا۔"

"مزہ آگیا.........." مسعود نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری۔ "یہاں ذرا سی ٹھنڈ لگ جائے تو چھینک چھینک کر برا حال کردیتی ہو' چلی ہو پہاڑ پر ہنی مون منانے۔ قلفی جم جائے گی۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" لبنیٰ پریشان ہوگئی۔ "اب کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم پہاڑ پر جائیں گے۔ وہاں تمہیں نمونیا ہوگا پھر تم ٹیں ہوجاؤ گی اور میں بیوہ.......... نہیں بیوہ نہیں' خدا جانے کیا کہتے ہیں اسے.......... خیر' میں جیسے تیسے تمہارا سوگ مناؤں گا پھر میری دوسری شادی ہوگی اور مجھ پر دوبارہ ذمے داریاں آپڑیں گی۔"

"اور اس کے نتیجے میں تم بھی مرجاؤ گے۔" لبنیٰ نے بے حد جل کر کہا پھر اچانک ہی اس کا لہجہ بدل گیا۔ "جان بچانے کی کوئی صورت نکالو نا پلیز!" وہ گھگیانے لگی۔

دونوں کچھ دیر بڑی سنجیدگی سے صلاح مشورہ کرتے رہے پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔ "تم تیاری کرلو جلدی سے۔ ہم آج ہی چلیں گے۔" مسعود نے کہا۔

"ایک سوٹ کیس کافی ہوگا؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"بالکل۔ زیادہ سامان کا کیا کرنا ہے؟"

ایک گھنٹے بعد وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلے۔ نیچے ملازمہ نصیبن ڈرائنگ روم کی صفائی میں مصروف تھی۔ "ہم جارہے ہیں۔" مسعود نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے بہ آوازِ بلند اعلان کیا۔

"کک........... کیا........... کہاں جارہے ہیں چھوٹے سرکار!" نصیبن ہکلائی۔

مسعود کی آواز کچن میں نصیرے تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ بھاگتا ہوا آیا

"کہاں........... کہاں چلے چھوٹے سرکار!" اس نے سوٹ کیس کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔ اردو میں اسے نہ جانے کیا کہتے ہیں، بہرحال ہم ہنی مون منانے جارہے ہیں۔"

"اللہ مبارک کرے۔" نصیرے نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "آپ دونوں کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا لیکن جلدی نہ آیئے گا۔ یہاں کی فکر نہ کریں، میں موجود ہوں۔ سب سنبھال لوں گا۔ آب وہوا کی تبدیلی کا اثر فوراً نہیں پڑتا چھوٹے سرکار، دو تین مہینے میں تو پانی راس آتا ہے کہیں۔"

"میں سب سمجھ رہی ہوں۔" لبنیٰ نے دانت پیس کر کہا۔ "واپس آکر خبر لوں گی تمہاری۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں چھوٹی بی بی۔ مجھے تو آپ کی چائے........... میرا مطلب ہے سوپ یاد آرہا ہے۔ میرا دل رو رہا ہے آپ لوگوں کے جانے سے لیکن بات آپ کی خوشی کی ہے..........."

"بات آپ کی خوشی کی ہے۔" لبنیٰ نے اس کی نقل اتاری۔

"وہ چھوٹے سرکار........... اتنا سا سامان؟" نصیرے نے جلدی سے موضوع بدلا۔

"ہاں۔ یہ بہت کافی ہے ہمارے لئے۔" مسعود نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ کہتے ہیں تو کافی ہی ہوگا۔" نصیرے کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "ویسے زیادہ سامان لے جاتے تو اچھا تھا، مجھے اطمینان رہتا۔"

"ابے تیرے اطمینان کی کیا اہمیت ہے۔" مسعود نے بھنا کر کہا۔ "تُو تو اس وقت مطمئن ہوگا کہ ہم پورا گھر ہی اٹھا کر لے جائیں۔ ابے ہم کوئی عمر بھر کے لئے جارہے

ہیں........... اور میں جانتا ہوں، تو نے ہی سب سے زیادہ شکایتیں کی ہیں ہماری۔"

"قسم لے لیجئے سرکار! میں نے کوئی شکایت نہیں کی۔" نصیرا گھبرا کر بولا۔ "میں نے تو بس بڑے سرکار کو ویسی چائے بنا کر دی تھی، جیسی چھوٹی بی بی جی نے مجھے پلائی تھی۔"

"غضب خدا کا؟" لبنیٰ نے سر پیٹ لیا۔ "یہ کیا، کیا تم نے؟"

"مجھے تو وہ چائے اچھی لگی تھی چھوٹی بی بی!" نصیرے نے بڑی معصومیت سے کہا۔

مسعود کی سمجھ میں کچھ آیا، کچھ نہیں آیا۔ اس نے لبنیٰ کو گھور کر دیکھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔ مسعود نصیبن سے مخاطب ہوگیا۔ "بوا........... بابا کہاں ہیں؟"

"آفس گئے ہیں۔"

"اور ممی؟"

"وہ بازار گئی ہیں۔"

"بہت خوب۔ انہیں بتا دینا کہ ہم ہنی مون پر چلے گئے ہیں۔" مسعود نے نصیبن سے کہا پھر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے لبنیٰ سے بولا۔ "بس فٹافٹ نکل چلو۔"

"لایئے سرکار، سوٹ کیس میں اٹھالوں۔" نصیرا تیزی سے آگے بڑھا۔

"بس رہنے دے۔ اب ہم اپنا ہر کام خود کیا کریں گے۔"

وہ دونوں صدر دروازے سے نکل آئے۔ مسعود نے عقب میں قدموں کی چاپ سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو نصیرا ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے نصیرے پر آنکھیں نکالیں۔

"رشید سے گاڑی نکلواؤں آپ کے لئے؟"

"کوئی ضرورت نہیں، ہم پیدل جائیں گے۔"

"جی...........؟" نصیرے نے حیرت سے کہا۔ "اچھا۔ میں آپ کو اسٹیشن چھوڑ آتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں، بس تو واپس چلا جا۔"

"بہت بہتر چھوٹے سرکار! لیکن بڑے سرکار مجھے کھا جائیں گے۔" نصیرے نے مری مری آواز میں کہا۔

"جا کر کھانا پکائے گا تو نہیں کھائیں گے، کھانا نہیں پکا تو یقیناً تجھے کھا جائیں گے۔"

مسعود نے کہا اور لبنیٰ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ نصیرا اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ وہ دونوں گیٹ سے نکل گئے۔

مالی نے انہیں اس طرح جاتے دیکھا تو جلدی سے نصیرے کی طرف لپکا۔ "کیا ہوا؟ چھوٹے سرکار چھوٹی بی بی کہاں جارہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہنی مون منانے۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"پتا نہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔" نصیرے نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"تجھے انہیں چھوڑ کر آنا چاہئے تھا۔" مالی نے کہا پھر پوچھا۔ "گاڑی میں کیوں نہیں گئے؟"

"کہتے تھے' پیدل جائیں گے۔"

"تب تو کہیں قریب ہی گئے ہوں گے۔" مالی نے بے حد مایوسی سے کہا۔

☆------☆------☆

شبو کے ہاتھ سے ایش ٹرے چھوٹ گئی۔ فضا میں چھناکے کی آواز گونجی

"بب.........بی بی صص.........صاحب آپ!" وہ بری طرح ہکلائی۔

"میں ڈیڈی سے کہہ کر تیرا آپریشن کرادوں گی۔" لبنیٰ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کک.........کیسا آپریشن؟"

"گھگی کا!" لبنیٰ نے کہا۔ "تیری گھگی نکلوانا بہت ضروری ہے۔ وقت بے وقت بند ہوجاتی ہے۔"

اسی وقت مشہود صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ "کیا ہوا؟ یہ آواز کیسی تھی؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں پہلے لبنیٰ پھر مسعود دکھائی دیا' جس کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ "یہ کیا؟" وہ ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔ "کب آئے تم لوگ؟ پتا ہی نہیں چلا اور یہ سوٹ کیس.........؟"

لبنیٰ نے ملتجی نگاہوں سے مسعود کو دیکھا۔ "السلام علیکم چچا جان۔ دراصل ہم یہاں ہنی مون منانے آئے ہیں۔" مسعود نے کہا۔ "پاپا کا حکم ہے کہ ہم کم از کم ایک مہینہ ہنی مون منائیں۔"

"گدھے ہو تم!" مشہود صاحب نے کہا لیکن ان کے لہجے میں شفقت تھی۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ہنی مون کے اس ہنگامی حکم کا کیا سبب ہوسکتا ہے۔ "بھائی جان کا مطلب ہے کہ تم لوگ کم از کم ایک مہینہ شہر سے باہر رہ کر تفریح کرو۔ اچھا......... یہ سوٹ کیس رکھو اور سکون سے بیٹھو' میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔"

مسعود نے جلدی سے سوٹ کیس رکھا اور قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "بات یہ ہے چچا جان کہ ہمیں تفریح کے لئے اس شہر سے باہر جانے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا بہت اچھا گزارہ ہو رہا ہے۔"

"لیکن بھائی جان تمہیں اور طرح کی تفریح کرانا چاہتے ہیں۔"

"مگر ڈیڈی! ہم جائیں گے کہاں؟" لبنیٰ نے رودینے والے انداز میں کہا۔ وہ بدستور کھڑی تھی۔

"کسی پُر فضا پہاڑی مقام کا رخ کرو۔ میرے خیال میں مری چلے جاؤ تو سب سے اچھا ہے۔"

"اتنی سردی میں؟"

"ارے کچھ نہیں ہوتا سردی سے۔ دنیا جاتی ہے برف باری دیکھنے۔" مشہود صاحب نے کہا۔ "بہت لطف آتا ہے۔"

"اوہ......... میں نے برف باری بھی نہیں دیکھی۔" مسعود کو پہلی بار ہنی مون میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

"لیکن میرا زکام......... چھینکیں......... نمونیا!" لبنیٰ نے احتجاج کیا۔

"کچھ نہیں ہوتا بیٹے!" مشہود صاحب نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔ "یقین کرو' تمہیں لطف آجائے گا۔ اب سکون سے بیٹھو' رات کا کھانا کھا کر واپس جانا۔"

"واپس چلے جانا!" مسعود نے کراہتے ہوئے دہرایا پھر اس نے سوالیہ نظروں سے لبنیٰ کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ شبو اب نسبتاً مطمئن نظر آرہی تھی۔

☆------☆------☆

مقصود صاحب اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ نصیرا بڑے سنسنی آمیز لہجے میں انہیں مسعود اور لبنیٰ کی ہنی مون کے لئے روانگی کا احوال سنا رہا تھا۔ "بڑے سرکار! انہوں نے

مجھے سوٹ کیس بھی نہیں اٹھانے دیا۔ کہنے لگے' اب ہم اپنا کام خود کیا کریں گے۔"

"بے حد تشویش ناک مکالمہ ہے۔" مقصود صاحب نے کہا۔ بیگم صاحبہ پریشان ہونے لگیں۔

"پھر میں نے کہا کہ رشید سے گاڑی نکلواؤں تو بولے' نہیں.......... ہم پیدل چلے جائیں گے اور بڑے سرکار.......... مجھے اسٹیشن تک ساتھ بھی نہیں چلنے دیا۔"

"پاگل ہوگیا ہے؟ کیسا اسٹیشن' کہاں کا اسٹیشن؟ صاف پتا چل رہا ہے کہ وہ کہیں قریب ہی گئے ہیں۔ بھئی میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔"

"میں کہتی ہوں' تلاش کریں انہیں۔" بیگم صاحبہ تشویش آمیز لہجے میں بولیں۔ "یہ سب آپ کے جبر کا نتیجہ ہے۔"

مقصود صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ مسعود اور لبنیٰ کا نزول ہوا۔ مسعود کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ "یہ لیجئے.......... آگئے یہ دونوں۔" مقصود صاحب نے بیگم سے کہا پھر وہ مسعود کی طرف مڑے۔ "کہاں چلے گئے تھے تم؟" انہوں نے گرج کر پوچھا۔

"جی ہنی مون منانے۔" مسعود نے بے حد معصومیت سے کہا۔

"ہنی مون نہ ہوا' فلم شو ہوگیا۔" مقصود صاحب جھلا کر بولے۔ "چھ بجے گئے اور رات نو بجے آگئے' کہاں گئے تھے ہنی مون منانے؟"

"وہ پاپا.......... چچا جان کا لان بہت سرد' خوبصورت اور سرسبز مقام ہے۔ ہم تو وہاں ایک مہینہ گزارتے لیکن انہوں نے کھانا کھلا کر رخصت کردیا۔"

"بہت اچھا کیا انہوں نے۔ دیکھو صاحبزادے! میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تمہیں کم از کم ایک مہینہ شہر سے باہر گزارنا ہے۔ خود سے نہیں جاؤ گے تو بلٹی کرادوں گا تمہاری۔"

"جی بہت بہتر۔" مسعود نے مرے مرے لہجے میں کہا اور نصیر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆======☆======☆

وہ دونوں مسعود کے سب سے گہرے اور بے تکلف دوست شاکر کے پاس بیٹھے تھے۔ شاکر ان کی الم ناک روداد سن کر بہت ہنسا۔ مسعود سخت نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے' مجھے پتا چل گیا ہے کہ دوست ایسے ہوتے ہیں۔ تم پر یہ سب

گزرتی تو پتا چلتا۔"

"پتا تو اب بھی چل رہا ہے۔" شاکر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تو مجھے شادی کے نام سے ہی خوف آنے لگا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب میرا کیا ہوگا؟ اب قبول ہے' قبول ہے' قبول ہے تو واپس نہیں ہوسکتا۔"

"میرے بس میں ہوتا تو پہلی فرصت میں تمہارے منہ پر مارتی تمہارا قبول ہے۔" لبنیٰ نے بھنا کر کہا۔

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تمہاری ہی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔" مسعود نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں۔ یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"تم لوگ تو لڑنے لگے۔" شاکر نے مداخلت کی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں تم دونوں کا کیا قصور ہے؟"

"اس مچھونے لان کو پاگل کردیا تھا' یہ اسی کا نتیجہ ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"ناممکن۔ میں نے تو مفت میں پورے گھر کو ایک تبدیلی فراہم کی تھی.......... چینج آف سینری۔ اسے تو سراہا جانا چاہئے۔" مسعود بولا۔ شاکر کا منہ کھلا دیکھ کر اس نے لان کو پاگل کرنے کی وضاحت کی۔ شاکر ہنستے ہنستے بے حال ہوگیا۔ "ساری خرابی اس لبنیٰ کی پیدا کردہ ہے۔" مسعود نے کہا۔ "اس کی وجہ سے پاپا کو مسالے والی بگھار لگی چائے پینی پڑی تھی۔"

"میں نے وہ چائے تایا جان کو نہیں' نصیر کو پلائی تھی۔" لبنیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا' میں صادقہ کے گھر جارہی ہوں۔ جاتے ہوئے مجھے پک کرلینا۔"

اس کے جانے کے بعد شاکر نے سنجیدہ لہجے میں مسعود سے کہا۔ "ویسے اب تم لوگوں کو یہ لاابالی پن چھوڑ دینا چاہئے' سنجیدگی اختیار کرو۔"

"یعنی خشک' بے رنگ اور بور زندگی گزار دوں' یہ ہوتی ہے شادی؟"

"شادی کے نتیجے میں تمہیں محبت جو مل گئی۔ اب تمہیں لبنیٰ کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"سب یہی کہتے ہیں۔" مسعود نے آہ بھر کے کہا۔ "حالانکہ لبنیٰ کو اس کی ضرورت

نہیں۔ وہ خود اپنا خیال رکھ سکتی ہے اور یہ جو تم محبت کی بات کرتے ہو تو سچ یہ ہے کہ میں بچپن سے ہی لبنیٰ کے ساتھ رہا ہوں' فطری طور پر انسیت ہے اس سے اور بس۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔" وہ کہتے کہتے رکا۔ "بلکہ یہ تو شاید ہم دونوں ہی کو معلوم نہیں کہ محبت ہوتی کیا ہے۔"

"بس تو یہی مسئلہ ہے تم دونوں کا۔" شاکر نے کہا۔ "تم شادی کے بعد بھی میاں بیوی نہیں' ایک دوسرے کے لئے وہی ہو جو پہلے تھے لیکن شادی کے نتیجے میں تم سمجھتے ہو کہ بلاوجہ تمہاری آزادی سلب ہوگئی ہے اور اس کے بدلے تمہیں کچھ بھی نہیں ملا۔"

"یہی بات ہے۔" مسعود نے بہت جوش سے کہا۔ "اور یہی واقعہ بھی ہے۔"

"تم دونوں کو ایک دوسرے کی محبت دریافت کرنا ہوگی۔"

"وہ کیسے ہوگی بھائی؟" مسعود نے آہ بھر کے کہا۔ "ہم دونوں کو یقین ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے بالکل محبت وحبت نہیں ہے۔"

"محبت ہوگی تو کسی بحران میں' کسی مشکل گھڑی میں' کسی آزمائش میں ابھر آئے گی.......... اس طرح کہ تم انکار نہیں کرسکو گے۔ پھر تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ تم اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوجاؤ گے۔" شاکر نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"تم پتا نہیں کہاں کی ہانک رہے ہو۔"

شاکر نے اس کی سنی ان سنی کردی۔ "انکل نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔" اس نے کہا۔ "جانے پہچانے ماحول سے دور رہ کر شاید تم دونوں خود کو اور ایک دوسرے کو دریافت کرلو اور محبت بھی تم پر منکشف ہوجائے۔ یہاں تو یہ کام آسان نہیں۔"

"خدا جانے' کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"اسے چھوڑو۔ میرا مشورہ مانو اور ڈٹ کر ہنی مون مناؤ۔" شاکر نے کہا۔ "مری میں ہمارا بہت خوبصورت بنگلہ ہے' جو عام طور پر خالی رہتا ہے۔ میں تمہیں پتا بتا دوں گا' اچھی طرح سمجھا دوں گا اور بنگلے کے منتظم شاہد کو ٹیلی گرام کردوں گا۔ وہاں تمہیں بہت لطف آئے گا۔ تمام سہولتیں ملیں گی' کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"اور سردی؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ سردی کہاں نہیں ہوتی۔ بس ذرا تیاری کے ساتھ جانا۔

یقین کرو برف باری میں مزہ آجائے گا۔ لوگ اس موسم میں پہاڑ پر جانے کو ترستے ہیں۔ دراصل سردیوں میں بیشتر ہوٹل بند ہوجاتے ہیں۔ عام طور پر صرف وہی لوگ جاتے ہیں' جن کی وہاں کوئی اپنی قیام گاہ ہو۔ میں تو کئی بار جاچکا ہوں' وہاں سے واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

مسعود کا دل للچانے لگا۔ "اچھا' تب تو ٹھیک ہے۔ تو ٹیلی گرام کب کرو گے بنگلے کے منتظم کو؟"

"کل ٹیلی گرام کروں گا' تم لوگ پرسوں روانہ ہوجاؤ۔"

دوسری طرف لبنیٰ سے اس کی سہیلی صادقہ نے بھی کچھ اسی قسم کی گفتگو کی تھی۔ اس نے بھی اسے مسعود کے ساتھ مری جانے کا مشورہ دیا تھا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں وقت گزار سکیں۔

واپسی پر مسعود نے صادقہ کے گھر سے لبنیٰ کو پک کرلیا' جو شاکر کے گھر سے تین چار گھر چھوڑ کر رہتی تھی۔ اس نے لبنیٰ کو بتایا کہ انہیں مری جانا ہی پڑے گا۔ گھر پہنچنے تک دونوں محبت کے بارے میں سوچتے رہے لیکن اس کے بعد یہ خیال ان کے دل سے محو ہوگیا۔

☆------☆------☆

وہ ٹرین کے ذریعے راولپنڈی پہنچے۔ سفر کے دوران سردی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا اور اسی حساب سے ان کا اپنا وزن بھی بڑھ رہا تھا.......... کپڑوں کی وجہ سے۔ راولپنڈی پہنچتے پہنچتے سردی اور تھکن نے انہیں نڈھال کردیا تھا۔

"لو.......... اب فوراً مری پہنچنے کی فکر کرنی ہے۔" مسعود نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک دن یہاں کسی ہوٹل میں قیام نہیں کرسکتے۔" لبنیٰ کے لہجے میں اضمحلال تھا۔

"نہیں۔ اس صورت میں ہم مری کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔" مسعود نے جواب دیا۔ "اپنا تو یہ حال ہے کہ حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے' بیٹھ گئے۔ ایک بار بستر پر ٹک گیا تو میں تین دن تک تو اٹھنے والا نہیں ہوں۔"

"تو ضرورت کیا ہے مری جانے کی؟" لبنیٰ جھنجلا گئی۔ "ہنی مون تو یہاں بھی ہوسکتا

ہے۔"

"ضرورت یوں ہے محترمہ کہ پاپا جان نے بہت محدود زادِ راہ عطا فرمایا ہے۔ کہہ رہے تھے' اب تم لوگوں کو بجٹ بنا کر اس کے مطابق زندگی گزارنا سیکھ لینا چاہئے۔ یہ تربیت ہو رہی ہے ہماری۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ مری میں قیام وطعام مفت رہے گا۔ راولپنڈی میں ٹکے تو چار دن میں کنگال ہو جائیں گے اور پاپا نے واضح کر دیا ہے کہ ایک ماہ سے پہلے ہم گھر میں قابلِ قبول نہیں ہوں گے' سمجھیں کچھ؟"

"سمجھ گئی' مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو ہرگز نہ کرتی شادی۔"

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔" مسعود نے گنگنا کر کہا اور پھر اچانک پریشان نظر آنے لگا۔ "لیکن ایک دو گھنٹے کے لئے تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔ خیر' دیکھا جائے گا۔ ویٹنگ روم سے کام چلائیں گے۔"

"کیا مطلب؟ کہاں کی ہانک رہے ہو؟" لبنیٰ گڑبڑا گئی۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ دراصل تمہاری پیکنگ بہت پرانی ہو گئی ہے اور نظروں کو بری لگنے لگی ہے۔" مسعود نے منہ بنا کر کہا۔

"یہی دستور ہے مردوں کا۔" لبنیٰ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شادی کے بعد سب کچھ برا لگنے لگتا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ میں نے تو شادی سے پہلے بھی کبھی تمہیں اچھا نہیں کہا اور اس وقت برا بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔ پیکنگ سے میری مراد وہ دو سوئٹر' ایک جیکٹ اور ایک کوٹ ہے جو تم نے اپنے جسم پر چڑھا رکھے ہیں۔ یقین کرو' بلٹ پروف لگ رہی ہو۔"

"خود کو بھی دیکھ لو ایک نظر۔"

مسعود نے سنی ان سنی کر دی۔ "اس وقت اپنا وزن کرا لو تو سیدھا سلمنگ کلینک کا رخ کرو گی۔ خیر' اب جلدی سے پیکنگ تبدیل کرو اپنی۔"

"یہ پیکنگ پیکنگ کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔" لبنیٰ چڑ گئی۔

"اچھی پیکنگ ہر پروڈکٹ کے لئے اہم ہوتی ہے۔ پیکنگ ذرا ناقص ہوئی اور پروڈکٹ کی مارکیٹ ویلیو صفر.........."

"میں پروڈکٹ ہوں؟" لبنیٰ نے آنکھیں نکالیں۔

"اور کیا.......... چچا جان اینڈ ہز وائف لمیٹڈ کا پروڈکٹ ہو تم۔"

"اچھا' فضول باتیں مت کرو۔" لبنیٰ نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر لیڈیز روم کی طرف چل دی۔

اسٹیشن پر اترنے کے ایک گھنٹے بعد وہ شاکر کی ہدایت کے مطابق لاری اڈے پہنچے۔ موسم کی وجہ سے مری جانے والی ویگنیں کم ہی تھیں۔ وہیں ایک فربہ اندام شخص نیلی ڈاٹسن کار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ ان کی طرف لپکا۔ "کہاں جانا ہے صاحب جی!" اس نے مسعود سے پوچھا۔

"مری جانا ہے۔" مسعود نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ دو بیگ اب بھی اس کے کندھوں سے لٹک رہے تھے۔ ایک بیگ لبنیٰ کے پاس تھا۔

"آئیے.......... میں لے چلوں گا۔"

"کتنے پیسے لو گے؟" مسعود نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"تین سو روپے دے دیجئے گا۔"

"تین سو؟" مسعود نے آنکھیں پھیلا کر حیرت ظاہر کی۔ "مذاق کر رہے ہو؟"

"نہیں صاحب جی۔ ویگن والے اسی روپے لیں گے مگر دیر لگائیں گے' کار میں آرام رہے گا۔"

"لیکن.........."

لبنیٰ نے مسعود کو گھور کر دیکھا۔ "میرے بس کا نہیں ہے ویگن کا سفر۔"

"لیکن میرا بجٹ!"

"جہنم میں جائے بجٹ۔"

"ٹھیک ہے' خوب عیاشی کر لو۔" مسعود کراہا۔

"لائیے.......... آپ کا سامان ڈگی میں رکھ دوں۔" فربہ اندام ڈرائیور نے کہا۔

سامان ڈگی میں رکھنے کے بعد اس نے بڑے احترام سے ان کے لئے دروازہ کھولا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد وہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی آگے بڑھ گئی۔

ڈیڑھ گھنٹے کا وہ سفر بے حد خوف ناک ثابت ہوا۔ انہیں پہلی بار معلوم ہوا کہ

پہاڑی سڑکیں ایسی ہوتی ہیں۔ سڑک کے ایک جانب بلند و بالا پہاڑ کی عمودی دیوار تھی۔ دوسری طرف گہری کھائیاں اور مہیب کھڈ۔ لبنیٰ نے صرف ایک بار باہر جھانکا تھا۔ اس کے بعد وہ سہم سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے بلندی سے ویسے ہی خوف آتا تھا۔ البتہ مسعود اس سفر سے پوری طرح محظوظ ہو رہا تھا۔

ڈرائیور بہت باتونی تھا۔ پہاڑی سفر شروع ہوتے ہی اس نے باتیں شروع کر دی تھیں۔ "آپ لوگ یہاں پہلی بار آئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

مسعود نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں.........."

"تمہارا سوال نامکمل ہے۔" لبنیٰ نے جلدی سے کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلی اور آخری بار آئے ہیں۔"

"یہ تو ممکن نہیں بیگم صاحبہ' جو ایک بار یہاں آجائے' اس کا واپس جانے کو دل نہیں چاہتا۔ پھر وہ بار بار یہاں آتا ہے۔"

"مجھے تو اب تک ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔" لبنیٰ نے منہ بنا کر کہا۔

"نیچے وادی میں جھانک کر دیکھئے۔ یہ جگہ سیاحوں کی جنت کہلاتی ہے۔"

"کھڈ میں گرنے کے بعد کہلاتی ہوگی۔" لبنیٰ نے بے زاری سے کہا۔

"اوہ.......... شاید آپ ڈر رہی ہیں۔" ڈرائیور نے برا مانے بغیر کہا۔ "خیر مری چل کر دیکھ لیجئے گا۔" پھر وہ مسعود سے مخاطب ہوا۔ "آپ لوگ ٹھہریں گے کہاں؟"

"میرے ایک دوست کا بنگلا ہے مری میں۔" مسعود نے جواب دیا۔ "فلک سیر نام ہے بنگلے کا۔ ہم وہیں ٹھہریں گے۔"

"فلک سیر!" ڈرائیور بری طرح چونکا۔

مسعود نے عقب نما آئینے میں اس کے عکس کو بغور دیکھا۔ "کیوں.......... کیا بات ہے؟ تم فلک سیر کا نام سن کر چونکے کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں صاحب جی۔"

"کچھ تو ہے۔" مسعود نے اصرار کیا۔

"میرا خیال ہے' آپ اس بات کی کوئی پروا نہیں کریں گے۔" ڈرائیور نے کہا "حالانکہ بیگم صاحبہ کی وجہ سے آپ کو خیال کرنا چاہئے۔"

اب تو لبنیٰ کے بھی کان کھڑے ہوگئے۔ "کیا بات ہے؟ کھل کر بتاؤ۔"

"وہ جی بیگم صاب' اس بنگلے میں آسیب ہے۔"

"آسیب!" لبنیٰ نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "واہ۔ میں نے کبھی آسیب نہیں دیکھا۔ اب لطف آئے گا یہاں۔"

ڈرائیور نے برا منہ بنایا اور ہونٹ بھینچ لئے۔ مسعود کے چہرے پر پریشانی کا تاثر تھا۔ "کیسا آسیب ہے بھائی! خطرناک ہے کیا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ لوگ تو ایسے بات کر رہے ہیں صاحب جیسے آسیب بھی کوئی مذاق ہو۔" ڈرائیور نے چڑچڑے پن سے کہا۔ "آسیب تو ہوتا ہی خطرناک ہے۔"

"پھر بھی' ہمیں بتاؤ تو کہ کتنا خطرناک ہے.......... کیسا خطرناک ہے؟"

"وہ جی میں تفصیل تو نہیں بتا سکتا۔ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ کوئی اس طرف جاتا ہی نہیں۔ شکر ہے' بنگلا آبادی سے ہٹ کر ہے۔"

"یہ آسیب وغیرہ ایسی جگہیں پسند کرتے ہیں' تنہائی پسند جو ہوئے۔" مسعود نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"اور کیا!" لبنیٰ نے جلدی سے تائید کی۔ "تاکہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے اور ڈسٹرب کرے تو یہ نقل مکانی کر جاتے ہیں۔"

"آپ لوگ عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں آپ کی باتیں۔"

"ہم لوگ خود آسیب ہیں.......... ڈیڑھ آسیب!" مسعود نے ڈرائیور کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ میری بیوی مکمل آسیب ہے.......... مکمل اور پیدائشی۔ اس کا آسیب اس کے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا۔ مجھے آسیب اس سے لگا ہے.......... چودہ سال کی عمر میں۔ یہ آسیب بھی چھوت کی بیماری ہوتا ہے۔ ہم لوگ علاج کے سلسلے میں یہاں بھیجے گئے ہیں۔"

ڈرائیور ہنسنے لگا۔

"مذاق سمجھ رہے ہو۔ ذرا میری بیوی کی آنکھیں دیکھو۔"

ڈرائیور نے اضطراری طور پر عقب نما آئینے میں لبنیٰ کو دیکھا' جو مسعود کی بات سنتے ہی بھینگی ہوگئی تھی۔ اس نے آنکھوں میں وحشت لانے کی کوشش بھی کی تھی۔ "خیر مجھے

کیا' آپ لوگ جانیں۔" ڈرائیور نے منہ بنا کر کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ گاڑی اب مری کی حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ سڑک کے اطراف میں بڑی' جدید طرز کی دکانیں تھیں لیکن اس وقت سب بند تھیں۔ شاید اس لئے کہ یہ موسم گرما نہیں تھا' جو مری میں سیزن کہلاتا ہے۔ پھرانہیں کچھ ہوٹل نظر آئے۔ ان میں سے بھی بیشتر بند تھے۔ سڑک پر بھی رونق نہیں تھی۔ البتہ مقامی لوگ نظر آرہے تھے۔

"اب ایسا ہے صاحب کہ میں آپ کو ہوٹل لے چلتا ہوں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ہرگز نہیں!" مسعود بری طرح بدکا۔

"صاحب جی' یقین کریں وہ بنگلا خطرناک ہے۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میرے بجٹ میں ہوٹل کی کوئی گنجائش نہیں۔ بابا نے ہمیں اتنے پیسے ہی نہیں دیئے۔"

"اس موسم میں کمرے کا کرایہ زیادہ نہیں ہوگا۔ میرے ایک دوست کا اپنا ہوٹل بھی ہے۔ وہ آپ کے ساتھ خاص رعایت کرے گا۔"

"اے ڈرائیور صاب......... ہم لوگ خیراتی نہیں ہیں۔" مسعود نے سخت برا مانتے ہوئے کہا۔ "تم بس ہمیں فلک سیر لے چلو۔"

"بہت بہتر صاب!" ڈرائیور نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ کی اجازت چاہتا ہوں۔" وہ کار سے اترا اور ایک طرف چلا گیا۔ مسعود اور لبنیٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ڈرائیور پانچ منٹ بعد واپس آیا۔ "زمانہ ہی ایسا ہے صاب!" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کسی کو اس کی ضرورت پر قرض دو اور پھر یوں مانگو جیسے خیرات مانگ رہے ہو اور اس کے بعد بھی اپنا پیسہ قسطوں میں واپس ملتا ہے۔"

بازار سے نکلنے کے بعد ایک دوراہا آیا۔ ایک سڑک آبادی کی طرف جارہی تھی اور دوسری پہاڑی سڑک تھی۔ ڈرائیور نے کار کو پہاڑی سڑک پر موڑ لیا۔ کوئی تین کلومیٹر کی ڈرائیو کے بعد سڑک کی داہنی جانب ایک بنگلے کا ایک رخ نظر آیا۔ "یہی ہے جناب فلک سیر!" ڈرائیور نے بتایا۔

ڈرائیور نے اتر کر ڈگی کھولی اور ان کا سامان نکالا۔ اس دوران وہ بنگلے کا جائزہ لیتے

رہے۔ بنگلا بے حد خوبصورت تھا۔ سامنے کے رخ پر بلند محرابی کھڑکیاں تھیں۔ صدر دروازہ بھی محرابی تھا۔ سامنے کے رخ پر عمارت کے آگے لان تھا۔ باہر لوہے کا جالیوں والا دروازہ تھا۔

"صاحب جی' اتار دیا ہے آپ کا سامان۔" ڈرائیور نے انہیں چونکا دیا۔

مسعود نے سامان پر نظر ڈالی پھر اس نے اسے تین سو روپے دیئے۔ ڈرائیور نے شکریہ ادا کیا اور نوٹ جیب میں رکھ لئے۔ اسی وقت لوہے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی نمودار ہوا۔ وہ شلوار قمیض اور اونی واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں پشاوری چپلیں اور سر پر گرم ٹوپی تھی۔ "آپ ماسود میب ہے؟" اس نے مسعود سے پوچھا۔

مسعود کو یہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی کہ وہ اس کا نام لے رہا ہے۔ اس نے اثبات میں سرہلایا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ بنگلے کے منتظم اور نگران شاہد کے بارے میں اس کا تصور بالکل مختلف تھا۔ "تم شاہد ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں ' شاہد صایب باہر گیا ہوا ہے۔ وہ ام کو چابی دے گیا تھا۔ ام کو معلوم تھا کہ آپ لوگ آنے والا ہے' امارا نام نصیب خان ہے۔"

ڈرائیور کار لے کر رخصت ہوگیا۔ نصیب خان نے اس کا سامان اٹھایا اور بنگلے میں داخل ہوگیا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ بنگلا ایک منزلہ لیکن بے حد کشادہ اور وسیع تھا۔

"ام نے صفائی پہلے ای کردیا تھا۔" نصیب خان نے فخریہ لہجے میں کہا پھر وہ انہیں بیڈ روم میں لے آیا۔ "یہ آپ کا کمرا ہے۔" اس نے سامان رکھتے ہوئے کہا۔ "آیئے میرے ساتھ۔ ابی میں آپ کو بنگلا دکھادوں۔"

سب سے پہلے وہ انہیں کچن میں لے گیا۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ فریج بھی بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ مسعود کے خیال میں وہاں فریج کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نصیب خان نے انہیں دوسرے کمرے دکھائے۔ پہلی بار انہیں پتا چلا کہ بنگلے کے عقبی حصے میں بھی کمرے ہیں جن کی کھڑکیاں دوسرے رخ پر کھلتی ہیں۔ عقبی حصے میں چار کمرے تھے۔ ہر کمرا پوری طرح آراستہ اور استعمال کے قابل تھا۔

کونے والے کمرے میں پہنچ کر لبنیٰ ٹھٹک گئی۔ "ارے........ یہ کیا؟" اس کے

منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیا ہوا؟" مسعود نے پوچھا۔

"عجیب بات ہے' یہاں ٹیرس بھی ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

مسعود نے کمرے کا جائزہ لیا اور خود بھی چونک پڑا۔ کمرے کی کھڑکیاں سامنے والے حصے کی طرف بلند اور محرابی طرز کی تھیں۔ کمرے کے بائیں بازو میں دو کھڑکیاں تھیں اور انتہائی بائیں جانب ایک محرابی دروازہ تھا۔ دروازہ بند تھا لیکن شیشوں سے صاف دیکھا جاسکتا تھا کہ دروازہ ٹیرس کی طرف کھلتا تھا۔ ٹیرس کی ریلنگ بھی صاف ستھری نظر آرہی تھی۔

لبنیٰ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور ٹیرس پر قدم رکھا۔ مسعود اس کے ساتھ تھا۔ دونوں ریلنگ کی طرف بڑھے۔ لبنیٰ نے ریلنگ کے پاس پہنچ کر نیچے دیکھا.......... اور اسے چکر آگئے۔ اگر مسعود حاضر دماغی سے کام لے کر اسے اپنی طرف نہ کھینچ لیتا تو وہ یقیناً گر گئی ہوتی اور اتنی بلندی سے گرنے کا مطلب.......... وہ دونوں ہی لرز کر رہ گئے۔

مسعود کچھ دیر اسے بانہوں کے حلقے میں لئے کھڑا رہا۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ مسعود نے اسے اتنا خوف زدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے اس پر پیار آنے لگا۔ اس نے ذرا دور ہٹا کر اسے بہت غور سے دیکھا۔ "ڈر گئیں؟"

"مسعود.......... یہ.......... کیا ہے؟" وہ ہکلائی۔

"تم دیکھ ہی رہی ہو۔ یہ ٹیرس ہے۔" مسعود نے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

"لل.......... لل.......... لیکن.........."

"ارے پگلی' یہ بنگلا پہاڑ پر تعمیر کیا گیا ہے۔" مسعود نے اسے سمجھایا۔ "اس کا عقبی حصہ پہاڑ کے اختتام کی طرف ہے۔ سامنے والے حصے کی طرف سے یہ ایک عام سا ایک منزلہ بنگلا ہے لیکن عقبی حصے کی طرف سے.........." اس نے کندھے جھٹکے۔ "تم نے دیکھ ہی لیا ہے' یہاں ٹیرس بنانا بے سبب نہیں تھا۔ ٹیرس نے اس بنگلے کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔"

لبنیٰ کے جسم کی لرزش کچھ کم ہوگئی تھی۔ مسعود نے اسے ایک طرف ہٹایا اور ریلنگ کی طرف بڑھا۔ "نہیں.......... نہیں مسعود' وہاں نہ جاؤ۔" لبنیٰ چیخی۔

"پاگل نہ بنو۔ مجھے بھی دیکھنے دو۔ کوئی کمال ماہر تعمیر ہوگا جس نے یہ بنگلا تعمیر کیا ہے۔" مسعود نے کہا پھر اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک لمحے کو اسے بھی چکر آگیا۔ وہ تو ذہنی طور پر وہ تیار تھا ورنہ اچانک نیچے دیکھنے والے پر تو جو بھی گزر جائے وہ کم ہے۔ اس رخ سے وہ کسی عمارت کی ۱۰۰ ویں منزل معلوم ہوتی تھی۔ "کمال ہے' واقعی کمال ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اسی وقت نصیب خان ٹیرس پر نمودار ہوا۔ "ابی ام چلتا ہے میب!" اس نے اعلان کیا۔

"تم شاہد کے کون ہو خان؟" مسعود نے پوچھا۔

"وہ امارا دوست اے میب۔ اچھا.......... اگر امارا ضرورت پڑے تو ایدر کسی سے بھی امارا پوچھ لینا۔ خدا آنظ!" وہ انہیں مزید کچھ پوچھنے کا موقع دیئے بغیر رخصت ہوگیا۔

مسعود ریلنگ کے پاس کھڑا رہا۔ سامنے پہاڑ تھا جس پر بلند وبالا درخت بے حد ترتیب سے ایستادہ تھے۔ بے حد حسین اور روح پرور منظر تھا۔ ہوا بے حد سرد لیکن خوشبو سے بوجھل تھی اور تازگی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ سوچتا رہا.......... ڈرائیور نے ٹھیک ہی کہا تھا' یہاں سے واپس جانے کو کس بدذوق کا جی چاہے گا۔

"چلو مسعود' اندر چلو۔" لبنیٰ نے اسے چونکا دیا۔

"کیوں؟ اتنی جلدی کیا ہے؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے یہاں۔"

مسعود نے اپنے سامنے اور خاصا نزدیک چھوٹی چھوٹی بدلیوں کو تیرتے دیکھا اور بولا۔ "بدذوق نہ بنو لبنیٰ۔ دیکھو تو کتنا حسین منظر ہے۔ یہاں تو بادل نیچے دکھائی دے رہے ہیں۔ یعنی ہم لوگ بادلوں سے اوپر ہیں۔" پھر اس نے لبنیٰ کو دیکھا جو اب بھی خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ "اچھا' ایسا کرتے ہیں' کمرے سے کرسیاں لا کر یہاں بچھاتے ہیں۔ پھر یہیں بیٹھ کر یہ منظر دیکھیں گے' تم ریلنگ کے قریب نہ جانا۔" اسی وقت بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تیرتا ہوا آیا اور اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ بے حد لطیف لیکن نم آلود دھوئیں کی طرح کا تھا۔ "ایں.......... یہ کیا؟" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"بادل کا ٹکڑا تھا۔" لبنیٰ نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس ایک لمحے میں وہ یکسر

بدل کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے سے خوف کا ہر تاثر مٹ چکا تھا۔ اس کا کھلنڈرا پن لوٹ آیا تھا۔ "یہاں کے بادل تو بہت شریر ہیں' واقعی بہت خوبصورت مقام ہے۔"

"ہاں۔ فلم مٹھی بھر بادل کی شوٹنگ یہیں ہوئی تھی۔"

لبنیٰ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اب وہ پہلے والی لبنیٰ بن چکی تھی۔ "تم کرسیاں نکال رہے تھے؟" اس نے مسعود کو یاد دلایا۔

"پرانی بات ہے۔" مسعود نے بے نیازی سے کہا۔ "اس وقت تم یہاں بیٹھنے میں انٹرسٹڈ نہیں تھیں۔ اب ہو' اس لئے کرسیاں بھی تم ہی نکالو گی۔"

"اچھا.......... یہ بات ہے۔" لبنیٰ نے دانت پیس کر کہا۔ "میں کھانا نہیں پکاؤں گی۔ پھر دیکھوں گی کہ تمہارے بجٹ کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ارے ارے.......... میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ابھی لاتا ہوں کرسیاں۔" مسعود نے گڑبڑا کر کہا۔ وہ کمرے میں جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اپنی جگہ جم گیا۔ لبنیٰ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور خود بھی اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ اس کے ذہن میں جو پہلا لفظ گونجا' وہ تھا.......... بھوت!

☆------☆------☆

کمرے اور ٹیرس کا درمیانی دروازہ بدستور بند تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز نہیں سنی تھی۔ شاید اسی لئے ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ شخص اچانک ہی ان کی نگاہوں کے سامنے عدم سے وجود کی سرحد میں داخل ہوا ہے۔

مسعود نے اس کو بغور دیکھا۔ وہ طویل القامت اور قوی الجثہ تھا۔ کندھے چوڑے تھے۔ وہ پرانے فیشن کے اوور کوٹ اور پینٹ میں تھا۔ سر پر ہیٹ تھا۔ اس کے جسم پر موجود ہر چیز بوسیدہ تھی۔ سب سے خوفناک چیز اس کا چہرہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ اسے چہرہ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ چہرہ تو خدوخال سے عبارت ہوتا ہے۔ بہرحال اگر وہ چہرہ تھا تو عجیب چہرہ تھا۔ ناک ندارد۔ البتہ اس کی جگہ ایک ابھار موجود تھا۔ بھویں بے حد گھنی تھیں۔ ان کے نیچے آنکھوں کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آنکھیں بہت گہرائی میں تھیں لیکن اس صورت میں بھی آنکھوں سے جھلکنے والی زندگی کی چمک تو نظر آتی ہی ہے۔ یہاں وہ بھی مفقود تھی۔ ہونٹوں کا بھی پتا نہیں چلتا تھا۔ دہانے کی موجودگی کی گواہی محض ایک پتلی سی لکیر دے رہی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا چہرہ تھا جسے چہرہ نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ مسعود کے ذخیرہ الفاظ میں کوئی متبادل لفظ بھی موجود نہیں تھا۔

مسعود کا پہلا تاثر حیرت اور سنسنی کا تھا۔ نہ جانے کیوں' وہ خوف زدہ بالکل نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ آسانی سے خوف زدہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے لبنیٰ کو دیکھا۔ لبنیٰ کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر مسعود کو اس بھوت پر غصہ آگیا۔ "کون ہو تم؟" اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔

اس شخص کے دہانے کی لکیر قدرے کشادہ ہوئی اور چمک سی دکھائی دی۔ "تم بتاؤ.......... تم کون ہو؟" اس کی آواز میں عجیب سی کھرکھراہٹ تھی۔

"پہلے میں نے پوچھا تھا۔" مسعود نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویسے بھی اس وقت اس گھر کا مالک میں ہوں اور تم بغیر اجازت یہاں گھس آئے ہو۔ عافیت اسی میں ہے کہ جلدی سے اپنے بارے میں بتا دو کہ تم کون ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو! اس گھر کا مالک تو شروع ہی سے میں ہوں۔" بھوت نے احتجاج کیا۔

"اوہ......... تو آپ میرے دوست شاکر کے والد ناصر احمد ہیں۔"

"اے......... کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" بھوت نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، کوشش تو کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اب آپ اپنے متعلق بتانا چاہیں تو بتائیں، ورنہ کھسک ہی لیں یہاں سے۔"

بھوت کے دہن والی لکیر اور کشادہ ہو گئی۔ ہیٹ کے نیچے اس کی پیشانی پر سلوٹیں سی پڑ گئیں اور دونوں بھویں مل گئیں۔ شاید وہ سوچ رہا تھا۔ کم از کم مسعود کا یہی خیال تھا۔ بالآخر چند لمحے بعد بھوت کھرکھراتی آواز میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں یہیں رہتا ہوں......... اسی بنگلے میں اور میں انسان نہیں ہوں، بھوت ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ تم واقعی بھوت ہی لگتے ہو۔" مسعود نے کہا اور تشویش آمیز نظروں سے لبنیٰ کو دیکھا لیکن حیران رہ گیا۔ لبنیٰ کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اسے صرف لبنیٰ کی طرف سے تشویش تھی۔ وہ خود تو اس خرافات پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ ایک نیا تجربہ تھا......... مفت کی تفریح.........

لبنیٰ تیزی سے بھوت کی طرف بڑھی۔ اس کا انداز والہانہ تھا۔ بھوت گڑبڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "اے لڑکی، کیا بات ہے۔ وہیں رک جاؤ۔" اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

لبنیٰ رک گئی۔ "کیا بات ہے جناب؟ کیا آپ ہم سے خائف ہیں؟"

"جمع کا صیغہ مت استعمال کرو۔" مسعود نے جلدی سے تصحیح کی۔ "تم سے تو میں بھی خائف ہوں۔ حالانکہ زندہ بھی ہوں اور دلیر بھی۔ یہ بے چارے تو پھر بھی بھوت ہیں۔"

"یہ تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" بھوت نے بارعب لہجے میں کہا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں بھوت ہوں......... بھوت!"

"اجازت ہو تو آپ کو چھو کر دیکھ لوں!" لبنیٰ نے مؤدبانہ فرمائش کی۔

"کیا مطلب؟" بھوت کی آواز کی کھرکھراہٹ میں خفیف سی لرزش بھی شامل ہو گئی۔

"بات یہ ہے کہ میں نے پہلے کبھی کوئی بھوت نہیں دیکھا۔ مجھے بہت اشتیاق ہے سچ مچ کا بھوت دیکھنے کا۔"

"خبردار......... تم نے مجھے چھوا تو اپنے نقصان کی خود ذمے دار ہو گی۔" بھوت نے گرج کر کہا۔

"کیوں......... آپ پاور ہاؤس ہیں؟ کرنٹ دوڑتا ہے آپ میں؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"بس مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ پچھتاؤ گی۔"

"صرف تمہیں منع کر رہے ہیں بھوت صاحب۔ مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔" مسعود نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

بھوت ایک قدم اور پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ تنبیہہ تمہارے لئے بھی ہے اے شریر انسان!" وہ غرایا۔

مسعود رک گیا۔ اس نے سہمنے کی اداکاری کی۔ "بہت بہتر بھوت صاحب!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اچھا میں کرسیاں نکال لوں۔ پھر بیٹھ کر سکون سے باتیں کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"مجھے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔" بھوت نے کڑے لہجے میں کہا۔ "اور میں تم سے باتیں بھی نہیں کرنا چاہتا۔"

"پلیز ہماری خاطر بیٹھ جائیے گا۔" لبنیٰ نے بے حد لجاجت سے کہا۔ "آپ کھڑے رہیں اور ہم بیٹھیں، یہ تو بہت بری بات ہو گی۔ اور ہاں، باتیں بھی ضرور ہوں گی۔ میں آپ سے انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔"

"انٹرویو؟" بھوت کے لہجے میں الجھن تھی۔

"جی ہاں۔ یوں سمجھ لیں کہ میں بھوتوں کے مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی

ہوں۔"

مسعود نے دو کرسیاں لاکر رکھیں اور بولا۔ "بڑے بیک ورڈ قسم کے بھوت معلوم ہوتے ہیں آپ۔ انٹرویو بھی نہیں سمجھتے۔ ٹھہریں میں ایک کرسی اور لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھر کمرے میں چلا گیا۔

"تشریف رکھئے عزت مآب عالی جناب بھوت صاحب!"

بھوت چند لمحے کھڑا رہا۔ اس کے انداز سے الجھن ہویدا تھی۔ "ٹھیک ہے۔ بیٹھ جاتا ہوں۔" بالآخر اس نے کہا۔ "حالانکہ یہ غیر ضروری ہے۔"

اس دوران مسعود تیسری کرسی بھی نکال لایا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ مسعود اور لبنیٰ کی کرسیاں دروازے کے عین سامنے تھیں۔ بھوت ان کے مقابل بیٹھا تھا۔ ٹیرس کی ریلنگ کی طرف اس کی پشت تھی۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟" لبنیٰ نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"یہ سب انسانی چکر ہیں۔ بھوت بننے کے بعد میں نام ونسب کی فکر سے آزاد ہو گیا ہوں۔"

"واہ.......... آپ تو تعلیم یافتہ بھوت معلوم ہوتے ہیں۔ کیا فلسفیانہ جواب عطا فرمایا ہے جناب نے۔" مسعود نے لہک کر داد دی۔

"ہاں۔ فلسفے میں ایم اے کیا تھا میں نے۔"

"شادی شدہ ہیں آپ؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"شادی کے بعد ہی تو بھوت بنا ہوں۔" بھوت نے دردناک لہجے میں کہا۔

مسعود نے بوکھلا کر اپنے جسم کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

"کیا ہوا؟ آپ کو کیا ہوا؟" بھوت بھی بوکھلا گیا۔

"سب کچھ آپ ہی کا کیا دھرا ہے۔" مسعود غرایا۔

"لیکن میں نے.......... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔" بھوت نے کہا۔ "کچھ بتایئے بھی۔"

"ارے بھائی، میں ٹٹول رہا ہوں کہ کہیں میں بھی بھوت تو نہیں بن گیا۔"

"یہ خیال کیوں آیا؟"

"آپ ہی نے تو یاد دلایا ہے کہ میری بھی شادی ہو چکی ہے۔ اگر ابھی تک بھوت نہیں بنا ہوں تو اب بن جاؤں گا۔"

"یقیناً بن جائیں گے۔" بھوت نے بڑی سنجیدگی سے سرہلا کر کہا۔ "شادی کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔"

مسعود اب بھی اپنے جسم کو ٹٹولے جا رہا تھا۔ لبنیٰ نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔ "بس کر چکے مسخراپن یا ابھی باقی ہے۔ مجھے انٹرویو بھی کرنا ہے بھوت صاحب سے۔"

"اوہ.......... تو تمہارے خیال میں یہ مسخراپن ہے۔" مسعود نے احتجاج کیا اور بھوت کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بھوت بننا مذاق تو نہیں ہے۔ دو کوڑی کی عزت ہو جاتی ہے۔ کیوں عالی جناب؟"

"آپ لوگوں سے ملنے کے بعد پتا چلی ہے یہ بات۔" بھوت نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ورنہ میرا تجربہ تو یہی تھا کہ اس دنیا میں انسانوں سے زیادہ بھوت کی عزت کی جاتی ہے۔ پہلے جو بھی مجھے دیکھتا تھا، خوف اور احترام کے مارے شل ہو جاتا تھا۔ صرف آپ لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے میری عزت نہیں کی.........."

"انٹرویو صرف عزت دار لوگوں کے لیے جاتے ہیں۔ انٹرویو لینا عزت کی دلیل ہے۔" لبنیٰ نے بھوت پر آنکھیں نکالیں۔ "پہلے کبھی کسی نے کیا آپ کا انٹرویو۔ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہوں گے لوگ۔ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا ہو گا کوئی؟"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" بھوت نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"صورت ہی ایسی ہے آپ کی۔" لبنیٰ بولی۔ "جو دیکھے گا ڈرے گا ہی۔"

"ٹھیک ہے۔ لڑنے کی ضرورت نہیں۔ تم کرو انٹرویو۔" مسعود نے مداخلت کی۔

"ہاں تو بھوت صاحب، آپ کی شادی کب ہوئی؟" لبنیٰ بھوت سے مخاطب ہو گئی۔

"اب تو ایسا لگتا ہے، صدیاں ہو گئیں۔" بھوت نے آہ سرد بھر کے کہا۔

"یعنی آپ کو یاد نہیں کہ آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟"

"شادی کے بعد آدمی وقت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے یا یوں کہئے کہ وقت کے چنگل میں بری طرح پھنس جاتا ہے۔ برے وقت کو کون یاد رکھتا ہے بی بی۔ بس برا وقت خود کو مسلسل یاد کراتا رہتا ہے۔"

”واہ بھوت صاحب واہ۔ کیا فلسفہ بیان کیا ہے آپ نے۔“ مسعود نے داد دی۔

لبنیٰ نے اسے یکسر نظرانداز کردیا۔ ”آپ آدمی کے متعلق بات کررہے ہیں.......... حالانکہ آپ بھوت ہیں۔“ اس نے اعتراض کیا۔

”بھوت تو شادی کے بعد بنا ہوں۔ پہلے تو آدمی ہی تھا۔“

”ہر بھوت پہلے آدمی ہوتا ہے۔ بھوت تو ارتقائی شکل ہے آدمی کی۔“ مسعود نے کہا۔

بھوت کے دانت نکل پڑے۔ ”ٹھیک کہتے ہیں آپ۔“ اس نے تائید کی۔

لبنیٰ نے اس کے چمک دار دانتوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ ”بہت خوبصورت اور چمکدار دانت ہیں آپ کے۔“

”حسن نظر ہے آپ کا۔ اصفہانی منجن استعمال کرتا ہوں ہمیشہ۔“ بھوت نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

”آپ ہر روز اپنے دانتوں کو جیکلین کیا کیجئے۔ اتنے سفید اور چمکدار نہیں رہیں گے۔“ لبنیٰ نے مشورہ دیا۔

”لیکن کیوں؟“

”بھوتوں کے دانت اتنے سفید اور چمکدار نہیں ہونے چاہئیں۔ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ بھوتوں پر تو پیلے اور غلیظ دانت ہی اچھے لگتے ہیں۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جیکلینز کے استعمال سے تو دانت اور زیادہ صاف اور چمکدار ہوجائیں گے۔“ بھوت نے وضاحت کی۔

”ہرگز نہیں۔ پیلے رہیں گے اور دن بہ دن اور پیلے ہوتے جائیں گے۔“

”میں ٹی وی دیکھتا ہوں۔“ بھوت نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ”جیکلینز کے کمرشل میں تو اتنے خوبصورت اور چمکدار دانت دکھائے جاتے ہیں..........“

”آپ بھی بس بھوت ہی ہیں۔“ لبنیٰ نے حقارت سے کہا۔ ”اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔ ریکارڈنگ سے ذرا پہلے ماڈلز نے اصفہانی منجن سے دانت صاف کئے تھے۔“

”معاف کیجئے مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔“ بھوت نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ”ویسے مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ جیکلینز سے دانت صاف نہیں ہوتے ہوں

گے۔“

”استعمال کرکے دیکھ لیجئے۔ بلکہ آپ کو تو جیکلینز ہی استعمال کرنا چاہئے۔ بھوت جو ہوئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ لوگ جو لاکھوں روپے اپنے پروڈکٹس کی پبلسٹی پر صرف کرتے ہیں‘ وہی کوالٹی پر صرف کریں تو پبلسٹی کی ضرورت ہی نہ رہے۔ کوالٹی تو خود سب سے اچھی پبلسٹی ہوتی ہے۔“

”لیکن یہ دور ہی پبلسٹی کا ہے بی بی۔“ بھوت نے آہ بھر کے کہا۔

”اوہ.......... تو آپ بھی؟“

”کیا کریں۔ پبلسٹی کی ضرورت تو ہمیں بھی پڑتی ہے۔ پبلسٹی نہ ہو تو تنہائی اور سکون کا ایک لمحہ بھی ہمیں میسر نہ آئے۔ اس لئے ہر آتے جاتے کو ڈرانا پڑتا ہے تاکہ وہ ہماری پبلسٹی کرے۔ اب میں.......... ٹی وی کی پبلسٹی تو افورڈ نہیں کرسکتا۔“

”یہ تم کیا لے بیٹھیں!“ مسعود نے جھنجلا کر مداخلت کی۔

”اچھا‘ آپ یہ بتائیں کہ آپ کی قومیت کیا ہے؟“ لبنیٰ نے انٹرویو کا رخ بدلا۔

”میں.......... قومیت..........“ بھوت ایک لمحے کو گڑبڑا گیا۔ ”دیکھیں.......... بھوتوں کی کوئی قومیت نہیں ہوتی۔ وہ تو بس بھوت ہوتے..........“ اچانک بھوت کے گلے میں خراش پڑ گئی۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔

”آپ اپنی اصلی آواز میں بولیں نا۔“ مسعود نے جلدی سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ شادی سے پہلے.......... میرا مطلب ہے‘ بھوت بننے سے پہلے آپ کی آواز خاصی خوبصورت رہی ہوگی۔“

بھوت اپنی کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔ جواب دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

”لگتا ہے‘ آپ کے سائیلنسر میں کوئی خرابی ہے۔“ لبنیٰ نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

”میرا خیال ہے‘ ان کا سائیلنسر ہے ہی نہیں۔ بھوتوں کے ہوتا ہی نہیں ہوگا اسی لئے ان کی آوازیں خراب ہوتی ہیں۔“

بھوت نے پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر بڑی شدت سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد کھانسی رک گئی تو وہ بولا۔ ”سائیلنسر تھا مگر خراب ہوگیا۔“

"تو بدلوا لیتے۔"

"بیکار ہے۔ اسے بھی خراب ہو جانا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"شادی کے بعد ہر حال میں یہی حشر ہوتا ہے۔" بھوت نے عالمانہ شان سے کہا "بعض لوگوں کا حلق چیخنے سے خراب ہو جاتا ہے اور بعض کا عدم استعمال سے بیکار ہو جاتا ہے۔"

"اللہ مجھ پر رحم کرے۔" مسعود نے سہم کر کہا۔

"بھوت صاحب، اپنے چہرے کے خدوخال اور لباس سے آپ بہت پرانے اور بوسیدہ لگتے ہیں۔" لبنیٰ نے کہا۔

"اور ناک تو امتدادِ زمانہ سے گھس گھسا کر تقریباً برابر ہی ہو گئی ہے۔" مسعود نے ٹکڑا لگایا۔

بھوت کے چہرہ نما پر زلزلے کے سے آثار نظر آئے پھر وہ غصیلی آواز میں بولا۔ "یہ بے حد ذاتی معاملات ہیں۔ میں ان پر گفتگو نہیں کروں گا۔"

"چلیں چھوڑیں اس بات کو۔ میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں لیکن پہلے آپ اپنی اہلیہ کے متعلق کچھ بتایئے۔"

"یعنی بھتنی صاحبہ کے متعلق۔" مسعود نے وضاحت کی۔

بھوت نے دانت نکال دیئے۔ "بس ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا۔ "جیسے بھتنیاں ہوتی ہیں۔"

"وہ انسان نہیں ہیں؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"جب میں نہیں ہوں تو وہ کیسے ہو سکتی ہے۔" بھوت نے برہم ہو کر کہا۔ "ہماری سوسائٹی میں عورت مرد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ مسز بھوت ہے تو بھتنی ہی ہوئی نا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" مسعود نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کی سوسائٹی میں تحریکِ آزادیٔ نسواں نہیں چلتی؟" لبنیٰ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"چلتی ہے، تحریکِ آزادی بھتنیاں۔ آئے دن اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔" بھوت نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"آپ اپنی بیوی.......... میرا مطلب ہے بھتنی کو ہم سے نہیں ملوائیں گے۔" لبنیٰ نے اشتیاق سے کہا۔

"یہ تو ممکن نہیں بی بی۔ دراصل میری بھتنی آدمیوں کے درمیان خود کو عجیب سا محسوس کرتی ہے اس لئے اس نے آپ لوگوں کے سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تو آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟" مسعود نے پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں۔" بھوت نے بدمزگی سے کہا۔

"یہ عرصہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔" مسعود مسکرایا۔ "یہ فرمایئے کہ 'بھوتنی' کا بھی آیا کہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟" بھوت کے لہجے میں حیرت تھی۔

لبنیٰ کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

"میرا مطلب ہے، ولی عہد..........." مسعود نے وضاحت کی۔

"اوہ.......... نہیں۔" بھوت بھی شرما گیا۔ "جبھی تو میں اتنی آزادی سے گھوم رہا ہوں۔"

"مجھو، بس اب تم چپ ہو جاؤ۔" لبنیٰ نے مسعود کو ڈانٹا پھر وہ بھوت سے مخاطب ہو گئی۔ "میں بھوتوں کے عام مسائل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کی سوشل لائف کیسی ہے۔ خصوصاً اس دشوار اور دور دراز علاقے میں؟"

"ہمارے ہاں جوائنٹ فیملی سسٹم تو ہے نہیں۔" بھوت نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ایک گھر میں دو بھوت........... میرا مطلب ہے دو فیملیز نہیں رہ سکتیں۔ اس کے باوجود بھوت ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لہٰذا خاصی مصروف سوشل لائف ہے اور بی بی، اس کے نتیجے میں ایک اہم مسئلہ ابھرتا ہے........... مادہ پرستی۔"

"مادہ پرستی!" لبنیٰ نے حیرت سے کہا۔ "آپ لوگ خود تو غیر مادی ہوتے ہیں۔"

"ہم غیر مادی سہی لیکن طلب تو مادے ہی کی کر سکتے ہیں۔ غیر مادی چیز کی طلب تو ہو ہی نہیں سکتی۔"

"پھر بھی......... یہاں اتنے زیادہ بھوت تو نہیں رہتے ہوں گے۔" لبنیٰ نے اعتراض کیا۔

"آپ نہیں جانتیں۔ یہاں ایسے جتنے بنگلے بھی خالی ہیں' ان میں بھوت گھرانے آباد ہیں۔ آئے دن پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں۔ میری بھتنی جب بھی کسی پارٹی سے واپس آتی ہے' کوئی نہ کوئی فرمائش لے کر میرے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔"

"مگر آپ کو انسانوں جتنی پریشانی تو نہیں ہوتی ہوگی۔" مسعود نے تبصرہ کیا۔ "ظاہر ہے' آپ خریداری تو کرنے سے رہے۔ آپ تو دکان سے کوئی بھی چیز اٹھا کر چل دیں۔ کون پوچھنے والا ہے۔"

"کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ ایک بار میں ایک دکان سے کلر ٹی وی اٹھا کر بھاگا تو جان مشکل میں پڑ گئی۔ ٹی وی چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

"تو آپ کو بھی شاپنگ کرنی پڑتی ہے؟" لبنیٰ کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"اسی وجہ سے تو بھوت بننا پڑا ہے۔" بھوت نے کہا اور کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"اب مجھے چلنا ہے۔ شام ہو گئی ہے۔ میری بھتنی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

لبنیٰ اور مسعود بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆------☆------☆

رات ہوتے ہوتے ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ اسٹور روم میں لکڑیوں کا ڈھیر موجود تھا۔ مسعود آتش دان روشن کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لبنیٰ کچن میں تھی۔

اچانک لبنیٰ کی چیخ سنائی دی۔ مسعود تیزی سے کچن کی طرف دوڑا۔ وہ کچن میں داخل ہوا تو لبنیٰ اپنے سیدھے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ "کیا ہوا؟" مسعود نے پوچھا۔ "اب کیا ہوا؟"

"ہاتھ جل گیا۔" لبنیٰ نے فریاد کرنے والے لہجے میں کہا۔

"اے......... تمہارے کتنے ہاتھ ہیں آخر۔" مسعود نے شک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اب تو مجھے شک ہے کہ تمہارے ہاتھ بچے ہی نہیں ہوں گے۔"

"کھڑے باتیں بناتے رہو گے۔ ٹیوب لاؤ جلدی سے۔" لبنیٰ جھنجلا گئی۔

مسعود بھاگا ہوا گیا اور ٹیوب لایا لیکن ٹیوب میں اب کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ "دوسری

ٹیوب لاؤ۔" لبنیٰ نے کہا۔

"دوسری ٹیوب کہاں سے لاؤں۔ یہ تو ایمرجنسی کے لئے ایک ٹیوب رکھ لی تھی۔ گھر میں ایک ٹیوب ہے جو دو سال سے چل رہی ہے۔ ختم ہی نہیں ہوتی۔ تم نے کچن میں ایک گھنٹا گزارا اور پوری ٹیوب ختم کر ڈالی۔"

"تو کیا کھا گئی میں؟" لبنیٰ روہانسی ہو گئی۔ "کتنی بار دونوں ہاتھ جلے ہیں میرے۔"

"پتا ہے' ۲۴ روپے کی ٹیوب آتی ہے۔ تم نے ایک وقت کا کھانا پکانے میں ختم کر ڈالی۔ میرا بجٹ........."

"جہنم میں جائے تمہارا بجٹ۔ ٹھیک ہے' اب میں کھانا پکاؤں گی ہی نہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ناشتے میں بھی اگر تم نے آدھی ٹیوب استعمال کر ڈالی تو دن بھر میں ساٹھ روپے کا خرچ تو ٹیوب کا ہی ہو جائے گا۔"

"قسم سے' بڑے ناشکرے ہو۔ یہ فکر نہیں کہ میرے ہاتھوں کا کیا ہوگا۔" لبنیٰ رونے لگی۔

مسعود جھنجلاہٹ کے باوجود اسے چمکارنے' منانے میں لگ گیا۔ ویسے اسے غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کھانا پکانے کے دوران لبنیٰ کے ہاتھ کم از کم پندرہ بار جلے تھے۔ "اسی لئے پاپا کہتے تھے کہ لاابالی پن چھوڑو اور زندگی گزارنا شروع کرو۔ اب پتا چل رہا ہے۔"

وہ لبنیٰ کو کمرے میں لے گیا۔ آتش دان کی وجہ سے کمرا گرم ہو رہا تھا۔ پھر کھانا وہ خود نکال کر لایا۔ کھانے کے بعد لبنیٰ کا موڈ بہت اچھا ہو گیا۔ مسعود کافی بنا لایا۔ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر گفتگو کا رخ بھوت کی طرف مڑ گیا۔ "تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ وہ فراڈ ہے؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"پہلی ہی نظر میں پتا چل گیا تھا۔ کم از کم مجھے تو ماسک صاف نظر آ رہا تھا۔"

"اور تمہارے خیال میں چکر کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہاتھوں سے تو وہ اپنے ہی قبیل کا لگ رہا تھا۔ بہرحال یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہہ خانہ بھی ہے۔"

"کیسے؟"

"دیکھو نا۔ صدر دروازہ ڈبل لاک ہے۔ اسے صرف اندر ہی سے کھولا جا سکتا ہے۔"

تمام کھڑکیاں بھی اندر سے بند ہیں اور وہ کسی کمرے میں بھی موجود نہیں تھا۔ پھر اچانک وہ نمودار ہوگیا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ باہر بھی نہیں گیا ہے۔"

"کیا پتا۔ سچ مچ بھوت ہی ہو۔" لبنیٰ نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔" مسعود نے منہ بنا کر کہا۔ "اب اگر یہاں تہہ خانہ ہے تو کوئی گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے' اسمگلنگ کا کوئی چکر ہو۔"

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ بہت جاندار آدمی تھا۔ مجھے اور تمہیں بہ آسانی ٹیرس سے لڑھکا سکتا تھا۔" لبنیٰ نے دلیل دی۔

"بات ٹھیک ہے لیکن ذہن میں رکھو' ایسے لوگ بلا ضرورت کسی کو قتل نہیں کرتے۔"

"خیر' یہ بتاؤ اب کرنا کیا ہے؟"

"صدر دروازے کے سامنے والے کمرے میں قیام کرنا ہوگا اور رات بھر جاگنا ہوگا۔ میں صدر دروازے پر نظر رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تو آتش دان تو جلا دو اس کمرے میں۔" لبنیٰ نے کہا پھر اسے کچھ خیال آیا تو اس نے اضافہ کیا۔ "اور میرا خیال ہے' اس معاملے کو خود ہینڈل کرنے کے بجائے پولیس کے سپرد کردو۔ فرض کرو' تم ان پر ہاتھ ڈالتے ہو اور وہ مسلح ہوئے تو کیا ہوگا۔"

"کیا میں تمہیں اتنا ہی بے وقوف نظر آتا ہوں۔" مسعود نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "میں صورتِ حال دیکھ کر ہی قدم اٹھاؤں گا اور آتش دان میں روشن کرچکا ہوں۔"

رات بارہ بجے کے قریب مسعود نے تمام دروازے اور کھڑکیاں چیک کیں پھر اس نے صدر دروازے کی راہداری میں جلنے والے بلب کو چھوڑ کر تمام روشنیاں گل کردیں۔ اپنے کمرے میں واپس آکر اس نے اونی موزے اور جوتے پہنے اور کوٹ وہ پہلے ہی پہنے ہوئے تھا۔ لبنیٰ بھی پوری طرح تیار تھی۔ وہ دونوں دبے پاؤں مجوزہ کمرے میں چلے آئے اور دروازے کی اوٹ میں کرسیاں لگا کر بیٹھ گئے۔ یہاں سے وہ صدر دروازے پر نظر رکھ سکتے تھے۔ اب انہیں صرف انتظار کرنا تھا۔ سردی شدید تھی۔ ایسے میں اتنی بے آرامی کی وجہ سے نیند آنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جاگنے پر مجبور تھے۔ وہ

بات بھی نہیں کرسکتے تھے کیونکہ بولنا مخدوش تھا۔

ایسی کیفیت میں انسان سوچنے کے سوا کیا کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچتے رہے۔ لبنیٰ کو اس ایڈونچر میں لطف آرہا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ وہ اس وقت خود کو کسی فلم یا کہانی کا کردار محسوس کررہی تھی۔ دوسری طرف مسعود اس بات پر پچھتا رہا تھا کہ وہ لبنیٰ کو اس کمرے میں کیوں لایا۔ بہتر تھا کہ وہ اسے اسی کمرے میں سونے دیتا اور اس کے سونے کے بعد تنہا یہاں آتا۔ اب خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو.......... لبنیٰ کو کچھ ہوگیا تو.......... لبنیٰ تو اب اس کی ذمے داری تھی۔ پہلی بار اس کی سمجھ میں ذمے داری کا مفہوم آرہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو پاپا اسے کچا ہی کھاجائیں گے۔ اسے ہر حال میں لبنیٰ کے تحفظ کو اولیت دینی تھی۔

اس عالم میں خدا جانے کتنی دیر گزر گئی۔ اسے تو وہ صدیاں ہی محسوس ہورہی تھیں۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ وہ اب بھی لبنیٰ کو واپس لے جاسکتا ہے۔ اس کے سونے کے بعد وہ واپس آجائے گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ لبنیٰ کی طرف ہاتھ بڑھا کر سرگوشی میں اسے سمجھانے ہی والا تھا کہ باہر آہٹ سی سنائی دی۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس نے لبنیٰ کے جسم میں تناؤ سا محسوس کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آواز محض اس کی سماعت کا دھوکا نہیں تھا۔

پھر قدموں کی چاپ ابھری۔ اس کے بعد ایک نسوانی سرگوشی ابھری "آجاؤ.......... میدان صاف ہے۔"

فوراً ہی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مسعود نے باہر جھانکا۔ وہ دو افراد تھے۔ مرد کو تو اس نے جثے کی وجہ سے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہ وہی تھا' جو بھوت بنا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو سوٹ کیس تھے اور کندھے سے ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک بیگ تھا۔ راہداری کی مدھم روشنی میں ان کے چہروں کے نقوش دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دبے پاؤں صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ "وہ دونوں شاید سوگئے۔" مرد نے سرگوشی کی۔ "یہ اچھا موقع ہے نکلنے کا۔"

"وہ دونوں ہرگز نہیں سوئے ہیں اور یہ نکلنے کا موقع ہی نہیں ہے۔" مسعود نے بلند

آواز میں کہا پھر اس نے تیزی سے سوئچ دبا کر روشنیاں کر دیں۔ راہداری جگمگا گئی۔ لڑکی کے حلق سے ایک سریلی چیخ نکلی۔ مرد کے ہاتھوں سے دونوں سوٹ کیس چھوٹ گئے۔ اچھا خاصا دھماکا ہوا۔ ان دونوں نے چونک کر کمرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت لبنیٰ اور مسعود کمرے سے نکل آئے۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ مسعود مرد کا اور لبنیٰ عورت کا جائزہ لے رہی تھی۔ بھوت لڑکا ہی ثابت ہوا۔ اس کی عمر ۲۴ سال سے زیادہ ہرگز نہیں تھی۔ وہ خاصا خوبرو تھا۔ لڑکی بھی خاصی دلکش تھی۔ اس نے نرم چرمی جیکٹ پہنی تھی.......... سیاہ سفید جیکٹ۔ کانوں سے سیاہ لڑیوں والے آویزے جھول رہے تھے۔ وہ متوحش نظر آ رہی تھی۔ جب کہ لڑکا پُرسکون تھا۔

"آپ.......... آپ کون ہیں؟"

"فضول سوال ہے۔" مسعود نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بھوت صاحب سے تو ہم پہلے ہی مل چکے ہیں۔ یہ یقیناً بھتنی صاحبہ ہیں۔ نام پوچھنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا کیونکہ یہ لوگ نام و نسب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

لڑکا کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ "اب تو تعارف کرانا ہی پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "میں شکیل ہوں اور یہ میری بیوی.......... میرا مطلب ہے، بھتنی فرزانہ ہے۔"

لڑکی نے منہ بنا کر اسے دیکھا اور بولی۔ "فضول باتیں مت کرو۔"

"نہیں کروں گا تو جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں تو پہلے ہی سمجھا رہی تھی کہ نکل چلو یہاں سے۔"

"میں تو اس بنگلے میں رہنے کے ہی خلاف تھا۔ بس تمہاری ضد کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔" شکیل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"دیکھئے.......... یہ ٹھیک ہے کہ لڑنا آپ کا بنیادی حق ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آپ کو جواب دہی کرنی ہے لیکن یہاں خاصی سردی ہے۔ کیوں نہ ہمارے کمرے میں چلیں۔ وہاں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"واقعی.......... سردی بہت ہے۔" فرزانہ نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"وہ چاروں اس کمرے میں چلے آئے۔ مسعود نے آتش دان میں اور لکڑیاں ڈالیں

"پہلے آپ لوگ سکون سے بیٹھ جائیں۔" اس نے دونوں سے کہا۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں بے حد شرمندہ نظر آ رہے تھے اور وہ الزام دینے والی نظروں سے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ لبنیٰ بیڈ پر بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو شکیل صاحب، اب فرمائیے۔" مسعود نے کچھ دیر بعد کہا۔

"فرمانا کیا ہے جی.......... وہی پرانی کہانی ہے۔" شکیل نے کہا۔ "بہرحال، سن لیجئے.........." وہ کہتا رہا۔

پندرہ منٹ بعد بات پوری طرح مسعود کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ تقریباً وہی کہانی تھی.......... تھوڑے سے فرق کے سوا۔ شکیل ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنی بیوی فرزانہ کے ساتھ ہنی مون منانے آیا ہوا تھا۔ ہوٹل میں کمرا ہیٹر سمیت ڈیڑھ سو روپے روز پر مل رہا تھا۔ یہ ان کی استطاعت سے زیادہ تو نہیں تھا لیکن اس کے بعد وہ ٹائٹ ہو کر بس ایک ہفتہ گزار سکتے تھے۔ جبکہ.......... برف باری کی گارنٹی نہیں تھی اور برف باری دیکھے بغیر واپس چلے جاتے تو انہیں ہمیشہ افسوس رہتا۔ ایسے میں انہیں جناح روڈ پر شاہد مل گیا.......... بنگلے کا منتظم۔ اس نے انہیں پچاس روپے روز پر بنگلے میں رہائش کی پیشکش کی۔ اسے وہ ٹھکرا نہیں سکے۔ شکیل تو ڈر رہا تھا مگر فرزانہ نے اسے مجبور کر دیا۔ اس میں دو بڑے فائدے تھے، جنہیں نظرانداز کرنا آسان نہیں تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ برف باری کا انتظار کر سکتے تھے.......... اور ان کا بجٹ بھی جواب نہ دیتا دوسرے ہوٹل میں کھانا مہنگا پڑتا۔ جب کہ وہ یہاں خود بھی پکا سکتے تھے۔ یہ مزید بچت کی صورت تھی۔

پھر شکیل کے بیان کے مطابق دو دن پہلے ٹیلی گرام آیا اور شاہد نے اس سے کہا کہ اب وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ اس موقع پر بھی فرزانہ نے شکیل کو اکسایا۔ انہوں نے شاہد کو دھمکی دی کہ وہ اس کی پول کھول دیں گے۔ شاہد نے گھبرا کر انہیں تہ خانے کا راستہ دکھایا اور محتاط رہنے کو کہا۔ بھوت والا آئیڈیا شکیل کا اپنا تھا۔

"اور یہ شاہد کہاں ہے؟" مسعود نے پوچھا۔

"اس نے کہا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے۔ ہمیں تاکید کی تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے نہ آئیں۔ وہ تین چار دن میں واپس آجائے گا۔ اس دوران نصیب خان بنگلے کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"تو نصیب خان کو آپ لوگوں کے متعلق معلوم ہے؟" لبنیٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اسے کچھ پتا نہیں۔"

"ایسا کمزور اور خود اعتمادی سے محروم بھوت میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" مسعود نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں جناب۔ ہمارا واسطہ بھی بھوتوں سے پڑا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو چیخیں مارتا ہوا بنگلے سے بھاگ کھڑا ہوتا۔"

"اب کیا پروگرام ہے۔"

"اب میں اور بھتنی صاحبہ کوچ کریں گے۔ اس چمن میں اب اپنا گزارہ نہیں۔"

"مگر اتنی رات کو؟"

"وقت زیادہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں سورج جلدی غروب ہوتا ہے اور بہت تیزی سے رات ہوجاتی ہے۔" شکیل نے بتایا۔

"آپ کو یہاں کتنے دن ہوگئے؟"

"پورا ایک ہفتہ ہوا ہے اور ہم نے شاہد کو دس دن کا ایڈوانس دیا تھا۔" اس بار فرزانہ بولی۔

"تو آپ لوگ رک جائیں نا۔" لبنیٰ نے کہا۔

"نہیں۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔" شکیل اکڑ گیا۔

"لیکن ابھی تو آپ نے برف باری بھی نہیں دیکھی۔"

"ہاں.......... یہ تو ہے لیکن پھر سہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ کم از کم رات کو رک جائیں صبح چلے جائیے گا۔" مسعود کے لہجے میں قطعیت تھی۔

خاصی ردوقدح کے بعد شکیل رات وہاں رکنے کے لئے تیار ہوگیا۔ کافی کا ایک دور چلا پھر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے۔ برابر والے کمرے میں شکیل اور فرزانہ نے اپنا بندوبست کرلیا تھا۔ سردی بڑھتی جارہی تھی۔

☆======☆======☆

لبنیٰ کے لئے وہ بھوتوں بھری نیند تھی۔ وہ ٹھیک طرح سو ہی نہیں سکی۔ خواب میں

وہ جس گھر میں تھی' اس میں ہر طرف بھوت ہی بھوت تھے.......... رنگا رنگ بھوت.......... بھانت بھانت کے بھوت.......... ہر سائز کے بھوت۔ کچن کیبنٹ میں بھی بھوت تھے۔ کمرے کی دیواری الماری میں بھی بھوت تھے اور کچھ چیونٹیوں جیسے بھوت اس کے جسم پر ناچ رہے تھے۔

وہ جہاں تھی' باہر سے اسے ایسی آوازیں آنے لگیں' جیسے آسمان سے بھوت برس رہے ہوں۔ ٹپاٹپ.......... ٹپاٹپ.......... لیکن وہ قطروں کے گرنے کی آواز نہیں تھی۔ قطرہ تو گر کر پھیل جاتا ہے۔ یہ کوئی ایسی ٹھوس چیز تھی' جو گر کر جم جاتی تھی اور پھر اس پر کچھ اور آکر گرتا تھا۔

بھوت پر بھوت.......... چھوٹے چھوٹے بھوت! اس کے سوتے ہوئے ذہن نے آہستہ سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں زیرو کے بلب کی روشنی تھی۔ مسعود اس کے برابر لیٹا بے خبر سو رہا تھا۔ اور وہ ٹپاٹپ سے ملتی جلتی آواز جاگتے میں بھی آرہی تھی' جسے وہ صحیح صوتی تاثر نہیں دے پا رہی تھی۔ کیا میں اب بھی خواب دیکھ رہی ہوں؟ اس نے سوچا۔ مگر نہیں۔ وہ واضح آواز تھی اور باہر سے آرہی تھی۔

وہ بستر سے اٹھی اور کھڑکی کی طرف بڑھی۔ سردی بھی بہت کم ہوگئی تھی بلکہ کمرے میں گرمی کا احساس ہورہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پردے اٹھائے مگر صرف پردے اٹھانے سے باہر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ کھڑکی کے شیشے دھندلے ہورہے تھے۔ اس نے بلا ارادہ ہاتھ سے شیشے کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں وہ اور بھی دھندلا ہوگیا۔ البتہ اس کا ہاتھ ایسا سرد ہوا کہ جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ شیشہ برف کی طرح سرد ہورہا تھا۔

اس نے کھڑکی کھول دی!

پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ ٹپاٹپ جیسی آوازیں اور بلند ہوگئی تھیں۔ فضا میں ہر طرف روئی کے جیسے گالے اڑ رہے تھے.......... نیچے گر رہے تھے۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی مگر پھر اسے سامنے والے درخت نظر آئے' جو اوپر سے سفید ہورہے تھے۔

اچانک اس کے ذہن میں کسی نے کہا.......... برف باری۔ اس کے ساتھ ہی اس

نے نعرہ لگایا......... برف باری.........!

وہ اتنے زور سے چلائی تھی کہ مسعود گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی نظر آئی تو وہ اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔ اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

اس وقت تک لبنیٰ برف باری کے منظر سے پوری طرح مسحور ہو چکی تھی۔ "برف باری ہو رہی ہے مجھو!" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "دیکھو تو کیسا خوب صورت منظر ہے۔"

برف باری کا سنتے ہی مسعود پوری طرح بیدار ہو گیا۔ چند لمحے وہ کھڑے اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے پھر مسعود کو شکیل اور فرزانہ کا خیال آگیا۔ "آؤ......... انہیں جگا دیں۔ کہیں وہ محروم نہ ہو جائیں اس منظر سے۔" اس نے لبنیٰ سے کہا۔ "پھر باہر نکل کر دیکھیں گے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے اور انہوں نے شکیل کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

پندرہ منٹ بعد وہ چاروں باہر نکل آئے۔ باہر وسیع و عریض لان پر وہ ٹہلتے پھرے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے کپڑوں پر برف کے ذرات جم رہے تھے۔

"دیکھو......... دیکھو' تم پر برف جم رہی ہے۔" مسعود نے لبنیٰ سے کہا۔

لبنیٰ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ بہت خالص ہنسی' بہت سچی خوشی تھی "نہیں......... آئینہ دیکھ رہے ہو۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

شکیل اور فرزانہ ایسے مسحور ہوئے تھے کہ گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اس خوبصورتی کو اپنے اندر اتار رہے ہیں۔

"مجھے پہلی بار پتا چلا ہے کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے۔" مسعود کے لہجے میں خوشی تھی۔

"اور مسعود......... یقین نہیں آتا کہ یہ اپنی سرزمین ہے......... اپنا وطن!" لبنیٰ بولی۔

"خیر......... وطن کی خوبصورتی کا تو میں آتے آتے ویسے ہی قائل ہو گیا تھا۔"

"واقعی......... یہاں سے واپس جانے کو کس کا دل چاہے گا۔"

"پاپا نے ہم پر احسان کیا ہے۔"

وہ یونہی باتیں کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان کی تمام حسیں بیدار ہو رہی تھیں۔ بہت کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو گیا تھا۔ ان پر فطرت کے راز منکشف ہو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جب وہ پہلی بار برف گرتے دیکھنے کے تجربے کی سرشاری سے نکلے تو انہیں سکوت کا احساس ہوا۔ وہ بڑا مکمل سکوت تھا۔ ہوا بھی ساکت تھی۔ کہیں کوئی تحرک نہیں تھا۔ کمال یہ تھا کہ گرتی ہوئی برف اور اس کی آواز تک اس سکوت کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے وہ سکوت ٹوٹ ہرگز نہیں رہا تھا۔

"کمال ہے۔ یہ کس طرح کا سکوت ہے۔" مسعود نے حیرت سے کہا۔ "برف گرنے کی آواز بھی اس سکوت کو ختم نہیں کر رہی ہے۔"

"اور مجھے حیرت ہے کہ برف گرنے کے باوجود سردی نہیں ہے بلکہ موسم خاصا خوش گوار ہو گیا ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"برف باری کے دوران سردی نہیں ہوتی۔" شکیل نے پہلی بار لب کشائی کی۔ "اس لئے کہ اس وقت ہوا رکی ہوتی ہے لیکن بہت محتاط رہئے گا۔ برف باری رکنے کے بعد جب ہوا چلے گی تو آپ کو اس برف کی برچھیاں محسوس ہوں گی۔ وہ جسم چھید ڈالنے والی ہوا ہوتی ہے۔"

"یار......... تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہے۔" مسعود نے بے تکلفی سے کہا۔

"جب کہ تم خود پہلی بار برف باری دیکھ رہے ہو۔"

"ایک تجربہ کار دوست سے پوچھ گچھ کر کے چلا تھا۔"

برف باری صبح کے بعد تک جاری رہی۔ ان لوگوں نے خوب تصویریں کھینچیں۔ شام ہوتے ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ شکیل کی بات درست ثابت ہوئی۔ وہ رات بہت سرد تھی۔

☆======☆======☆

شکیل اور فرزانہ مسعود کے اصرار پر ایک رات اور رک گئے تھے۔ اگلے روز وہ راولپنڈی کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے انہیں کراچی جانا تھا۔ شکیل نے اپنا ایڈریس اور فون نمبر مسعود کو دے دیا تھا۔ مسعود نے بھی اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس سے رابطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اب وہ اکیلے تھے اور خوب انجوائے کر رہے تھے۔ بنگلے کے منتظم شاہد کو انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ نصیب خان دن میں دو بار ضرور آتا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ پوچھتا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ہر بار نفی میں جواب دیتے۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

گویا اچھی گزر رہی تھی۔ بس مسعود کو ایک پریشانی تھی۔ اسے کچن میں لبنیٰ کا ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ انکار کرتا تو کھانے کا بندوبست ہوٹل میں کرنا پڑتا اور اس کے نتیجے میں اس کا بجٹ ڈسٹرب ہوتا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بجٹ کے اندر رہ کر' ہاتھ روک کر خرچ کر رہا تھا لیکن اس سے پہلے اس کی کبھی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی۔ اسے گھر سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

وہ شکیل اور فرزانہ کے جانے کے بعد تیسری رات تھی ان پر ایک نئی افتاد آپڑی.......... اور وہ بھی بے حد خطرناک!

وہ بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ دونوں کی آنکھ کھلی اور بیک وقت کھلی۔ وجہ یقینی طور پر بیرونی مداخلت تھی۔ دونوں گہری نیند سے اٹھے تھے ایک ثانیے کو تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا مگر صورتِ حال ایسی تھی کہ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

وہ چار آدمی تھے مگر انہیں دیکھ کر کم از کم مسعود کے ذہن میں لفظ آدمی نہیں آیا بلکہ اس کا ذہن ڈاکو.......... ڈاکو.......... کی تکرار کرنے لگا۔ وہ چاروں سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے' چہروں پر بھی سیاہ ڈھاٹے تھے۔ ڈھاٹوں اور ٹوپیوں کے درمیاں بس ان کی آنکھیں نظر آرہی تھیں.......... اور وہ ڈراؤنی آنکھیں تھیں۔

لبنیٰ تو خوف اور دہشت سے گنگ ہو کر رہ گئی تھی مگر مسعود کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سردی کا احساس ہوا تو اس کو خیال آیا کہ وہ جو کمبل اوڑھ کر سو رہے تھے وہ پائنتی کی طرف سمٹے پڑے ہیں۔ اس نے لبنیٰ کو دیکھا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس لرزے کا سبب یقینی طور پر دہشت بھی تھی اور سردی بھی۔ یہ دیکھ کر اسے غصہ آنے لگا لیکن وہ جانتا تھا کہ غصہ ظاہر نہ کرنے میں ہی عافیت ہے۔ چاروں ڈاکوؤں کے پاس پرانے طرز کی بڑی بندوقیں تھیں' جو بہت خوف ناک لگ

رہی تھیں۔

مسعود اٹھ کر بیٹھا اور اس نے جلدی سے کمبل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک ڈاکو نے بہت تیزی سے بندوق سیدھی کی۔ "سیدھے بیٹھے رہو۔" دوسرا ڈاکو غرایا۔ "کوئی حرکت نہ کرو۔"

لیکن مسعود نے کمبل اٹھا کر لبنیٰ کے جسم پر ڈال دیا۔ وہ اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ "کیا چاہتے ہو تم؟" مسعود نے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے؟" ایک ڈاکو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہمیں پہچانتے بھی نہیں ہوگے۔"

"میں تمہیں نہیں جانتا۔" مسعود نے لہجہ سخت رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہو.......... تو ہم تمہیں ڈاکو نہیں لگتے۔" دوسرا ڈاکو ہنسا۔ "اور یہ بھی نہیں جانتے ہو کہ ہم کس لئے آئے ہیں۔"

مسعود خاموش رہا۔ پہلے ڈاکو نے کہا۔ "وقت ضائع مت کرو۔ جلدی سے تلاشی لو۔"

پہلا ڈاکو ان دونوں کو کور کئے کھڑا رہا۔ باقی تینوں ڈاکوؤں نے الماریاں کھولیں اور ان کی تلاشی لینے لگے۔ الماری میں ان کا سوٹ کیس اور بیگ رکھے تھے مگر خالی تھے لبنیٰ تمام سامان سلیقے سے رکھ چکی تھی۔

ایک ڈاکو ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلا آیا اور اس کی درازیں کھول کر دیکھنے لگا۔ چند ہی منٹ میں تینوں ڈاکو واپس آگئے۔ ان کے انداز میں مایوسی تھی "سردار.......... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" ایک ڈاکو نے کور کرنے والے کو مطلع کیا۔

"آپ لوگوں کو کس چیز کی تلاش ہے؟" مسعود نے پوچھا۔

"تم بے وقوف نظر نہیں آتے لیکن سوالات سے بے وقوف ہی ثابت ہوتے ہو۔" سردار نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "ایک نئے نویلے شادی شدہ جوڑے سے ہم ڈاکوؤں کو کیا امید ہو سکتی ہے' یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" مسعود نے بے بسی سے کہا۔

"زیورات جگہ بھی کم گھیرتے ہیں اور قیمتی بھی ہوتے ہیں۔" سردار بولا۔

"لیکن میں زیورات ساتھ نہیں لائی۔" لبنیٰ اچانک چونک کر بولی۔ دوسرے نمبر پر ہمیں نقدی اچھی لگتی ہے۔"

"یہاں وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔" اس بار مسعود نے جواب دیا پھر جلدی سے وضاحت کی۔ "دراصل ہمیں بجٹ بنانے کی پریکٹس کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

سردار اور تینوں ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نگاہوں کا تبادلہ ہوا پھر ایک ڈاکو نے کہا۔ "سردار......... یہ تو تگڑی اسامی معلوم ہوتے ہیں۔"

"سیاست داں فیملی سے لگتے ہیں سردار۔" دوسرا بولا۔ "شاید اسے وزیر خزانہ بنایا جانے والا ہوگا۔" اس نے مسعود کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ٹھیک کہتا ہے استاد۔" تیسرے نے بھی گل افشانی ضروری سمجھی۔ "اگر یہ سیاست داں ہے تو یقیناً جاگیردار بھی ہوگا۔"

سردار نے سب کی باتیں سنیں اور مسعود کو دیر تک پُرخیال نظروں سے دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے لبنیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "زیورات اور نقدی کے بغیر تم نے اپنی بیوی کو ساتھ لاکر بڑی غلطی کی۔ اے مستقبل کے وزیرِ خزانہ' یہ تو مجھے کوہ نور ہیرے سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے۔"

"نہ میں جاگیردار ہوں' نہ سیاست داں ہو اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی قسم کا وزیر۔" مسعود نے احتجاج کیا اور اسی لمحے اس کی سمجھ میں پوری طرح سردار کی بات آئی' جو اَب بھی لبنیٰ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ "تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں سردار صاحب۔" اس نے غصے سے کہا۔

"اے مسٹر زبان سنبھال کے۔ مجھے سردار صاحب کہنے کی ضرورت نہیں۔" سردار بگڑ گیا۔ "میں کوئی بلوچ سردار نہیں' ڈاکوؤں کا سردار ہوں۔"

"تم جو بھی ہو' میری بیوی کا احترام کرو۔" مسعود نے لبنیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سردار کی نگاہوں سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"ارے واہ' اتنا غصہ!" سردار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس زیور ہے نہ نقدی۔ بیوی کے سوا کچھ ہے نہیں اور اکڑ ایسے رہے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ ہم یہ کوہ نور ہیرا لے جا رہے ہیں۔" اس نے لبنیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ "ایک ہفتے کے اندر

دس لاکھ روپے کا بندوبست کرو اور اسے واپس لے جاؤ ورنہ میں اسے ہی قبول کرلوں گا۔ پھر یہ سردارنی بن کر عیش کرے گی........."

مسعود طیش کے عالم میں سردار پر جھپٹا۔ اسی لمحے لبنیٰ نے چیخنا شروع کردیا۔ مسعود سردار تک نہیں پہنچ سکا۔ دو ڈاکوؤں نے اسے دائیں بائیں سے جکڑا۔ تیسرے نے ایک رومال اس کی ناک سے لگایا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بے سدھ ہوگیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بڑی بے رحمی سے فرش پر گرا دیا۔ اس دوران سردار بھی یہی سلوک لبنیٰ کے ساتھ کرچکا تھا۔

سردار نے لبنیٰ کو کندھے پر ڈالا اور نکلنے سے پہلے مسعود کو دیکھا' جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ "اسے بستر پر ڈالو اور کمبل اڑھادو۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہاں پڑا رہا تو یہ سردی میں مر ہی جائے گا۔"

ڈاکوؤں نے منہ بنایا لیکن مسعود پر جھک گئے۔

☆======☆======☆

آنکھ کھلتے ہی مسعود کو سب سے پہلے تو یہ احساس ہوا کہ منہ کا ذائقہ کسیلا ہو رہا ہے۔ ہلکی سے کڑواہٹ حلق تک جارہی تھی۔ پھر اچانک ہی اسے رات کے واقعات یاد آئے۔ وہ یہی سوچ سکتا تھا کہ اس نے کوئی خواب دیکھا تھا۔

چند لمحے وہ اس خواب کو یاد کرتا رہا پھر اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ خواب اسے حقیقت کی طرح لگ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اسی کمرے میں' اسی بستر پر تھا' جہاں سویا تھا۔ وہ کمبل بھی اوڑھے ہوئے تھے۔ کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی رات ہی تھی۔ اس نے اطمینان کی سانس لی کہ خواب خواب ہی تھا۔

اس کا ہاتھ بلا ارادہ لبنیٰ کو تھپ تھپانے کے لئے بڑھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایکدم اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے کمبل الٹ دیا اس کے ہاتھ کی اطلاع درست تھی۔ لبنیٰ وہاں موجود نہیں تھی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ باتھ روم میں ہو لیکن تسلی نہیں ہوئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ خواب نہیں تھا۔ ڈاکو بھی حقیقی تھے اور انہوں نے اسے سچ مچ کلوروفام سنگھایا تھا۔ منہ کی کڑواہٹ کا کوئی اور سبب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھا اور لبنیٰ کی تلاش میں پورا بنگلہ چھان مارا۔ وہ ہوتی تو ملتی۔ اب

اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ گھبرایا ہوا بستر پر آبیٹھا۔ اب اسے خواب کی جزئیات یاد آرہی تھیں۔ ڈاکوؤں نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہاں پردیس میں تھا۔ نصیب خان کے سوا وہ یہاں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ بنگلے کے منتظم شاہد کی اس نے اب تک شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے؟

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ دماغ ایسا خالی خالی ہو رہا تھا کہ کچھ سوچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ پھر اسے چکر آنے لگے۔ اچانک اسے پاپا کا خیال آیا تو جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔ ہاں.......... وہ پاپا سے مدد طلب کرسکتا ہے۔ وہ اس کی مدد کریں گے۔

یہ خیال آتے ہی وہ فون کی طرف لپکا۔ ریسیور اٹھا کر اس نے کراچی کا کوڈ اور پھر گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ اسی لمحے اس کی نظر دیواری گھڑی پر پڑی۔ صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اتنی صبح گھر میں کون اٹھتا ہے۔ وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ڈاکو کس وقت آئے تھے اور وہ کتنی دیر بے ہوش رہا تھا۔

اچانک دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا۔ "ہیلو.......... کون ہے؟" مقصود صاحب کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"پاپا.......... یہ میں ہوں.......... مسعود.........." مسعود نے کہا۔

"اتنی صبح کیا پریشانی ہے تمہیں؟" مقصود صاحب گرجے۔ "کیا مجھے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ وہاں پہاڑ کی چوٹی پر سر کے بل کھڑے ہیں اور تمہاری کھوپڑی پر برف اُگ آئی ہے۔ یا پیڑ کے درختوں پر سیب اور انگوروں کی بیل پر تربوز لگے ہوئے ہیں.........."

"پاپا' آپ میری بات تو سنیں.........." مسعود نے فریاد کی۔

"کیا سنوں؟ میری نیند خراب کردی تم نے۔"

"پاپا' لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تمہیں شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔ یعنی ڈاکوؤں نے تمہیں کسی کام کا نہیں سمجھا۔"

"پاپا' انہوں نے دس لاکھ زرِ تاوان کا مطالبہ کیا ہے.........."

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا بجٹ بری طرح فیل ہوگیا ہے اور یہ فون بھی تم ادھار

کر رہے ہو۔"

"آپ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟" مقصود صاحب کا لہجہ سخت تھا۔

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے پاپا۔ لبنیٰ کو بازیاب کرانا ہے۔"

"تم مرد ہو۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ میں تمہیں شروع ہی سے بتا رہا ہوں کہ لبنیٰ اب تمہاری ذمے داری ہے۔ میں کب تک تمہاری ذمے داریاں اٹھاتا رہوں۔ تم کب زندگی گزارنا شروع کرو گے؟ کیا ساری عمر میری انگلی تھام کر چلو گے؟ میرے بعد کیا کرو گے؟" مقصود صاحب بہت غصے میں تھے۔

مسعود روہانسا ہوگیا۔ "میں مانتا ہوں' میں بہت برا اور غیر ذمے دار ہوں پاپا لیکن کیا آپ زندگی کے مشکل ترین وقت میں میری مدد نہیں کریں گے۔ کیا آپ کو لبنیٰ کی پروا بھی نہیں جو اس وقت خونخوار ڈاکوؤں کی قید میں ہے.........."

"دیکھو مسعود' شیر آیا شیر آیا کہانی اچھی نہیں۔" مقصود صاحب کے لہجے میں اب ٹھہراؤ تھا۔ "کبھی سچ مچ بھی شیر آجاتا ہے اور ایسے میں مدد کو کوئی نہیں آتا۔"

"یہ مذاق نہیں ہے پاپا۔ شیر سچ مچ آچکا ہے.........."

"میں اس وقت بھی کھڑکی کھول کر دیکھوں تو مجھے گھر کا پاگل لان ہی نظر آئے گا۔" مقصود صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔ "کیلے کی جگہ امرود' امرود کی جگہ کیلے' گلاب کی جگہ سورج مکھی' گیندے کی جگہ گلاب.........." وہ کہتے کہتے رکے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم پریکٹیکل جوکس کے عادی ہو۔"

"یہ پریکٹیکل جوک نہیں ہے پاپا۔" مسعود نے احتجاج کیا۔

"گویا یہ تھیوریٹیکل جوک ہے۔"

مسعود بھی انہی کا بیٹا تھا۔ انا' خود داری اور غصہ اسے بھی ورثے میں ملا تھا۔ اسے پہلے توہین کا احساس ہوا پھر طرارہ آگیا لیکن وہ باپ سے بدتمیزی بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"ٹھیک ہے پاپا۔ میں خود ہی اس معاملے کو دیکھوں گا۔" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کی نیند خراب کی۔ اللہ حافظ پاپا!" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ بدلا ہوا آدمی تھا۔ ذرا دیر پہلے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ مگر اب اس کے

پیروں میں جان تھی۔ پاپا کی بات اس کے دل کو لگ گئی تھی کہ لبنیٰ اس کی ذمے داری ہے اور اب اسے باپ کی انگلی تھام کر چلنے کی بجائے اپنے طور پر زندگی گزارنی چاہیے۔

وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ لباس تبدیل کر کے پوری تیاری کے ساتھ بنگلے سے نکلا۔ اس وقت چھ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔

☆------☆------☆

اس نے سوچا تھا کہ پہلے نصیب خان سے ملے گا۔ ممکن ہے' اس سے کچھ مدد مل سکے لیکن بنگلے کے گیٹ سے نکلتے ہی معاملات اس کے اختیار میں نہیں رہے۔ پہلی بات تو یہ کہ باہر کہیں اسے کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ظاہر ہے' سب لوگ بستروں میں دبکے ہوئے ہوں گے۔ اس پر بھی یہ افتاد نہ پڑتی تو وہ بستر پر پڑا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہوتا۔ گویا اب نصیب خان سے فوری طور پر ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ نصیب خان نے اسے اپنے ٹھکانے کا پتا تو بتایا نہیں تھا۔ اتنا کہا تھا کہ وہ یہاں کسی سے بھی اس کے متعلق پوچھ لے لیکن اب برف سے اور درختوں سے تو نصیب خان کا پتا معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سڑک پر جو برف نظر آ رہی تھی' اس سے پتا چلتا تھا کہ رات پھر برف باری ہوئی ہے۔ جمی ہوئی برف پر کچی برف بھی تھی اور اس پر ڈاکوؤں کے بھاری جوتوں کے نشانات بھی واضح اور نمایاں نظر آ رہے تھے۔

وہ بغیر سوچے سمجھے ان نشانات کے تعاقب میں چل پڑا۔ بنگلے کے سامنے والی سڑک بل کھاتی ہوئی بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔ اسی سڑک پر نیچے کی طرف تو ان کا آنا جانا رہا تھا لیکن اس اوپر والے حصے پر وہ پہلی بار چل رہا تھا۔ آگے بھی سڑک کے اسی طرف بنگلے بنے ہوئے تھے۔

وہ نشانات کے پیچھے چلتا گیا۔ کچی برف میں پاؤں دھنسے جا رہے تھے اور چلنا آسان نہیں تھا۔ کوئی آدھا کلومیٹر چلنے کے بعد اسے ٹھٹکنا پڑا۔ چاروں ڈاکوؤں نے وہاں سے سڑک چھوڑ کر اوپر درختوں کے گھنے جھنڈ کا راستہ پکڑا تھا۔ ان کے قدموں کے نشانات اب بھی واضح تھے۔

مسعود وہاں رک گیا اور سوچنے لگا۔ پختہ سڑک پر چلنا ایک بالکل مختلف معاملہ تھا

لیکن کچے راستوں کے معاملے میں نصیب خان اسے پہلے ہی خبردار کر چکا تھا۔ خود مسعود بھی ڈرتا تھا۔ برف کے نیچے کہیں کوئی گہرا کھڈ بھی ہو سکتا تھا۔ ایسا ویسا پیر پڑنے کے بعد زندگی کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔

وہ صرف چند لمحوں کے لئے ٹھٹکا۔ اسے فیصلہ کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ پیروں کے نشانات کے پیچھے چلنے میں اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہاں' اگر آگے جا کر یہ نشانات غائب ہو جاتے یا مٹ جاتے تو اس کے پاس واپسی کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

پھر بھی وہ سڑک سے اترتے ہوئے ہچکچایا مگر لوہا گرم تھا اور چوٹ ابھی تازہ تھی۔ وہ ان نشانوں کے پیچھے چل دیا۔ درختوں کے جھنڈ تک چڑھائی خاصی سیدھی تھی۔ اس پر برف کی مصیبت۔ اسے دہرا ہونا پڑ رہا تھا جیسے ہی درخت آئے' چڑھائی بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

نیچے سے وہ درختوں کا ایک عام سا جھنڈ لگ رہا تھا لیکن اوپر جا کر پتا چلا کہ درختوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ برف باری سے پہلے وہاں یقیناً پگڈنڈی بھی رہی ہوگی۔ اب وہ بل کھاتا پتلا برفانی راستہ تھا' جس پر حدِ نظر تک ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان نظر آ رہے تھے۔

آگے جا کر برف سخت ہو گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہاں زیادہ تر چیڑ کے درخت تھے اور چیڑ کے درخت کبھی ٹنڈ منڈ نہیں ہوتے۔ خزاں ان سے پتوں کا لباس نہیں چھینتی۔ یہی حال یوکلپٹس کا اور ان تمام درختوں کا ہے' جن کے پتے نکیلے ہوتے ہیں۔ وہ خزاں میں بھی ہرے بھرے رہتے ہیں۔ اس وقت ان درختوں کی شاخوں پر برف لدی تھی۔ شاخیں جھکی جا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پگڈنڈی پر تازہ برف نہیں گری تھی۔

سخت برف پر بھی جوتوں کے نشان موجود تھے مگر وہ ذرا غور کر کے دیکھنے پر نظر آتے تھے۔ مسعود ٹھٹک گیا۔ کیا یہ وہ مقام ہے' جہاں سے واپس ہو جانے میں بہتری ہے؟ اس نے سوچا اور پلٹ کر دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنا فاصلہ طے کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی بلندی پر آ چکا ہے۔ پگڈنڈی بہت غیر محسوس طور پر بلندی کی طرف لے آئی تھی.......... اور شاید آگے بھی بلندی ہی تھی۔

لیکن واپس ہونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ تو کچھ کر گزرنے کی نیت سے بنگلے سے

نکلا تھا۔ بابا نے مدد سے انکار کردیا تھا۔ اب اسے خود ہی کچھ کرنا تھا۔ اسے دوسروں پر...... بلکہ لبنیٰ پر اور خود پر بھی یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ غیر ذمے دار اور لاابالی نہیں ہے۔ لہٰذا اب واپسی کا سوال ہی نہیں تھا۔

چنانچہ وہ سخت برف پر قدم جما جما کر چلنے لگا۔ برف پر پھسلن بھی تھی۔ لہٰذا رفتار اور کم ہوگئی تھی۔ اب اس کی چھڑی کام آرہی تھی۔ پگڈنڈی بہت پتلی تھی اور اطراف میں ایستادہ درخت قریب قریب تھے۔ اتنے قریب کہ انہوں نے اوپر آپس میں مل کر چھتری سی بنالی تھی لیکن کہیں کہیں درختوں کے درمیان سے چھن کر آنے والی رنگا رنگ شعاعیں بتارہی تھیں کہ سورج طلوع ہوچکا ہے ورنہ ان درختوں کے درمیان ایسا اندھیرا تھا کہ دن میں بھی رات کا سا سماں ہوتا مگر برف کی وجہ سے وہاں خاصی روشنی تھی۔ پھر بھی کہیں کہیں درختوں کے درمیان سے راستہ بنا کر کوئی شعاع نیچے اترتی اور برف پر منعکس ہوکر قدموں میں قوسِ قزح سی بچھا دیتی اور اس سے آگے بڑھ کر اجالا بھی اجالا نہ لگتا۔ وہ ایسا حسین منظر تھا کہ اگر اس کے دل ودماغ پر اتنا خوفناک بوجھ نہ ہوتا تو وہ اسے بہت زیادہ انجوائے کرتا۔

مگر وہ بہت پریشان تھا۔ وہ سوچ سوچ کر ہول رہا تھا کہ لبنیٰ پر جانے کیا گزر رہی ہوگی۔ اس بے چاری کا گھر میں بھی کبھی اس طرح کی صورتِ حال سے واسطہ نہیں پڑا جب کہ یہ تو پردیس ہے اور وہ گھر سے اور تمام گھر والوں سے دور ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے شاکر سے اپنی آخری گفتگو' اس کے اٹھائے ہوئے سوال اور اپنے جواب یاد آئے۔ اس نے خود کو ٹٹولا۔ کہیں یہ لبنیٰ کی محبت تو نہیں جو اسے خالی ہاتھ کشاں کشاں ڈاکوؤں کی تلاش میں لے جارہی ہے۔ کہیں وہ یہ سوچ کر تو نہیں نکلا ہے کہ لبنیٰ کو بے شک ڈاکوؤں سے نہ چھڑا سکے' اس کے ساتھ قید ہی شیئر کرلے لیکن خوب ٹٹولنے کے بعد بھی وہ یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ صرف خود کو ذمے دار...... ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ لبنیٰ کے لئے پریشان ہے مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بچپن کے ساتھی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے۔

وہ چلتے چلتے رکا۔ منظر تبدیل ہورہا تھا...... بلکہ ہوگیا تھا اور اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اب وہ محض ایک پگڈنڈی نہیں تھی۔ اِدھر اُدھر ایسے کئی راستے تھے' جو

برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ درحقیقت وہ ایک جنگل کے بیچ میں کھڑا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عقب میں وہ پگڈنڈی تھی' جو اسے یہاں تک لائی تھی مگر آخر میں پگڈنڈی ہموار ہوگئی تھی۔ لہٰذا پورا راستہ اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ یقیناً اب نشیب میں تھا اور جہاں وہ کھڑا تھا' وہاں سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

اچانک سورج بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ پورا منظر جگمگا اٹھا تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا' وہاں سے چند قدم آگے سطح زمین تھی' جہاں کوئی درخت نہیں تھا۔ اس سے آگے جنگل تھا' جس میں بہت ساری پگڈنڈیاں تھیں۔

وہ چند قدم آگے بڑھا۔ سطح زمین پر رات کی تازہ اور نرم برف تھی۔ وہاں پہنچتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ چاروں ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان وہاں موجود تھے مگر آگے جاکر ان میں سے تین ایک طرف چلے گئے تھے اور چوتھا مختلف سمت میں گیا تھا۔ وہ ہچکچائے بغیر اس پگڈنڈی کی طرف بڑھ گیا' جہاں تین ڈاکوؤں کے قدموں کے نشان اشارہ کررہے تھے۔

مگر اس پگڈنڈی پر تھوڑی دور چلنے کے بعد اس کا دل بیٹھنے لگا۔ یہاں قدموں کے نشانات موجود نہیں تھے۔ وہ رک کر سوچ اور الجھ ہی رہا تھا کہ عقب سے بندوق کی ایک نال اس کی گدی سے آلگی۔ وہ پلٹ کر دیکھنا چاہ رہا تھا کہ کسی نے سخت لہجے میں کہا۔ "پلٹنے کی ضرورت نہیں۔ آگے کی طرف چل پڑو...... شاباش۔"

اس نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی۔ وہ مطمئن تھا کہ اس کا کام آسان ہوگیا ہے۔ اب اسے ڈاکوؤں کو ڈھونڈنے کی زحمت بھی نہیں کرنی پڑے گی اور وہ یقینی طور پر لبنیٰ کے پاس پہنچ جائے گا۔

گدی سے بندوق لگانے والے کی آواز جانی پہچانی تھی!

☆------☆------☆

مقصود الزمان سے ریسیور رکھنے کے بعد سویا ہی نہیں گیا!

آخری لمحے میں وہ بیٹے سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے اور کہاں سے فون کررہا ہے لیکن مسعود نے بہت تیزی سے خداحافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔ انہ نے بھی ریسیور رکھ دیا اور بستر پر آبیٹھے لیکن اب وہ پریشان تھے۔ کیسا ہی شریر سہی' وہ کا بیٹا تھا...... اکلوتا بیٹا اور انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ اپنی شرارتوں سے ا عاجز کئے رکھتا تھا اور یہ غیر ممکن نہیں تھا کہ اس وقت کی فون کال اور لبنیٰ کے اغ اطلاع بھی شرارت ہی ہو لیکن مسعود کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جو انہیں سنگ احساس دلا رہی تھی۔ اس پر مسعود کا اچانک ریسیور رکھ دینا اس کی مایوسی کا غماز تھا۔

مقصود صاحب کی پریشانی لحہ بہ لحہ بڑھتی گئی۔ یہی غنیمت تھا کہ فون کی گھنٹی بیگم کی آنکھ نہیں کھلی تھی ورنہ وہ ان کی پریشانی اور بڑھادیتیں۔ وہ اٹھ کر باتھ روم چلے گئے۔ باتھ روم سے نکل کر انہوں نے لان کا رخ کیا۔ پاگل لان کو دیکھ کر پہلے تو ا ہنسی آئی پھر تشویش اور گہری ہوگئی۔ وہ یونہی بے مقصد ٹہلتے پھرے۔ پھولوں کے سا مسعود نے میوچوئل ٹرانسفر کی کارروائی کی تھی' وہ تمام پھول مرجھا گئے تھے۔ مرجھائے ہوئے بے جگہ پھولوں کو دیکھ کر ان کے دل میں اداسی در آئی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور بیگم صاحبہ نے باہر جھانکا۔ "کیا بات ہے' آج سویرے اٹھ گئے آپ؟" انہوں نے پکارا۔

"جی بیگم' آج آنکھ کھل ہی گئی تو میں نے سوچا' طلوعِ آفتاب کا منظر لوں۔" انہوں نے مصنوعی شگفتگی سے کہا۔

"مگر سردی کافی ہے' کوئی کمبل یا شال تو لے لیتے۔"

یہ سن کر مقصود صاحب کو احساس ہوا کہ واقعی سردی ہو رہی ہے۔ پر

انہیں خیال ہی نہیں رہا تھا۔

"ٹھہریے...... میں لے کر آتی ہوں کچھ۔" بیگم نے کہا اور اندر چلی گئیں۔

ذرا دیر بعد وہ باہر آئیں تو ان کے ہاتھ میں شال تھی۔ وہ انہوں نے لاکر مقصود صاحب کے کندھوں پر ڈال دی۔ پھر وہ بھی ان کے ساتھ ٹہلنے لگیں۔ ان کی نظر بھی مرجھائے ہوئے پھولوں پر پڑی۔ "اے ہے...... پھول بھی مرجھا گئے۔" انہوں نے تاسف سے کہا۔

"ہوں!" مقصود صاحب نے بے دھیانی سے کہا۔ "یہ کارروائی کرنے والا بھی تو نہیں ہے کتنے دن سے۔"

بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "اوہو...... تو وہ دونوں یاد آرہے ہیں آپ کو۔ جبھی سردی میں صبح سویرے لان میں چہل قدمی ہو رہی ہے۔"

"یہ بات نہیں۔" مقصود صاحب نے جلدی سے کہا۔ "اور ویسے میں انہیں بھولا ہی کب تھا۔"

"مجھے تو بھئی بہت یاد آرہے ہیں دونوں۔" بیگم نے آہ بھر کے کہا۔ "بس اب بلوا لیجئے انہیں۔"

"رہنے دیجئے۔" مقصود صاحب نے بے دلی سے کہا۔ "پھر وہی بچوں جیسی شرارتیں ہوں گی......"

"ارے...... وقت آئے گا تو خود ہی سنجیدہ ہوجائیں گے۔ کوئی پھول تو کھلنے دیں......"

"آپ کا اشارہ شاید پھل کی طرف ہے...... خاص طور پر امرود کی طرف۔" مقصود صاحب بلا ارادہ ہنس دیئے۔

"کیا مطلب؟" بیگم صاحبہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"آپ کو نہیں معلوم۔ آپ کے صاحبزادے اپنے ہونے والے دو بیٹوں کے نام پہلے ہی سوچ چکے ہیں۔"

"مجھے بھی بتائیے۔" بیگم صاحبہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"ضرور۔ سنئے اور سر دھنیے۔ برخوردار امرود الزماں اور مردود الزماں۔"

"کیسی بے ہودگی ہے۔" بیگم صاحب کو پہلے غصہ آیا اور پھر بے بسی سے ہنسنے لگیں۔ "واقعی بھئی، عجیب لڑکا ہے۔"

اسی وقت ملازمہ نے اطلاع دی کہ ناشتا لگ چکا ہے۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ مسعود کی باتیں کرکے مقصود صاحب اوپر سے تو سنبھل گئے تھے مگر دل اب بھی بوجھل تھا۔ تاہم انہوں نے معمول کے مطابق ناشتا کیا۔ وہ بیگم کو دہلانا نہیں چاہتے تھے۔

مقصود صاحب فکر مند تھے۔ انہیں اب بھی یقین تھا کہ مسعود نے شرارت میں فون کیا تھا۔ فکر اس بات کی تھی کہ اگر انہیں علم ہوتا کہ مری میں ان دونوں کا قیام کہاں ہے تو انہیں فون کرلیتے۔ کون جانے لبنیٰ ہی فون ریسیو کرتی اور وہ بے فکر ہوجاتے لیکن انہیں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔

تو اب یہ معلوم کیسے کیا جائے؟ اچانک ہی انہیں شاکر کا نام یاد آیا۔ وہ مسعود کا سب سے قریبی دوست تھا۔ ایک وہی تھا، جس سے اس کا پتہ معلوم ہوسکتا تھا اور اگر اسے معلوم نہ ہوتا تو پھر.........

انہوں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ پہلی فرصت میں شاکر کو فون کرنا چاہتے تھے لیکن گھر سے فون کرنا خطرناک تھا۔ بیگم صاحبہ کو اگر اس صورتِ حال کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ گھر سر پر اٹھا دیتیں۔ اب تو وہ خود بھی سوچ رہے تھے کہ ان سے بہت بڑی غیر ذمے داری سرزد ہوئی ہے۔ ان کا طرزِ عمل بچگانہ اور نامناسب تھا مگر یہ بھی مسعود ہی کی وجہ سے تھا۔ انہیں پھر اس پر غصہ آنے لگا۔

ناشتے کے بعد وہ جلدی جلدی دفتر کے لئے تیار ہونے لگے۔ "کیا بات ہے۔ آج جلدی جارہے ہیں؟"

"ہاں، کچھ ضروری کام ہیں۔" انہوں نے کہا۔ "اور ممکن ہے کہ شہر سے باہر بھی جانا پڑ جائے۔" انہوں نے پیش بندی کی۔

ان میں کوئی بات بھی غیر معمولی نہیں تھی اس لئے بیگم نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ مقصود صاحب نے بھی سکون کی سانس لی۔

دفتر پہنچتے ہی انہوں نے شاکر کا فون نمبر ملایا۔ "میں مقصود الزماں بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے رابطہ ملنے پر کہا۔ "مسعود میرا بیٹا ہے۔"

"جی انکل۔ میں جانتا ہوں۔" شاکر نے کہا۔ "فرمایئے انکل۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ نالائق ان دنوں مری گیا ہوا ہے؟"

"جی انکل.......... ہنی مون منانے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ اس کا قیام کہاں ہے؟"

لائن پر چند لمحے خاموشی رہی، جو مقصود صاحب کے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ وہ بڑی بے چینی سے جواب کے منتظر تھے۔ بالآخر ریسیور پر شاکر کی آواز ابھری۔ "جی ہاں انکل۔ مری میں ہمارا بنگلا ہے۔ میں نے مسعود سے کہا تھا کہ وہاں قیام کرلے۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ میں نے بنگلے کے منتظم کو بھی مطلع کردیا تھا کہ وہ ان کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ آپ ان کی طرف سے بے فکر رہیں انکل۔"

"لیکن میں فکر مند ہوں۔" مقصود صاحب نے کہا۔ "خیر تم مجھے اپنے بنگلے کا پتا لکھوا دو۔"

"بات کیا ہے انکل۔ کچھ بتائیں تو۔" شاکر کے لہجے میں پریشانی تھی۔ "کوئی خاص بات ہے؟"

"صبح ساڑھے پانچ بجے اس نے فون کیا تھا۔ انٹ شنٹ بک رہا تھا۔ میں بھی نیند میں تھا اور تم جانتے ہو کہ شرارت اور مذاق کی عادت ہے اس کی۔ میں نے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اب میں پریشان ہو رہا ہوں کہ کہیں وہ سچ تو نہیں کہہ رہا تھا۔"

"آپ بات تو بتایئے اس نے کہا کیا تھا؟"

"اس نے کہا تھا کہ لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں اور دس لاکھ روپے زرِ تاوان طلب کر رہے ہیں۔"

شاکر کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ تو سراسر مذاق ہے انکل۔ پہلی بات تو یہ کہ مری میں ڈاکوؤں کا وجود ہی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اغوا برائے تاوان کی وارداتیں نہیں ہوتیں۔ یہ تو شہر والوں کے چونچلے ہیں۔ آپ بے فکر ہوجایئے۔ انکل، اس نے مذاق کیا ہوگا۔ وہ ایسا ہی ہے۔"

مقصود صاحب کے دل پر سے بوجھ ہٹ گیا۔ "پھر بھی میاں، تم مجھے وہاں کا فون نمبر

تو دے دو۔"

"وہ میں لکھوا دیتا ہوں لیکن آپ بے فکر ہو جائیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں اور فون کے معاملے میں یہ ذہن میں رکھیئے گا کہ اس موسم میں مری میں لائنیں اکثر خراب ہو جاتی ہیں۔ رابطہ ملنا آسان نہیں ہوتا۔"

مقصود صاحب نے فون نمبر اور پتا نوٹ کر لیا۔

☆------☆------☆

لبنیٰ کو ہوش آیا تو وہ ایک غار میں تھی۔ جس بستر پر وہ لیٹی تھی' وہ بے حد نرم اور گرم تھا۔ جسم پر کمبل بھی پڑا تھا۔ اس کے پاس یہ گمان کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ رات کو ڈاکوؤں کی آمد ایک ڈراؤنا خواب تھی۔

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ غار میں اس کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر غار کا پوری طرح جائزہ لیا۔ وہ بے حد کشادہ اور وسیع وعریض غار تھا۔ وہ جس دیوار کے ساتھ والے بستر پر لیٹی تھی' اس کے مقابل والی دیوار کے ساتھ کئی اور بستر بچھے تھے۔ غار کی اندر والی سائیڈ پر کچھ برتن اور ڈبے رکھے تھے۔ ڈبوں کو کھول کر دیکھنے پر پتا چلا کہ ان میں دال چاول' چینی' چائے کی پتی اور ایسی ہی دوسری چیزیں تھیں۔ وہ غار کیا' اچھا خاصا گھر تھا۔ وہیں تیل سے جلنے والا ایک اسٹوو بھی رکھا تھا۔ مٹی کے تیل کا ہی ایک لیمپ بھی تھا' جو روشن تھا۔ ایک جانب کٹی ہوئی لکڑیوں کا بہت بڑا ڈھیر تھا۔

لبنیٰ پریشان ہو کر چیخنے ہی والی تھی کہ اس نے خود کو روک لیا۔ چیخنا چلانا بے سود ہی تھا۔ ان لوگوں نے بے فکری سے اسے یہاں چھوڑ دیا تھا تو اس کا کوئی سبب بھی ہوگا ورنہ وہ کم از کم اس کے منہ میں کپڑا تو ٹھونس سکتے تھے۔ ہاتھ پاؤں بھی باندھے جا سکتے تھے۔ اس کے لئے اصل پریشانی کی بات یہ تھی کہ یہاں اسے مسعود نظر نہیں آیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے بنگلے ہی میں چھوڑ آئے ہوں۔ اسے ڈاکوؤں کی گفتگو یاد آئی تو تھرتھری چڑھ گئی۔ ان دونوں نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں سردار نے جو دھمکی دی تھی' اسے یاد کر کے لبنیٰ اور لرز گئی۔

چند منٹ اپنے بستر پر بیٹھ کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ذرا دل سنبھلا تو وہ اٹھی اور دبے پاؤں غار کے دہانے کی طرف بڑھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے باہر جھانکا۔

باہر بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ آہستگی سے باہر نکل آئی۔

باہر نکل کر اس نے گردو پیش کا جائزہ لیا۔ وہ ایک پہاڑی ڈھلوان پر واقع قدرتی جنگل میں کھڑی تھی۔ نیچے دور تک اونچے اونچے درختوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک پگڈنڈی نظر آ رہی تھی' جس کے اطراف میں درخت تھے۔ پگڈنڈی برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔

وہ بھاگ نکلنے کے لئے اچھا موقع تھا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ بھاگ کر جائے گی کہاں۔ اسے تو راستوں کا بھی پتا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ پہاڑوں پر چلنے کی عادی تھی۔ اس پر مصیبت برف سے ڈھکے ہوئے راستے۔ کیا پتا' کس جگہ برف کے نیچے خلا ہو.......... کوئی گہرا کھڈ۔ ہاں پگڈنڈی کے سرے پر اگر اسے سڑک نظر آ جاتی تو وہ ہمت کر لیتی لیکن وہاں تو نیچے.......... بہت نیچے جاتے ہوئے درختوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دونوں جانب درخت ہی درخت تھے۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرف جائے۔ اتنے میں سر کے اوپر سے کسی نے کہا۔ "سیدھے ہاتھ کی طرف ریچھ زیادہ ملیں گے اور الٹے ہاتھ کی طرف گیدڑ۔"

اس نے گھبرا کے سر اٹھایا۔ غار کے دہانے کے اوپر ایک بہت بڑی چٹان چھجے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس چھجے پر ایک شخص پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ اسے لباس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ ڈاکوؤں میں سے ایک ہے۔ اس بار چہرے پر ڈھاٹا نہیں تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔ خشخشی داڑھی تھی اور مونچھیں بھی ہلکی تھیں۔

لبنیٰ نے کچھ نہیں کہا۔ بس شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔

چھجے پر بیٹھے ڈاکو نے ہاتھ منہ سے لگا کر بھونپو سا بنایا اور زور سے چلایا۔ "سردار.......... باورچن اٹھ گئی ہے۔"

اس اعلان پر لبنیٰ کا منہ بنا ہی تھا کہ سامنے والے درختوں کی طرف سے جواب آیا۔ "میں آتا ہوں۔" لبنیٰ نے آواز کی طرف دیکھا۔ ایک شخص چیڑ کے اونچے درخت سے بڑے مزے سے پھسلتا ہوا اترتا نظر آیا۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ یقیناً سردار تھا۔ بہت گھنی مونچھوں میں وہ بہت خطرناک لگ رہا تھا۔ عمر بھی اس کی زیادہ تھی۔

"کتنا سوتے ہو تم شہری لوگ؟" اس نے لبنیٰ کے قریب آ کر بے حد بے تکلفی سے

کہا۔ ”ناشتا بھی کرتے ہو یا نہیں؟“

”یہ کیا بکواس ہے؟“ لبنیٰ نے غصے سے کہا۔ ”تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کرسکتے۔“

”ٹھیک ہے بی بی۔ تُو دس لاکھ کا نوٹ ہے۔ اب تجھ سے ایسے بات نہیں کروں گا؟“ ڈاکو نے بڑے دلار سے کہا۔ ”بس تو اب جلدی سے ناشتا بنا دے۔“

”مجھ سے ایسی کوئی امید نہ رکھنا۔“ لبنیٰ نے کڑے لہجے میں کہا۔

سردار کے تیور بدل گئے۔ ”تجھے تو ہماری ہر بات ماننی ہے شہری لڑکی!“ وہ غرایا۔ ”چھوٹی باتیں نہیں مانے گی تو بہت بڑی باتیں ماننی ہوں گی۔“

”جنگلی گھوڑی اور شہری عورت کو سدھانا بہت مشکل ہے سردار!“ اوپر بیٹھے ڈاکو نے مسخرے پن سے کہا۔

”تو چپ کر اور نیچے اتر آ شیرے!“ سردار نے اسے ڈپٹا۔ ”اسے تو میں ابھی ٹھیک کردیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ لبنیٰ کی طرف بڑھا۔ اس نے لبنیٰ کی کمر تھام کر اسے یوں اٹھایا‘ جیسے وہ کوئی پلاسٹک کی گڑیا ہو۔ پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے داہنی جانب کے درختوں کی طرف چلا۔ درختوں کے درمیان ذرا سا آگے جاکر ایک گہرے کھڈ کی گگر تھی۔ سردار نے لبنیٰ کو خلا میں جھلایا۔ ”بول کیا کہتی ہے؟“ اس نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔ ”میری بات مانے گی یا نہیں؟“

لبنیٰ بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا گلا خشک تھا۔ لٹکی ہوئی حالت میں اس خوفناک کھائی کو دیکھنا بہت لرزہ خیز تجربہ تھا۔ اس نے تو اپنی سانس بھی روک لی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ ذرا بھی ہلی تو سردار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔

”بول.......... ورنہ گرا دوں گا کھڈ میں۔“ ڈاکو پھر غرایا۔

اس بار لبنیٰ نے شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔ ڈاکو اسے واپس لے آیا اور غار کے دہانے پر کھڑا کردیا لیکن لبنیٰ کی ٹانگوں میں جان نہیں تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کے لئے اٹھنا بھی ناممکن تھا۔

”بس اٹھ جا‘ زیادہ نخرے نہ کر۔“ سردار نے سخت لہجے میں کہا۔ ”بہت بھوک لگی ہے اور یاد رکھ‘ بھوکا مرد بڑا خونخوار ہوتا ہے۔ کچا چبا جاتا ہے.......... کچا!“

لبنیٰ فوراً ہی اٹھ گئی۔ اگرچہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ کھائی میں لٹکنے کے تجربے کا اعادہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ”کیا پکاؤں؟“ اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

”او شیرے‘ اسے بتا۔ میں ادھر ہی کھڑا ہوں۔“ سردار نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”وہ جیلا بھی ابھی تک نہیں آیا ہے۔“

”آ بی بی میرے ساتھ۔“ شیرے نے کہا اور لبنیٰ کو غار میں لے گیا۔ ”یہاں ہر چیز موجود ہے ضرورت کی۔ تو ایسا کر کہ آٹا گوندھ لے۔ پھر چائے کا پانی چولہے پر چڑھا اور اس کے بعد پروٹھے ڈال دے۔“

”پروٹھے؟“ لبنیٰ نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں.......... وہی گھی والی روٹی۔“

”لیکن مجھے تو آٹا گوندھنا نہیں آتا۔“ لبنیٰ نے بے بسی سے کہا۔

”تو بی بی‘ اپنے گھر میں تو کیا کرتی ہے؟“

”گھر میں نوکر ہیں۔“

”اور یہاں آنے کے بعد؟“

”ڈبل روٹی سے کام چلاتے تھے ہم۔“

”تیرا قصور نہیں ہے بی بی۔“ شیرے نے آہ بھر کر کہا۔ ”یہ تیرے مرد کا قصور ہے۔ وہ کسی کام کا ہوتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا۔ خیر‘ اگر پیسے نہیں آئے اور سردار نے تجھے قبول کرلیا تو تین دن کے اندر تجھے سب کچھ آجائے گا۔ سردار بہت ہتھ چھٹ ہے۔ عورتوں کو بھی نہیں بخشتا۔“

”یہ کیا بکواس ہے۔“ لبنیٰ نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

”ویسے تو سردار کے ساتھ اچھی ہی رہے گی۔“ شیرا اپنی کہے جارہا تھا۔ ”تیرا مرد تو کسی کام کا نہیں۔ نہ وہ تیری حفاظت کرسکتا ہے۔ نہ تجھے کام کا بنا سکتا ہے۔“

”تم لوگوں کے پاس بندوقیں تھیں اور وہ نہتا تھا۔“ لبنیٰ نے صفائی پیش کی۔

”تو تجھے چھوڑ کر بیٹھ گیا۔“ شیرے نے طنز کیا۔

لبنیٰ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے سردار کی دھاڑ سنائی دی۔ ”او شیرے‘ جلدی سے ناشتا بنوا۔ میرا برا حال ہے بھوک سے۔“

"اب کیا ہوگا۔" شیرا بڑبڑایا۔ "چل بی بی' میں تجھے آٹا گوندھنا سکھاتا ہوں۔"

آٹا گندھ گیا۔ اب دوسرا مرحلہ تھا چولہے کا۔ مٹی کا تیل موجود نہیں تھا۔ "تو فکر نہ کر بی بی۔ ہم ضرورت کی ہر چیز رکھتے ہیں۔" شیرے نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "باہر لکڑیاں موجود ہیں۔ وہیں چولہا جلے گا۔"

لبنیٰ نے کبھی لکڑیاں نہیں جلائی تھیں۔ شیرا اسے سمجھاتا رہا۔ نیچے پتلی چھوٹی لکڑیاں رکھ کر جلائی گئیں۔ انہوں نے آنچ پکڑلی تو اوپر سلیقے سے بڑی لکڑیاں رکھ دی گئیں مگر لبنیٰ دھوئیں سے پریشان تھی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

اب توے کا مرحلہ درپیش تھا۔ توے کے نام پر وہاں ایک بہت بڑا گول ٹین تھا۔ لبنیٰ نے تو عام توے پر بھی کبھی روٹی نہیں ڈالی تھی۔ اسے دیکھ کر تو وہ گھبرا گئی۔

"اس کا فائدہ یہ ہے بی بی کہ تجھے ایک ہی پراٹھا پکانا پڑے گا اور سب کا کام ہو جائے گا۔"

"میرے پاس کوئی کام کی چیز ہوتی تو تم سب کا کام تمام کر دیتی۔" لبنیٰ نے جل کر کہا۔

شیرا اسے سکھاتا سمجھاتا رہا۔ جیسے تیسے ایک پراٹھا پک ہی گیا۔ چائے بھی بن گئی لیکن لبنیٰ کے ہاتھوں پر اتنے چھکے لگے کہ وہ پریشان ہوگئی۔ یہاں تو ٹیوب بھی نہیں تھی۔ شیرے کو پتا چلا تو اس نے جلی ہوئی جگہ گھی لگانے کا مشورہ دیا۔ حیرت انگیز طور پر اس سے فائدہ بھی ہوا۔

سردار اور شیرا مزے سے بیٹھ کر کھاتے رہے۔ لبنیٰ کا اپنا بھوک سے برا حال تھا لیکن وہ وحشت زدہ بھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس قصے کا انجام کیا ہوگا۔ اسے مسعود کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ اس کی طبیعت ایسی تھی کہ غصہ آتا تھا تو خوف دب جاتا تھا اور وہ غصے کا اظہار بھی خوب کرتی تھی۔ اسی وجہ سے ڈاکوؤں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی خوف زدہ ہے اور وہ اپنے خوف کو ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر کھائی میں لٹکنے کے تجربے نے اسے لرزا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ جانتی تھی کہ سردار اسے پھینکے گا نہیں۔ وہ دس لاکھ کا نوٹ تھی۔

سردار کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "لے بی بی' اب تو ناشتا کرلے۔" وہ کہہ رہ

اٹھا۔ اس نے توے پر پڑا پراٹھا اس کی طرف بڑھایا۔ "چائے بھی نکال لے اپنے لئے۔"

لبنیٰ نے منہ بنا کر پراٹھے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"برا مان گئی۔" سردار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے۔ عورتیں پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں پھر خود کھاتی ہیں۔"

"مجھے کیا تمہارے ہاں کے طریقوں سے۔" لبنیٰ نے بھنا کر کہا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً تمہیں قبول کرلوں گا۔"

لبنیٰ کا غصے سے برا حال ہوگیا۔ "سنو' تم مجھے کمزور نہ سمجھو۔ میں تمہیں نہ مار سکی تو خود ضرور مرجاؤں گی۔"

"مرجانا۔ پہلے ناشتا کرلو ورنہ اٹھا کر کھائی میں پھینک دوں گا۔" سردار کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔

یہ بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ شیرے نے نعرہ لگایا۔ "جیلا آگیا استاد۔"

لبنیٰ نے آواز کی سمت دیکھا۔ پگڈنڈی کی طرف سے ایک اور ڈاکو آتا نظر آیا۔ اس کے کندھے سے بندوق جھول رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں پانچ چھ مردہ خرگوش لٹکے ہوئے تھے۔ "یہ شیدا پتا نہیں کہاں رہ گیا؟" سردار بڑبڑایا۔

جیلے نے وہ پانچ خرگوش لاکر برف پر ڈال دیئے۔ انہیں ذبح وہ پہلے ہی کرچکا تھا۔ خون اب بھی رس رہا تھا۔ برف سرخ ہونے لگی تھی۔ "یہ لو سردار' کھانے کا بندوبست بھی ہوگیا۔" جیلے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لے بی بی' اب ان کی کھال اتار اور انہیں صاف کرلے جلدی سے۔" سردار نے لبنیٰ سے کہا۔ "پھر کھانا پکانے کا بندوبست کر۔"

"کون میں؟" لبنیٰ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ "مجھ سے تو یہ خرگوش دیکھے بھی نہیں جارہے ہیں۔ میں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"تجھے ٹھیک کرنا ہی پڑے گا بی بی۔" سردار نے نرم لہجے میں کہا۔ "تجھے تو عورت بن کر رہنا ہی نہیں آتا............"

اس بار پھر شیرے کی مداخلت نے بات نہیں بڑھنے دی۔ "شیدا بھی آگیا سردار!" اس نے نعرہ لگایا۔

لبنیٰ نے پگڈنڈی کی سمت دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شیدا اکیلا نہیں تھا!

☆======☆======☆

مسعود آگے آگے چل رہا تھا اور بندوق بردار اس کے پیچھے تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ انہیں چلتے ہوئے کم از کم بیس منٹ ہوگئے ہیں۔ بالکل اچانک ہی سامنے وہ لوگ اسے نظر آگئے۔ لبنیٰ بھی تھی اور تین اور افراد تھے۔ وہ یقیناً ڈاکو ہوں گے۔

لبنیٰ نے اسے دیکھا تو دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ ”مجھو............ سوری مسعود‘ تم کیسے آپھنسے؟“ وہ اس سے لپٹ گئی اور پھر جانے کیا ہوا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ ”یہ لوگ بہت ظالم ہیں مسعود۔ وہ............ وہاں بہت گہری کھائی ہے۔ یہ سردار مجھے وہاں پھینک رہا تھا۔“ وہ بچوں کی طرح سسکیوں کے درمیان کہے جارہی تھی۔

مسعود کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے............ اسے کیسے دلاسا دے۔ ہاتھ میں تو امید کی ڈوری کا کوئی سرا بھی نہیں تھا بلکہ امید کی ڈور بھی نہیں تھی۔ وہ بس اسے تھپ تھپاتا رہا۔ ”فکر نہ کرو۔ اب میں آگیا ہوں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

مسعود نے لبنیٰ کو ہٹایا۔ اسی لمحے شیدے نے اسے آگے دھکیلا۔ ”چل بھئی بابو............ آگے بڑھ۔“

مسعود نے آگے بڑھتے ہوئے گردوپیش کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ وہ غار کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ چھجے نے اسے اور محفوظ کردیا تھا۔ برف باری میں بھی غار کا دہانہ بند نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک طرف لبنیٰ کے بیان کے مطابق کھائی تھی۔ امکان یہی تھا کہ دوسری طرف بھی یہی صورتِ حال ہوگی۔

وہ‘ شیدا اور لبنیٰ اب سردار کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ ”اسے کہاں سے پکڑ لایا ہے شیدے؟“ سردار نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

”تمہارا اندازہ درست تھا سردار!“ شیدے نے کہا۔ ”یہ ہمارے قدموں کے نشان

دیکھتا ہوا ادھر ہی چلا آرہا تھا۔ بہت چالاک ہے۔"

"اتنی جلدی تم نے دس لاکھ کا بندوبست کرلیا؟" سردار مسعود کی طرف مڑا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔" مسعود نے کہا۔

"اور میں نے بھی تمہیں بتادیا تھا کہ دس لاکھ نہیں ملے گا تو کیا ہوگا۔" سردار کے لہجے میں دھمکی تھی۔ "تم نے برا کیا جو دس لاکھ لئے بغیر یہاں چلے آئے۔ خیر ہمارا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں۔ ہمارے بہت کام آؤ گے اور ایک اہم کام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا تمہارے بغیر۔ اب وہ بھی ہوجائے گا۔" سردار جیلے اور شیدے کی طرف مڑا۔ "تم لوگ بھی جلدی سے ناشتا کرلو۔ اے بی بی' چائے لاکر دے ان دونوں کو۔"

لبنیٰ غار میں چلی گئی۔ مسعود نے سردار کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کررہا تھا کہ اب ڈاکوؤں کا کیا ردعمل ہوگا۔

"اوئے چھوکرے' تم لوگوں کو عورت تو رکھنی نہیں آتی اور شادی کرلیتے ہو۔" سردار نے اس سے کہا۔ لہجے میں حقارت تھی۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟" مسعود کا دماغ الٹ گیا۔

"تو اور کیا۔ تمہاری عورت کو گھر کا کوئی کام بھی نہیں آتا۔ سب ہمیں سکھانا پڑ رہا ہے۔"

اتنے میں لبنیٰ غار میں سے پیالے لے آئی تھی۔ اس نے پیالوں میں چائے انڈیل کر پہلے مسعود کو دی اور پھر جیلے اور شیدے کے سامنے رکھ دی۔ وہ دونوں اس سے پہلے ہی جہازی سائز کے پراٹھے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ "یہ تمہارے ہاں کی عورت نہیں ہے۔" مسعود نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"عورت کہیں کی بھی ہو' اسے عورت ہونا چاہئے اور مرد کو مرد ہونا چاہئے۔ اس کو تو میں کسی نہ کسی طرح عورت بنادوں گا لیکن تمہارا مرد بننا بہت مشکل ہے۔"

"تمہارے خیال میں مرد کیسا ہوتا ہے۔ بے وقوف! تمہارے خیال میں یہ مردانگی ہے کہ میں تم لوگوں پر ٹوٹ پڑوں۔ نتیجے میں مارا جاؤں اور بیوی کو بیوہ کردوں۔" مسعود نے بڑے تحمل سے کہا۔ درحقیقت اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔

"نہیں۔ یہ تو واقعی بے وقوفی ہوگی۔" سردار نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "لیکن مردوں کو محنتی اور جفاکش ہونا چاہئے۔ نکما آدمی تو خود بھی ٹھیک سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ اپنا خیال بھی نہیں رکھ سکتا۔ بیوی کا کیا خیال رکھے گا۔"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ میرا محنتی پن اور میری جفاکشی اور طرح کی ہے۔"

"جفاکشی ہم اسے کہتے ہیں' جو ہر طرح کے حالات میں زندگی گزارنے کا جتن کرسکے۔"

مسعود نے حیرت سے سردار کو دیکھا۔ اسے وہ گفتگو دانش ورانہ لگی۔

"جفاکشی میں تمہیں سکھاؤں گا۔" سردار نے مزید کہا۔ "زندہ بچ گئے تو تم بھی محنتی اور جفاکش ہوگے۔ چلو' پہلا کام یہ کرو کہ ان خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں پکانے کے لئے تیار کرو۔" اس نے برف پر پڑے خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا۔

مسعود نے حیرت سے خرگوشوں کو اور پھر سردار کو دیکھا۔ "یہ محنت ہے.......... جفاکشی ہے۔"

"نہیں.......... یہ زندگی ہے۔" سردار نے جواب دیا۔ "محنت اور جفاکشی شکار کرنے سے شروع ہوتی ہے۔"

"مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔" مسعود نے صاف انکار کردیا۔

"تو زندگی کیسے گزارو گے؟ یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کا۔ پیسے کے زور پر زندگی گزارتے ہو۔ ہمیں دیکھو۔ ہماری جیب خالی ہے لیکن تم سے اچھا کھاتے ہیں۔ تم سے اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے نہیں گھبراتے۔"

"ہاتھ پاؤں ہلانا لوگوں کو لوٹنا' انہیں یرغمال بناکر دولت طلب کرنا ہے۔" مسعود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور خالی جیب اچھی زندگی گزار سکتے ہو تو مجھ سے دس لاکھ کیوں مانگتے ہو؟ ڈاکو کیوں بنے ہو؟"

"پیسہ ان کے پاس ہونا چاہئے جنہیں زندگی گزارنی آتی ہے۔" سردار نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "خیر' اب تمہیں تجربہ ہوجائے گا۔ یہاں ہاتھ پاؤں ہلاؤ گے تو کھانا ملے گا۔ یہاں تم مفت کی روٹیاں نہیں توڑ سکتے۔" اس نے پھر خرگوشوں کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو شروع ہوجاؤ۔"

"مجھے یہ کام نہیں آتا۔" مسعود نے بے بسی سے کہا۔

"تو سیکھ لو۔" سردار نے کہا پھر اس نے شیرے کو پکارا۔ "او شیرے' بابو کو ذرا ایک خرگوش بنا کر دکھا۔ باقی کام یہ خود کرلے گا۔"

"ابھی لو سردار۔"

شیرے نے ابھی مسعود کی کلاس لینی شروع ہی کی تھی کہ سردار نے لبنیٰ کو پکار لیا۔ "او بی بی' دیکھ آج برف گرے گی۔ تو ایسا کر کہ بڑی لکڑیاں چیر کر چھوٹی کرلے۔ جلانے میں آسانی ہوگی۔ یہاں آگ کے پاس ہی ڈال دے انہیں۔ تھوڑی سوکھ جائیں تو اچھا ہے۔"

مسعود نے سر گھما کر سردار کو دیکھا۔ "میری بیوی یہ کام نہیں کرے گی۔"

"یہ بی بی یہ کام ضرور کرے گی۔ تیری عورت بن کر نہیں تو میری عورت بن کر کرے گی۔"

مسعود اٹھ رہا تھا کہ شیرے نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔ مسعود نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ "نہیں بابو' غلطی نہ کرنا۔ تو سردار کو نہیں جانتا۔ وہ جو کہہ رہا ہے' کر بھی گزرے گا۔"

مسعود خاموشی سے بیٹھ گیا۔ شیرا اسے سمجھا رہا تھا کہ کھال آسانی سے کیسے اتاری جاسکتی ہے۔

☆------☆------☆

پورا دن گزر گیا۔ مقصود صاحب نے بلاشبہ سینکڑوں بار شاکر کا دیا ہوا مری کا نمبر ٹرائی کیا تھا۔ ہر بار انہیں انگیج ٹون سننے کو ملی تھی۔ شاکر کی بات درست ہی لگ رہی تھی کہ مری میں برف باری کے بعد ٹیلی فون کا نظام خراب ہوجاتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے رات کو شاکر کو دوبارہ فون کیا۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ بے فکر ہوجائیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے انکل!" شاکر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میاں! لیکن دل مضطرب ہے۔ بات ہوجاتی تو مجھے سکون ہوجاتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"دل نہیں مانتا برخوردار۔ میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ مسعود نے مجھے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ لبنیٰ کو ڈاکو اٹھا لے گئے ہیں اور انہوں نے اس کی رہائی کے لئے دس لاکھ روپے مانگے ہیں۔"

"اچھا.......... آپ اور لوگوں سے پوچھ کر دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ مری میں ایسا کوئی سلسلہ نہیں چلتا۔"

"وہ میں پوچھ چکا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے لیکن میں کیا کروں۔ دل کو کیسے سمجھاؤں۔" مقصود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" شاکر نے پوچھا۔

"حتمی فیصلہ تو میں مشہود سے بات کرنے کے بعد کروں گا۔ مشہود میرا بھائی اور لبنیٰ کا باپ ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔ "لیکن میرے دل میں بار بار خیال آتا ہے کہ مجھے خود مری جاکر دیکھنا چاہئے۔"

لائن پر چند لمحے خاموشی رہی پھر شاکر کی آواز ابھری۔ "آپ حکم کریں تو میں مری چلا جاؤں۔"

"میں بہت شکر گزار ہوں گا۔"

"ایسا کریں' کل اور ٹرائی کریں۔ شاید فون مل جائے۔ نہیں تو پرسوں میں چلا جاؤں گا۔ کل مجھے ایک ضروری کام ہے۔ وہ نمٹا لوں گا۔"

مقصود صاحب ہچکچائے۔ "اچھا ٹھیک ہے لیکن.........."

"میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔" شاکر نے ان کی بات کاٹ دی۔ "ممکن ہے' میں کل ہی چلا جاؤں۔"

"تمہارا بہت شکریہ بیٹے۔"

"بس آپ پریشان نہ ہوں انکل۔ اچھا خدا حافظ۔"

مقصود صاحب نے ریسیور رکھا اور کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ مشہود الزمان سے فون پر بات کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ گھر میں بات کی گئی تو پریشانی بھی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگے..........

☆------☆------☆

رات ہوتے ہوتے مسعود تھک کر چُور ہو چکا تھا۔ اس ایک دن میں اس نے جتنے کام کئے تھے' پوری زندگی میں نہیں کئے تھے اور جس نوعیت کے کام کئے تھے' وہ اس کے امکانِ تصور سے بھی باہر تھے۔ اس نے خرگوشوں کی کھال اتار کر انہیں صاف کیا تھا۔ پھر جنگل گیا تھا اور لکڑیاں کاٹ کر لایا تھا۔ اس کے بعد وہ لکڑیاں چیرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں میں کلہاڑی تھامنے کی طاقت بھی نہیں رہی تھی۔ ہاتھوں میں ایک ایک جگہ پر کئی کئی چھالے پڑ کر پھوٹ چکے تھے۔

شیرے نے اسے چیڑ کی لکڑی کے متعلق بتایا تھا' جو مشعل کے کام آتی تھی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ لبنیٰ بھی بڑی مصیبت میں ہے۔ وہ بھی ایسے کام کر رہی تھی جو کبھی نہیں کئے تھے۔ پانی گرم رکھنا' چائے بنانا' آٹا گوندھنا' سالن.......... اور پھر بڑی بڑی روٹیاں پکانا۔ اب تو وہ بے چاری ٹھیک طرح سے چل بھی نہیں پا رہی تھی۔

اور وہ ڈاکو بڑے پیٹو تھے۔ مسعود نے انہیں کھاتے دیکھا تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ کوئی انسان اتنا کھا سکتا ہے۔ اس کا اپنا یہ حال تھا کہ تھکن نے بھوک بھی اڑا دی تھی۔ اس نے بمشکل چار لقمے لئے۔ لبنیٰ کا بھی یہی حال تھا۔

بہرحال رات کا کھانا مسعود کو تو نعمتِ عظمیٰ ہی لگا۔ صرف اس لئے کہ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں نے نہ صرف سونے کا ارادہ کر لیا بلکہ اس کے لئے بھی یہی حکم صادر فرمایا۔ اس وقت تک مسعود کا جسم آرام کا مطالبہ کرنے کے سوا کسی قابل نہیں رہا تھا۔

لیکن کون کہاں سوئے گا' اس مسئلے پر الجھن پیدا ہو گئی۔ ڈاکو مسعود کو اپنے درمیان اور لبنیٰ کو الگ سلانا چاہتے تھے۔ مسعود نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو بس پہلی فرصت میں لیٹ جانا چاہتا تھا لیکن لبنیٰ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ "میں اکیلی نہیں سوؤں گی۔"

"تو اب میں تیرے ساتھ سونے کے لئے عورت کہاں سے لاؤں بی بی!" سردار بھنا کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر جو یہاں موجود ہے۔"

مسعود کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لبنیٰ یہ ہنگامہ کیوں کر رہی ہے۔ وہ حیرت سے کبھی لبنیٰ کو دیکھتا اور کبھی سردار کو۔

"یہ نہیں ہو سکتا اور اس کی ضرورت بھی کیا ہے؟"

"ضرورت ہے۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔"

سردار یہ سن کر غصے سے پاگل ہو گیا۔ مسعود کی سمجھ میں اب بھی بات نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک.......... اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ لبنیٰ کو ان ڈاکوؤں کی قید میں ایک اور بڑا خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ اس کے خون میں بتدریج گرمی آنی شروع ہوئی۔

"پاگل ہو گئی ہے بی بی!" سردار برافروختگی سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے کچھ کرنا ہو گا تو مجھے روکے گا کون۔"

لبنیٰ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میرے شوہر کو نقصان پہنچاؤ گے۔"

"تو ادھر تیرے پاس سو کر یہ محفوظ ہو جائے گا.........."

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے سردار!" مسعود نے ٹھنڈے لہجے میں بات کاٹ دی۔ "جب میں یہاں موجود ہوں تو یہ اکیلی نہیں سوئے گی۔"

"ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔" سردار اس پر الٹ پڑا۔ "اور تم اس جگہ کو کیا سمجھ رہے ہو۔ یہ ڈاکوؤں کا غار ہے' کوئی عیاشی والا ہوٹل نہیں۔"

مگر اب مسعود کا دماغ آؤٹ ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر لبنیٰ کی طرف چلا آیا۔ سردار بھی اٹھنے لگا مگر شیرے نے اسے روک لیا۔ "رہنے دو سردار۔ یہ شہری لوگ ہیں۔ ان کے اپنے رسم و رواج ہیں۔"

سردار بیٹھ تو گیا لیکن اس نے بھنا کر کہا۔ "رہنے دے شیرے۔ مجھے تو ان میں اب تک میاں بیوی کی محبت بھی نظر نہیں آئی۔"

اس کی یہ بات سن کر مسعود اور لبنیٰ نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکا مگر اگلے ہی لمحے دونوں کی نگاہیں جھک گئیں۔

غار میں خاصی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکوؤں کے خراٹوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لبنیٰ اور مسعود کچھ دیر چپ چاپ لیٹے رہے پھر مسعود نے کہا۔ "یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اس بات پر اتنا ہنگامہ کیوں کیا۔ کل بھی تو تم یہاں اکیلی رہی تھیں؟"

"وہ اور بات تھی۔ میں بے ہوش تھی۔" لبنیٰ نے کہا پھر کچھ دیر سوچتی رہی۔ "بات

یہ ہے کہ تم سے مجھے تحفظ کا احساس ملتا ہے۔"

"کراچی میں اپنے گھر میں بھی زیادہ تر تم اکیلے سونے پر اصرار کرتی تھیں۔" مسعود نے اعتراض کیا۔ دونوں سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"وہ بھی اور بات تھی۔ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔"

"کوشش تو کرو۔"

"دن بھر تمہارا رویہ ایسا ہوتا تھا' جیسے تمہیں میری کوئی پروا ہی نہیں۔ جیسے تمہیں مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ بس پھر اس کے بعد رات کے وقت تمہارا قریب آنا مجھے برا لگتا تھا مگر اب تم قریب ہو تو تحفظ کا احساس ہو رہا ہے۔"

"سردار ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمارے درمیان میاں بیوی والی محبت ہے ہی نہیں لیکن پھر بھی میرے جیتے جی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"یہ محبت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟" لبنیٰ نے تنک کر کہا۔

"میں نہیں لاتا۔ دوسرے لاتے ہیں۔" مسعود نے اور زیادہ تنک کر کہا۔ "مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔"

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی پھر لبنیٰ نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر مسعود کو چھوا۔ "محبت نہ سہی مچھو' لیکن میں تمہارا خیال تو رکھتی ہوں۔"

"خاک خیال رکھتی ہو۔ خیال رکھتیں تو ہم یہاں.......... اس حال میں کیوں ہوتے۔" مسعود نے بھنا کر کہا۔ "گھر میں تمام وقت شرارتیں کرتی تھیں اور مجھے بھگتنا پڑتا تھا۔"

"خود تو جیسے تم کچھ کرتے نہیں۔" لبنیٰ نے چیخ کر کہا پھر اسے خیال آ گیا۔ "ہم پھر لڑنے لگے؟"

مسعود نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ "مچھو.......... نیند نہیں آ رہی ہے کیا؟"

"نیند کیسے آئے گی۔ پورا جسم دکھ رہا ہے میرا۔" مسعود کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مچھو.......... اب ہو گا کیا؟"

"پتا نہیں۔ تم تو خیر محفوظ رہو گی۔"

"مجھ سے ناراض ہو مچھو؟" لبنیٰ نے مسعود کا ہاتھ تھام لیا۔ مسعود کی چیخ نے اسے دہلا دیا۔

چیخ سن کر ڈاکوؤں میں سے کسی نے نیند میں ڈوبی آواز میں بڑبڑا کر کہا۔ "ان کے ہاں چیخیں بھی مردوں کی نکلتی ہیں۔"

یہ سن کر تو مسعود کا دماغ ہی الٹ گیا کچھ کہنا لاحاصل تھا۔ وہ خون کے سے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ "کیا ہوا مچھو؟ چیخے کیوں تھے؟" لبنیٰ نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"مچھو کا صرف جسم نہیں دکھ رہا ہے' ہاتھوں پر بڑے بڑے چھالے بھی ہیں۔" مسعود نے تپ کر کہا۔

"میں کیا کروں مچھو؟ یہاں تو کوئی دوا بھی نہیں۔"

"بس دعا کرو مجھے نیند آ جائے۔"

جانے لبنیٰ کو کیا ہوا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور مسعود کی ٹانگیں دبانے لگی۔ "کیا کرتی ہو؟" مسعود نے احتجاج کیا۔

"تمہاری ٹانگیں دکھ رہی ہیں نا۔"

"میرا تو پورا جسم دکھ رہا ہے۔"

"تو پورا جسم دبا دوں گی۔"

یہ آن ہونی تھی۔ مسعود حیرت سے سوچتا رہا کہ یہ لبنیٰ کو کیا ہو گیا ہے۔ بہرحال دکھتے ہوئے جسم پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ بہت اچھا اور سکون بخش لگ رہا تھا۔ لبنیٰ کے بارے میں نرمی سے سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

لبنیٰ دیر تک اسے دباتی رہی۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ سو گیا ہے۔ اسے اس وقت مسعود پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ دن بھر کیسی مشقت کی تھی اس نے۔ کیا حشر ہو گیا تھا بے چارے کا۔ پھر اس کی سوچ کی رو اپنی طرف مڑ گئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ وہ پہلی بار اس کی اس طرح خدمت کر رہی تھی۔ اس وقت اس کی کیفیت عجیب تھی۔ مسعود کے بارے میں اس نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ کیا یہ محبت ہے؟ اس کے ذہن میں اس معصوم سے سوال نے سر اٹھایا لیکن اس کا جواب وہ یقین سے نہیں دے سکتی تھی۔

"مچھو.......... ایک بات سنو۔" اس نے پکارا۔

جواب نہیں ملا تو اس نے جھک کر دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے بڑی نرمی سے اس کی پیشانی پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھوں کی پشت کو بوسہ دیا۔ ہتھیلی کو چھونے کی تو اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ مسعود سے محبت کرتی ہے۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ تو یہ ہوتی ہے محبت؟ پریشانی میں کسی کے لئے پریشان ہونا...... اذیتیں بانٹنا...... کسی کے دکھ پر رونا...... قربت میں خواہ کچھ ہو' دوری میں اس کی کمی محسوس کرنا اور وہ محبت سے بے خبر رہی۔ صرف اس لئے کہ کبھی پریشانی اور اذیت کا سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔

اپنی وہ کیفیت اسے خود بھی نارمل نہیں لگی۔ وہ اس ڈاکوؤں والی ابتلا پر خوش تھی...... خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ اس کی وجہ سے تو محبت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ دیر تک...... بہت دیر تک وہ سو نہیں سکی۔ وہ مسعود کے چہرے کو دیکھتی رہی...... اور دیکھتے دیکھتے نہ جانے کب سوگئی۔

☆------☆------☆

پہلو میں ٹھوکا لگنے کی وجہ سے مسعود کی آنکھ کھلی۔ جسم میں درد کی لہری دوڑ گئی تھی۔ "اٹھو...... کب تک پڑے سوتے رہو گے۔ ایک تو تم شہری لوگوں میں یہ سب سے بڑی برائی ہے۔ صبح سویرے نہیں اٹھو گے تو دن خراب ہی گزرے گا۔"

مسعود کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "کیا بات ہے بھائی؟"

"یہ تمہارے باپ کا محل نہیں ہے۔ اٹھو...... کام کرو۔ کیا مفت کی روٹیاں توڑتے رہو گے۔ اپنی بیوی کو بھی اٹھادو۔"

لیکن لبنیٰ خود ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ "مجھے کیا کرنا ہے؟" مسعود نے جیلے سے پوچھا۔

"بیلچہ اٹھاؤ اور برف صاف کرو۔ رات بھر برف پڑی ہے۔"

یہ سنتے ہی مسعود کے ہوش اڑ گئے۔ "ہاتھوں کا کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ چھالے پڑے ہوئے ہیں میرے ہاتھوں میں۔"

جیلا بڑی بے رحمی سے ہنسا۔ "آج چھالے پھوٹ جائیں گے اور تکلیف بڑھ جائے

گی۔ مگر کل سے ہاتھ پکے ہونے لگیں گے...... مردوں والے سخت ہاتھ۔ پھر تمہیں کام کرنے میں مزہ بھی آنے لگے گا۔"

مسعود میں ہمت تو نہیں تھی لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے لبنیٰ اٹھی اور اس کے اور جیلے کے درمیان آگئی۔ "تمہیں ہاتھوں کے چھالے بھی نہیں متاثر کرتے۔ میرے شوہر اب کام نہیں کریں گے۔"

"تو پھر تم سنبھالو بیلچہ۔" جیلے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کروں گی یہ کام۔"

"اور تمہارا مرد تماشا دیکھے گا۔" جیلے نے حقارت سے کہا۔

اس پر مسعود کو طرارہ آگیا۔ اس نے لبنیٰ کو سختی سے ایک طرف ہٹایا "لبنیٰ...... تمہیں میرے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

غار کے دہانے سے آگے چٹانی چھجے کے نیچے برف کی دیوار سی بن گئی تھی۔ مسعود کو وہ کام بہت آسان لگا لیکن ایک منٹ بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ اس کا اب تک کا سب سے سخت کام ہے۔ چھالے تو پہلے ہی پھوٹ گئے تھے۔ وہ تو سردی بھی اس وقت نعمت بن گئی تھی جس کی وجہ سے ہاتھ سن ہوگئے تھے اور تکلیف کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لبنیٰ نے ناشتا تیار کرلیا تھا۔ پہلے ڈاکوؤں نے ناشتا کیا۔ پھر ان دونوں کی باری آئی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ انہیں بھوک لگی تھی۔ دونوں نے بڑی رغبت سے ناشتا کیا اور وہ ناشتا انہیں اچھا بھی لگا۔

ناشتے کے دوران مسعود کو احساس ہوا کہ سردار اسے گھور رہا ہے لیکن اس نے سردار کی طرف نہیں دیکھا۔ ناشتے کے بعد سردار نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ "او بابو' اب زبردستی کی مہمانی ختم کرو اور واپس جاؤ۔ تم یہاں پڑے رہو گے تو ہمیں رقم کیسے ملے گی۔"

"رقم تو تمہیں کسی بھی طرح نہیں ملے گی۔" مسعود نے کہا۔ "تم نے غلط لوگوں کو پکڑلیا ہے۔ ہم لوگوں نے تو دس لاکھ خواب میں بھی نہیں دیکھے۔"

"تمہارے سامنے تین ہی راستے ہیں۔" سردار نے کہا۔ "ایک یہ کہ جاکر دس لاکھ

کا بندوبست کرو۔ ہمیں لا کر دو اور اپنی بیوی کو لے جاؤ۔"

"میں دس لاکھ تو نہیں لاسکتا۔ پولیس ضرور لاسکتا ہوں۔"

"لے آنا۔" سردار نے بے پروائی سے کہا۔ "تمہارے جاتے ہی ہم ٹھکانا بدل لیں گے۔"

"میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر جاؤں گا ہی نہیں۔" مسعود نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اسے طلاق دے دو اور اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

"کس خوشی میں؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ دس لاکھ نہیں ملے تو میں مجبوراً اسے قبول کرلوں گا۔" سردار نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور میں ڈاکو سہی، خلافِ شرع کام کبھی نہیں کروں گا۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"طلاق کے بغیر میں تمہاری بیوی سے شادی کیسے کرسکتا ہوں۔" سردار نے معصومیت سے کہا۔

"مگر میں تو طلاق نہیں دوں گا۔"

"کیوں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کو ایک دوسرے سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔" مسعود نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو پھر تیسری صورت میرے اختیار میں ہے۔" سردار کا لہجہ اور سرد ہوگیا۔ "میں تمہیں قتل کردوں گا۔"

"کسی کو قتل کرنا تمہارے خیال میں خلافِ شرع نہیں ہے؟"

"مجبوری ہے۔" سردار نے کندھے جھٹک دیئے۔ "تم طلاق نہیں دو گے تو میں صرف بیوگی کی صورت میں اس سے شادی کرسکتا ہوں۔" سردار نے لبنیٰ کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری مرضی۔" مسعود نے بھی کندھے جھٹک دیئے۔ عجیب بات تھی۔ وہ اس صورتِ حال سے خوف زدہ تھا۔ بہت زیادہ خوف زدہ لیکن خوف شاید اتنا بڑھ گیا تھا کہ

اسے انجام کی پرواہ نہیں رہی تھی۔

لبنیٰ بھی سہمی ہوئی تھی لیکن سردار کے تیور دیکھ کر وہ لپک کر درمیان میں آگئی۔

"تمہیں مجھ کو طلاق دینا ہوگی۔" اس نے سخت لہجے میں مسعود سے کہا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں سردار سے شادی کروں گی۔"

"میں تمہیں صرف تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔" سردار نے کہا۔ "دس لاکھ روپے کا بندوبست کرو یا بیوی کو طلاق دے دو۔" سردار نے کہا پھر وہ غار کے ایک کونے میں رکھے ٹرنک کی طرف گیا اور اس میں سے کچھ نکال کر لایا۔ وہ مقامی نسوانی لباس تھا۔ اس میں رنگین چٹلے بھی تھے۔ اس نے وہ لباس لبنیٰ کے سامنے ڈال دیا۔ "اپنے مرد کو سمجھا۔ تین دن بعد میں کچھ نہیں سنوں گا اور ہاں، یہ لباس تیرے لئے ہے بی بی!" یہ کہہ کر وہ غار سے چلا گیا۔

☆------☆------☆

اس رات مسعود بہت خفا تھا۔ لبنیٰ نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"بہت خفا ہو مجو؟"

"نہیں تو۔ بہت خوش ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"خوشی کی تو بات ہے۔ تم مجھ سے طلاق لے رہی ہو۔ سردار سے شادی کر رہی ہو۔"

"ہش............ فضول باتیں مت کرو۔" لبنیٰ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "جلنے کڑھنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نکالو۔"

"کیا مطلب؟"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لبنیٰ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا چل گیا ہے مجو۔ میں تم سے............ محبت کرتی ہوں............ اور بہت کرتی ہوں۔"

مسعود ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے لبنیٰ کو بہت غور سے دیکھا۔ "کسی بڑے مذاق کے چکر میں ہو؟"

"نہیں مچھو' سچ مچ اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی.........."

"میں تو کل سے یہی سوچ رہا ہوں مگر آج تم نے میرا دل برا کر دیا۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔"

"اب تم فکر نہ کرو۔" مسعود کے لہجے میں خوشی تھی۔ "اب تو میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔"

لیلیٰ اٹھ بیٹھی۔ "تم لیٹ جاؤ۔ تھک گئے ہو گے۔" مسعود لیٹا تو وہ اس کا جسم دبانے لگی۔

"رہنے دو۔ تم خود بھی تو تھک گئی ہو گی۔" مسعود نے کہا۔

"سچ پوچھو تو آج تھکن نہیں ہوئی بلکہ لطف آیا۔ میری تو سمجھ میں اپنی شرارتوں کی وجہ بھی آ گئی۔ وہاں گھر پر کوئی مصروفیت ہی نہیں تھی.......... کوئی کام ہی نہیں تھا۔ تو مجبوراً شرارتیں ہی سوجھتی تھیں۔ اب سوچتی ہوں' گھر کے کام کرنا تو بہت اچھا لگتا ہو گا۔"

مسعود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سو چکا تھا۔ تھک کر چُور ہو جانے کے بعد تو ایسی ہی نیند آتی ہے۔

اگلا دن بے حد مختلف تھا۔ مسعود کو پھر لکڑیاں کاٹ کر لانے پر مامور کیا گیا۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ کلہاڑی لے کر ہنسی خوشی چلا گیا۔ لیلیٰ بھی معمول کے مطابق کاموں میں لگ گئی۔ ناشتے کے بعد سردار نے شیدے اور جیلے کو کہیں بھیج دیا تھا۔ وہ چاروں الگ کھڑے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مسعود کو لیلیٰ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ "شیدا اور جیلا نظر نہیں آ رہے ہیں؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"انہیں سردار نے کہیں بھیج دیا ہے۔" لیلیٰ نے بتایا۔

"گڈ.......... آج ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔" مسعود نے کہا۔ "بلکہ انشاء اللہ نکل ہی جائیں گے۔ بس وہ دونوں آج نہ آئیں تو اچھا ہے۔"

"لیکن یہ لوگ اس راستے سے آشنا ہیں۔"

"میں متبادل راستہ دیکھ آیا ہوں۔" مسعود نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "بائیں جانب بھی

کھڈ تو ہیں لیکن درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان چھپی ہوئی ایک پگڈنڈی بھی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا کچھ ضرور ہو گا۔ ڈاکو ایک ہی راستے والی جگہ تو پسند نہیں کر سکتے۔ ہم بھی اسی راستے سے فرار ہوں گے۔"

"دن میں؟"

"پاگل ہوئی ہو۔ ہم صبح چار بجے نکلیں گے۔ امید تو یہی ہے کہ اس وقت ڈاکو گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ تم وہ سردار کے لائے ہوئے کپڑے پہن لینا.........."

"میں تو نہیں پہنوں گی وہ کپڑے۔"

"میری بات غور سے سنو اور بحث مت کرو۔" مسعود نے سخت لہجے میں کہا "جانے کیسا راستہ ہو۔ تمہارا یہ لباس نہیں چلے گا۔ یہ نہ بھولو کہ تم اپنے قدموں پر چل کر یہاں نہیں آئی ہو۔ تمہیں اٹھا کر لایا گیا تھا۔"

لیلیٰ نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ مسعود کا یہ اعتماد اور یہ تبدیلی اسے اچھی لگی تھی۔

"میں بھی ان میں سے کسی کے کپڑے پہن لوں گا۔" مسعود نے مزید کہا۔ "تم احتیاطاً کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھ لینا۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"لیکن اندھیرا ہو گا اور انجانا پہاڑی راستہ.........."

"میں نے کہا نا کہ باقی میں دیکھ لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" مسعود نے چڑ کر کہا۔

اسی وقت سردار ان کی طرف چلا آیا۔ "ہاں بی بی' کچھ سمجھایا اپنے مرد کو!" اس نے لیلیٰ سے پوچھا۔

"سمجھا رہی ہوں۔"

سردار مسعود کی طرف مڑا۔ "تیرا کیا خیال ہے بابو؟"

"تم نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے۔ تین دن بعد بات کرنا۔" مسعود نے بے پروائی سے کہا۔ "ویسے یہ ضرور ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"عقل مند آدمی ہو۔" سردار مسکرایا۔ "امید ہے کہ بے وقوفی نہیں کرو گے۔"

☆------☆------☆

ٹھیک اسی وقت مقصود الزماں اور شاکر راولپنڈی جانے والی فلائٹ پر سوار ہو رہے تھے۔ پچھلا دن تو ضائع ہو گیا تھا۔ مقصود صاحب کبھی مری کا نمبر ملاتے اور کبھی شاکر کا۔

ایک طرف سے انگیج ٹون سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف سے ہر بار یہ پتا چلا کہ شاکر ابھی آیا نہیں ہے۔ اس دوران مقصود صاحب نے ایک اہم کام............ بہرحال کرلیا۔ بینک سے رابطہ کرکے انہوں نے ایسا بندوبست کرلیا کہ مری میں انہیں طلب کرتے ہی دس لاکھ روپے مل سکتے تھے۔

شام کے وقت شاکر سے رابطہ ہو ہی گیا۔ "سوری انکل' مجھے اپنا کام نمٹانے میں دیر ہوگئی۔ میں کل مری جا رہا ہوں۔"

"کل کیوں؟ آج نہیں۔"

"آج جانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ رات میں مری کا سفر اس موسم میں ممکن نہیں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔"

شاکر سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے انکل۔"

"میں سیٹ ریزرو کرالوں پھر تمہیں مطلع کردوں گا۔"

رابطہ منقطع ہوتے ہی شاکر نے ایک نمبر ملایا۔ رابطہ ملنے پر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شاہد' الرٹ ہوجاؤ۔ پروگرام خطرناک حدود میں داخل ہوگیا ہے۔"

"کیوں صاحب؟ آپ کو تو آنا ہی تھا۔" دوسری طرف سے شاہد نے کہا۔

"میرے ساتھ میرے دوست کے والد بھی آرہے ہیں۔"

"اوہ............ تو پھر؟"

"سب کچھ ہٹالو............ بہت تیزی سے۔ ہم کل شام تک پہنچیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔ آپ فکر نہ کریں۔"

شاکر نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

وہ سہ پہر کے وقت راولپنڈی پہنچے اور بغیر رکے مری کے لئے روانہ ہوگئے۔ شام ہوتے ہوتے وہ مری پہنچ گئے۔ شاکر مقصود صاحب کو سیدھا فلک سیر لے گیا۔ وہاں بنگلے کا منتظم شاہد موجود تھا۔ شاکر نے اس سے مہمانوں کے متعلق پوچھا۔ "وہ تو صاحب میرا خیال ہے کہیں گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟" شاکر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جس روز آپ کا تار آیا تھا صاحب جی' اسی روز گھر میں طبیعت خراب ہوگئی تھی۔

میں نصیب خان کو سمجھا کر گھر چلا گیا تھا۔ جس دن میں گھر سے واپس آیا' وہ لوگ جاچکے تھے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ گھومنے پھرنے گئے ہیں؟"

"ان کا سوٹ کیس کمرے میں موجود ہے۔"

"تو وہ خالی ہاتھ گھومنے پھرنے تو نہیں جاسکتے۔" شاکر نے اعتراض کیا۔

شاکر نے مقصود صاحب کی طرف دیکھا' جو پریشان نظر آرہے تھے۔ "یہ مسعود صاحب کے ابو ہیں شاہد!" اس نے شاہد کو بتایا۔ "جس صبح وہ یہاں سے گئے ہیں' مسعود نے انہیں فون کرکے بتایا تھا کہ اس کی بیوی کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں اور اسے چھوڑنے کے بدلے دس لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔"

شاہد ہنسنے لگا۔ "آپ جانتے ہو صاحب جی کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔ مسعود صاحب نے مذاق کیا ہوگا۔"

"اچھا تم جاؤ اور اچھی سی کافی بنا کر لاؤ۔" شاکر نے کہا اور اس کے جاتے ہی مقصود صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "میں بھی آپ سے یہی کہہ رہا تھا کہ یہاں ڈاکو نہیں ہوتے۔"

"مگر میاں' مجھے اطمینان نہیں ہوا۔" مقصود صاحب بولے۔ "نہ جانے کیوں' مجھے معاملے میں گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"تو پھر؟"

"بس' پولیس اسٹیشن چلیں گے۔"

کافی پیتے ہی وہ دونوں پولیس اسٹیشن چلے گئے۔ ایس ایچ او بے حد خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے بڑی توجہ سے مقصود صاحب کی بات سنی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس علاقے میں ڈاکو ہوتے تو لوگ تفریح کے لئے یہاں کا رخ کرنا چھوڑ دیتے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ لوگ ایک بیگ لے کر گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں اور انہوں نے آپ سے شرارت کی ہوگی۔"

"گھومنے پھرنے وہ کہاں جاسکتے ہیں۔ مری اتنا سا تو ہے۔"

"ہوسکتا ہے' وہ نتھیا گلی چلے گئے ہوں۔ دیکھئے' میں ابھی پرچہ نہیں کاٹوں گا۔ پہلے

کل انہیں اِدھر اُدھر تلاش کرلیں۔ میرے خیال میں یہ سنگین معاملہ نہیں۔"

مقصود صاحب نے اصرار نہیں کیا لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔ شاکر نے انہیں تسلی دی کہ اگلے روز وہ نتھیا گلی چلے چلیں گے۔ زیادہ فکر کی ضرورت نہیں۔

☆------☆------☆

مسعود اور لبنٰی نے سوچا تھا کہ وہ اس رات سوئیں گے ہی نہیں لیکن ثابت ہوا کہ دن بھر کی مشقت اور تھکن کے بعد نیند کانٹوں پر بھی آجاتی ہے۔ پھر بھی ان کی آنکھ وقت پر کھل گئی۔ مسعود نے لبنٰی کو جگادیا۔ غار میں اس وقت سردار اور اس کے دو ساتھی موجود تھے۔ جیلا شام کو واپس آیا تھا اور سرگوشیوں میں سردار سے باتیں کرتا رہا تھا۔ شیدا البتہ واپس ہی نہیں آیا تھا۔

اس وقت غار میں ان تینوں کے خراٹے گونج رہے تھے مشعل کی روشنی میں مسعود نے ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ بظاہر وہ بے خبر سو رہے تھے۔ مسعود اٹھا اور دبے قدموں دیوار پر لگی اس مشعل کی طرف بڑھا' جسے ڈاکوؤں نے سونے سے پہلے بجھا دیا تھا۔ اسی وقت اس کی نظر ایک کونے میں رکھے اپنے بیگ پر پڑی۔ وہ حیران رہ گیا مگر پھر اس نے بڑھ کر وہ بیگ اٹھا لیا۔ پھر اس نے دیوار سے مشعل اتاری اور دبے قدموں غار کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے لبنٰی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لبنٰی ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی لئے اس کے پیچھے چل دی۔

غار کے دہانے پر پہنچ کر مسعود رکا اور اس نے پلٹ کر ڈاکوؤں کی طرف دیکھا۔ ان کے خراٹوں میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور وہ بدستور اسی پوزیشن میں لیٹے تھے۔ مسعود نے ایک قدم باہر نکالا اور باہر کا جائزہ لیا لیکن باہر گہرا اندھیرا تھا۔ کچھ دیکھنا ناممکن ہی تھا۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ باہر جسم کاٹ دینے والی سرد ہوا چل رہی تھی۔ وہ دونوں رات ہی لباس تبدیل کرچکے تھے۔ مقامی لباس ان کے لباس کے مقابلے میں یقیناً بہت گرم تھا۔ اس کے باوجود سردی ان کا نام پوچھ رہی تھی۔ چھجے کی اوٹ سے نکل کر بائیں جانب مڑتے ہی سرد ہوا براہِ راست ان کے جسموں سے ٹکرانے لگی۔

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اندھیرے میں ہر قدم پر کسی کھائی میں لڑھکنے کا ڈر تھا۔ مسعود ابھی احتیاطاً مشعل نہیں جلانا چاہتا تھا لیکن پہلے تو سردی نے ان

کے اوسان خطا کردیئے پھر مسعود کو یہ شبہ ہونے لگا کہ وہ درست راستے پر نہیں جارہے ہیں۔

وہ رکا۔ لبنٰی بھی رک گئی۔ اس کے دانت بج رہے تھے۔ مسعود نے جیب سے ماچس نکالی اور مشعل جلالی۔ مشعل روشن ہوئی تو پہلے تو وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہے پھر مسعود نے سکون کی سانس لی۔ اس نے بروقت مشعل روشن کی تھی۔ اندھیرے میں سمتوں کا احساس نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں بائیں جانب چلے تھے لیکن درحقیقت وہ سامنے......... پگڈنڈی کی طرف چلے تھے اور اگر چند قدم آگے بڑھ گئے ہوتے تو ان کے قدموں کے نیچے پگڈنڈی نہیں' اندھا خلا ہوتا۔

وہ لبنٰی کو لے کر بائیں جانب چلا۔ اسے درختوں کا جھنڈ تلاش کرنے میں کچھ دیر لگی' جس کے درمیان وہ دوسری پگڈنڈی تھی۔

لیکن مشعل پاس ہونے کے باوجود وہ وقت اس پگڈنڈی پر سفر کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ پگڈنڈی پُر پیچ تھی اور کہیں کہیں جھاڑیوں کے درمیان اتنی تنگ تھی کہ ایک آدمی کا گزرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کانٹوں سے ان کے کپڑوں پر بھی خراشیں پڑتی ہیں۔ خوف الگ تھا کیونکہ جھاڑیوں کے اس طرف کھائی کا ڈر بھی تھا۔ دوسری تشویش کی بات یہ تھی کہ وہ نیچے نہیں' مسلسل اوپر جارہے تھے۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ کسی جنگلی جانور سے واسطہ نہ پڑجائے۔ کئی بار ان کے جی میں آئی کہ واپس چلے جائیں لیکن اس صورت میں اتنا سفر' اتنی تکلیف رائیگاں جاتی۔

دو بار انہیں سانس درست کرنے کے لئے رک کر آرام کرنا پڑا۔ سوا دو گھنٹے چلنے کے بعد اونچے اونچے راستے سے ان کا پیچھا چھوٹا۔ وہ شاید پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے تھے۔ یہاں ہموار زمین تھی۔ پگڈنڈی وہاں بھی بالکل واضح تھی اس لئے انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن اس پگڈنڈی نے بالآخر انہیں ایک گھنے جنگل میں پہنچادیا۔

درختوں پر سے آنے والی خیاؤں خیاؤں کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ڈرے مگر انہیں پتا چلا کہ جنگل بندروں سے بھرا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار بندر درختوں سے اتر آئے اور اچھلتے کودتے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو لبنٰی ان سے محظوظ ہوتی لیکن اس وقت تو جان کے لالے پڑے تھے۔

درحقیقت وہ دونوں ہی خوف زدہ تھے۔ انہیں غار سے نکلے ہوئے چار گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی تک وہ بھٹک ہی رہے تھے۔ سیدھے راستے سے نکلے ہوتے تو اب سے خاصا پہلے وہ بنگلے پر پہنچ گئے ہوتے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اب وہ نکلیں گے کہاں۔ اب ڈھلوانی سفر شروع ہو چکا تھا۔ جنگل کے چوڑے راستے کی جگہ پتلی پہاڑی پگڈنڈی نے لے لی تھی۔ اترنا زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ لبنیٰ کئی بار لڑکھڑائی۔ مسعو نے اسے سہارا دیا۔

نیچے سڑک نظر آئی تو پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا پھر ان کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ ان کے قدم تیز ہو گئے۔ اب انہیں اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کہاں نکلیں گے۔ اتنا کافی تھا کہ وہ عام انسانوں کے درمیان پہنچ رہے تھے۔

☆------☆------☆

کانسٹیبل اللہ داد چھڑی سڑک پر بجاتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ اس وقت بڑی موج میں تھا۔ وہ ملوکا گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔ وہاں اسے تفتیش کے سلسلے میں بھیجا گیا تھا۔ ما فاتاں نے پرچہ کٹایا تھا کہ نذیرے کا بیٹا بشیرا اس کی بیٹی جیناں کو بھگا کر لے گیا ہے۔ اللہ داد کو دونوں کی طرف سے تگڑے ناشتے ملے تھے۔ اس کے علاوہ فریقین نے ایک دوسرے پر بھرپور الزام لگائے تھے اور بے شمار راز اگلے تھے جس سے اللہ داد کی علاقا معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ داد مگن تھا۔ دن کا آغاز بہت اچھا تھا۔

اللہ داد چلتے چلتے چونکا۔ اس کے سامنے پہاڑی پگڈنڈی سے ایک مرد اور عورت کر سڑک پر آئے۔ عورت بھڑکیلے دلہنوں جیسے لباس میں تھی۔ دونوں مقامی ہی تھے تباہ حالی ان کے چہروں اور لباس پر صاف لکھی تھی۔ دونوں کے لباس کئی جگہ سے ہوئے تھے۔ اللہ داد سمجھ سکتا تھا کہ یہ کانٹوں کی وجہ سے ہے۔ دونوں لڑکھڑا کر چل تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

اللہ داد کی دھڑکن اور قدم بیک وقت تیز ہوئے۔ وہ اسے بہت مہربان دن ایک کیس خود ہی حل ہونے کے لئے آ گیا تھا اور مفرورین کو پکڑنے کا سہرا اس کے بندھنے والا تھا۔

اس کے قدموں کی چاپ سن کر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ مرد نے فوراً ہی پوچھا۔ "یہ کون سا علاقہ ہے سنتری جی؟"

"یہ کاغان کا علاقہ ہے جاتک۔" اللہ داد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کاغان؟" مرد نے حیرت سے دہرایا۔ "لیکن ہم تو مری میں تھے۔"

اتنی دیر میں اللہ داد ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ "مجھے بے وقوف بناتا ہے.........." اللہ داد نے سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "تجھے نہیں معلوم کہ یہ نتھیا گلی کا علاقہ ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ شہر سے آیا ہے جب کہ میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیسے؟" مرد نے حیرت سے کہا۔ "تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں اس علاقے میں کس کو نہیں جانتا۔" اللہ داد نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "تو ملوکا گاؤں کا بشیرا ہے اور یہ ہے جیناں۔" اللہ داد نے عورت کی طرف اشارہ کیا۔ "اور تو اسے بھگا کر لایا ہے۔" اللہ داد نے دھماکا کیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے سنتری صاحب۔"

"اوئے تُو آپ جناب کر کے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں جناب!" مرد نے عاجزی سے کہا۔ "ہم نے ملوکا گاؤں کا نام بھی نہیں سنا اور نہ میرا نام بشیرا ہے نہ اس کا جیناں' اور یقین کریں' بھگانا تو بہت دور کی بات ہے۔ میں تو اسے چلا کر بھی نہیں لا سکتا۔ یہ خود ہی چل کر آئی ہے۔"

"بات ایک ہی ہے۔ بھگانے کا مطلب سچ مچ دوڑانا تو نہیں ہوتا۔" اللہ داد نے عالمانہ انداز میں کہا۔ "اور تو شہر والوں کی طرح بول کر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو شہر میں رہ کر آیا ہے۔"

"میں تو پیدا ہی شہر میں ہوا ہوں۔" مرد نے کہا۔ "آپ سنتری صاحب' مہربانی کر کے ہمیں تھانے کا راستہ بتا دیں۔"

اللہ داد کے دانت نکل پڑے۔ "اس کی فکر نہ کرو۔ میں خود تمہیں تھانے لے کر چلوں گا۔ میں نکلا ہی تمہارے لئے ہوں اتنا سویرے۔" پھر اس نے بیگ کو دیکھا۔ "اس میں زیور ہے نا؟"

"نہیں۔ اس میں ہمارے کپڑے ہیں اور آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں مسعود

دں اور یہ میری بیوی لبنیٰ ہے۔"

اللہ داد ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ "نام بھی بدل لئے۔" بالآخر اس نے کہا۔

"میں آپ کو نکاح نامہ دکھا سکتا ہوں۔"

"غلط ناموں سے نکاح نہیں ہوتا۔" اللہ داد نے فتویٰ لگایا۔

"یہ میرے شوہر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" لبنیٰ نے پہلی بار زبان کھولی۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اچھا...... شہر میں ایسے کپڑے پہنتے ہیں؟" اللہ داد نے گرفت کی۔

"یہ...... یہ تو ڈاکوؤں کے کپڑے ہیں۔" مسعود نے وضاحت کی۔ "ہمارے کپڑے تو بیگ میں ہیں۔"

"ڈاکو یہاں کہاں؟" اللہ داد پھر ہنسنے لگا۔ اس نے بیگ کھول کر دیکھا تو اس کے تیور بدل گئے۔ "تم پر تو ایک کیس اور لگ گیا۔ یہ بیگ بھی چوری کا ہے۔"

"اب آپ کہیں گے کہ ہم بھی چوری کے ہیں۔" مسعود کی برداشت جواب دینے لگی۔

"اوئے زبان لڑاتے ہو۔"

"بس بہت ہوگئی۔" لبنیٰ نے غصے سے کہا۔ "تم بس ہمیں پولیس اسٹیشن لے چلو۔"

"ضرور لے چلوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

☆------☆------☆

تھانے پہنچتے ہی اللہ داد کا دن خراب ہوگیا۔ انچارج نے دونوں کو دیکھتے ہی اسے خوب پھٹکارا۔ "اوئے عقل کے دشمن' یہ تجھے جیناں اور بشیر لگتے ہیں۔"

اللہ داد کھسیا کر وہاں سے ہٹ آیا۔

انچارج نے بڑے تحمل سے مسعود کی گفتگو سنی پھر بولا۔ "ڈاکو تو یہاں کہانیوں میں بھی نہیں ہوتے۔ تم سچ مچ کے ڈاکوؤں کی کہانی سنا رہے ہو۔"

"لیکن ان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ درست ہے۔" لبنیٰ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہ کیس ہمارے ہاں کا نہیں۔ مری تھانے کا ہے۔" انچارج نے کہا۔ "لیکن آپ لوگوں کو مشکوک حالت میں پکڑا گیا ہے اور آپ کے پاس شناختی کاغذ

بھی نہیں۔ ہمیں آپ کی شناخت اور بیان کی تصدیق کے لئے مری جانا ہوگا۔ فلک سیر سے چیک کرنا ہوگا......"

لیکن یہ بات وہیں رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے انچارج کے کمرے میں دو افراد داخل ہوئے' انہیں دیکھتے ہی لبنیٰ اور مسعود اچھل کر کھڑے ہوگئے...... وہ شاکر اور مقصود الزماں تھے۔

"پاپا...... آپ؟" مسعود نے کہا۔

انچارج حیرت سے کبھی مسعود کو اور کبھی مقصود صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

مقصود صاحب نے انچارج کو بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اور بہو کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے آئے تھے۔ تمام لوگوں کے درمیان معلومات کا تبادلہ ہوا پھر انچارج نے کہا۔

"یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس علاقے میں کبھی ڈاکوؤں کا وجود نہیں رہا۔"

"لیکن ہم درحقیقت ڈاکوؤں کی قید میں تھے۔ وہ چار تھے۔ سردار کا نام مجھے معلوم نہیں لیکن دوسرے تین شیرا' شیدا اور جیلا تھا۔"

"حیرت ہے۔ آپ مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہیں؟"

"یہاں سے تو ممکن نہیں البتہ فلک سیر سے دکھا سکتا ہوں۔" مسعود نے کہا۔ "اور یہ میں ایک ڈاکو کا لباس پہنے ہوئے ہوں۔"

"اور مجھے یہ کپڑے ڈاکوؤں نے لا کر دیئے تھے۔" لبنیٰ بولی۔

انچارج الجھا ہوا نظر آنے لگا۔ "اور یہ میرے ہاتھوں کے چھالے دیکھئے۔ انہوں نے مجھ سے مشقت کرائی تھی۔" مسعود نے دونوں ہاتھ پھیلائے لیکن خود ہی حیران رہ گیا۔ چھالوں کا تو نشان بھی نہیں تھا۔ البتہ گٹے پڑے ہوئے تھے۔ اپنے مزدوروں جیسے سخت ہاتھ خود اس سے بھی نہیں پہچانے گئے۔

انچارج اٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے۔ میں خود چل کر دیکھتا ہوں۔ یہ معاملہ تو خاصا سنگین معلوم ہو رہا ہے۔"

مسعود انہیں درست طور پر اس غار میں لے گیا مگر وہاں کوئی ایسی نشانی تک نہیں تھی' جس سے پتا چلتا کہ وہاں کبھی کوئی رہا ہے۔ اس جگہ کو دیکھ کر لگتا تھا کہ برسوں سے وہاں سے کوئی گزرا بھی نہیں ہے۔ مسعود کو ایسا لگا کہ اس کی یادداشت چلی گئی ہے۔

☆------☆------☆

اس کے اگلے روز شام کے وقت لبنیٰ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ مقصود صاحب اپنے کمرے میں آرام کررہے تھے۔ مسعود نے شاکر سے کہا۔ "آؤ باہر چلتے ہیں۔ کسی ہوٹل میں کافی بھی پئیں گے۔"

وہ باہر آگئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ مسعود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "تم بہت بدل گئے ہو۔" شاکر نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بتاؤ کہ یہ تبدیلی مثبت ہے یا منفی ہے؟"

"سو فیصد مثبت ہے۔"

"ہونی بھی چاہئے۔ میں نے زندگی گزارنی شروع کردی ہے۔"

وہ ایک ہوٹل میں جابیٹھے اور کافی کا آرڈر دیا۔ اچانک مسعود نے شاکر سے پوچھا۔

"ڈاکوؤں کو ان کی خدمات کے عوض کیا دیا ہے تم نے؟"

شاکر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"بیگ غار میں نظر نہ آتا تو شاید میں سمجھ نہ پاتا۔" مسعود نے وضاحت کی۔ "لیکن میں نے پہلے ہی دن غار کا تفصیلی جائزہ لیا تھا اور بیگ موجود نہیں تھا۔ وہ بیگ اسی دن لایا گیا تھا۔ ڈاکوؤں کا شاہد سے رابطہ تھا اور شاہد کو تم نے خبردار کردیا تھا۔"

"ٹھیک سمجھے ہو تم۔" شاکر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن پیسوں کا لین دین نہیں ہوا۔ یاری دوستی کا معاملہ تھا۔ وہ چاروں شاہد کے دوست ہیں۔"

"یار......... میرا شکریہ ادا کردینا۔"

شاکر نے بہت غور سے مسعود کو دیکھا۔ "تم ناراض تو نہیں ہو؟"

مسعود کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "پہلی بار ہمارے ساتھ کسی نے پریکٹیکل جوک کیا ہے اور اس میں زندگی سنور گئی ہماری۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو بہت سارے فائدے ہوئے ہیں۔ لبنیٰ کو اور مجھے پتا چل گیا ہے کہ ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زندگی کی خوب صورتی اس کی مصروفیات میں ہے۔ اب دیکھ لو، لبنیٰ کیسے گھر چلاتی ہے اور میں ہر طرح کی محنت کرسکتا ہوں۔ اب کراچی جاکر میں صحیح معنوں میں زندگی کا آغاز کروں گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ پاپا کتنے

خوش ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" شاکر نے بے حد خلوص سے کہا۔

اسی وقت بیرا کافی لے آیا۔

☆======☆======☆

مقصود صاحب نے چائے کی پیالی خالی کرکے رکھی اور کرسی میں نیم دراز ہوگئے۔

"دفتر میں جائیں گے؟" بیگم نے ان سے پوچھا۔

"چلے جائیں گے۔ ایسی کوئی جلدی بھی نہیں۔"

"مسعود دفتر میں کیسا کام کررہا ہے؟"

"اس نے سب کچھ سنبھال لیا ہے اسی لئے تو بے فکری ہوگئی ہے۔" مقصود صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"کیا بات ہے۔ آپ خوش نہیں ہیں۔"

"خوش تو ہوں کہ بچے ذمے دار ہوگئے ہیں لیکن کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ شرارتیں ختم ہوگئیں ان لوگوں کی۔ ایک مہینہ ہوگیا انہیں واپس آئے۔ کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

بیگم مسکرائیں۔ "فکر نہ کریں۔ کچھ دن صبر کرلیں پھر بچوں کی شرارتوں سے گھر بھرنا شروع ہوجائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"خیر سے لبنیٰ ماں بننے والی ہے۔"

مقصود صاحب خوش ہوگئے۔ "واقعی!" مگر پھر وہ بجھ گئے۔ "یہ تو بہت لمبا انتظار ہے۔"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ پہلے وہ شرارتیں کرتے تھے تو جھنجلاتے تھے۔" بیگم نے کہا۔ "اب نہیں کرتے تو پریشان ہیں۔ کسی حال میں بھی خوش نہیں ہیں آپ۔"

"مجھے ان کی شرارتیں تھوڑی ہی بری لگتی ہیں۔" مقصود صاحب بولے۔ "ان سے تو گھر میں زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے تو صرف غیر ذمے داری اور لاابالی پن کی شکایت تھی ان سے۔ وہ دور ہوگئی مگر مجھے شرارتوں کی تو کمی محسوس ہوتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ سات آٹھ ماہ کی تو بات ہے۔ یونہی پلک جھپکتے گزر جائیں گے۔" بیگم نے انہیں تسلی دی۔

بیگم صاحبہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف چلی گئیں۔ وہاں سے انہوں نے لان کو دیکھا۔ وہ پلٹیں تو مسکرا رہی تھیں۔ "ذرا یہاں تو آیئے۔"

"کیا ہے؟"

"آیئے تو سہی۔"

مقصود صاحب بادلِ ناخواستہ اٹھے اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانکا۔ اگلے ہی لمحے وہ اور بیگم قہقہے لگا رہے تھے۔

لان پاگل ہوگیا تھا لیکن لان سے زیادہ برا حال مالی کا تھا۔ وہ وحشت زدہ کبھی ایک پودے کے پاس جاتا اور کبھی دوسرے کے پاس۔ گلاب کے پودے میں سورج مکھی کے پھول تھے۔ چنبیلی پر چمپا تھا۔ سورج مکھی پر گیندا اور موتیے پر چنبیلی۔

مالی امرود کے درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا، جس پر کیلے جھول رہے تھے۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں آسمان کی طرف دیکھا۔

مقصود صاحب کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی ہنسے جا رہی تھیں۔ مقصود صاحب نے بڑی مشکل سے ہنسی پر قابو پایا۔ "ہاں......... یہ ہے زندگی......... زندگی زندہ دلی۔" انہوں نے بڑی طمانیت سے کہا۔ "اللہ......... تیرا شکر ہے۔"

☆======☆======☆

چور سپاہی

یہ کہانی ایک واردات کا احوال ہے مگر عام کہانیوں سے مختلف اور منفرد۔ اس کہانی کے کرداروں نے ایک سالم بینک چرانے کا منصوبہ بنایا اور پھر چرا بھی لیا۔ وہ بینک کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے رہے اور پولیس ان کا تعاقب کرتی رہی۔ یہ کہانی شروع سے آخر تک مسکراہٹوں سے بھرپور ہے بلکہ بعض مقامات پر آپ ایک قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

کافی کی ٹیبل پر خوبصورت بک لیٹ ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے اور خوبصورت خاتون خانہ انہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"جی ہاں خاتون۔ صرف دس ڈالر جمع کرا کے آپ خود کو ان تمام سہولتوں کا حق دار سمجھ سکتی ہیں۔" چارلس نے بہترین سیلز مین شپ کا مظاہرہ کیا۔ "آپ کو انسائیکلوپیڈیا اور بک کیس ہی نہیں ملے گا بلکہ آپ لوئیسانا اور مونٹانا میں ہمارے جدید سائنسی ریسرچ سینٹر کی خدمات سے پورے پانچ سال تک استفادہ حاصل کر سکیں............"

"اور ہمیں اس کے لئے مونٹانا اور لوئیسانا جانا بھی نہیں پڑے گا!" خاتون کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہرگز نہیں۔" چارلس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنی معصومیت سے مسکرانے کی اب اسے بہت زیادہ مشق ہو چکی تھی۔ "آپ کو صرف خط لکھنا ہو گا اور آپ کو تازہ ترین معلومات گھر بیٹھے حاصل ہو جائیں گی۔ سالانہ ضمیمے الگ۔"

"واہ............ کمال ہے............!"

"اور جناب' یہ سب کچھ............" اچانک چارلس کو احساس ہوا کہ وہ زورِ خطابت میں خاتون کو جناب کہہ بیٹھا ہے۔ اس نے فوراً ہی تصحیح کر ڈالی۔ "میرا مطلب ہے مس' یہ سب کچھ صرف دس ڈالر میں............"

"میں مس نہیں' مسز ہوں۔" خاتون نے کہا۔

"کمال ہے! آپ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔" چارلس نے دانت نکالے اور نگاہوں کے خوان پر ستائش سجائی۔ "حال ہی میں ہوئی ہو گی آپ کی شادی؟"

"حال ہی میں! ارے میرے چھ بچے ہیں۔"

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ یہ حسن' یہ............"

خاتون شرما کر بولیں۔ "آپ یہیں رکئے' میں پرس لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

چارلس بکھرے ہوئے بک لیٹ دیکھ کر زیرِ لب مسکراتا اور سوچتا رہا۔ انسان کو کوئی بڑا ہاتھ مارنے سے پہلے زندگی میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چوری کا موقع نہیں ملتا تو ہیرا پھیری کی جاتی ہے' اس کی سب سے بڑی مثال وہ خود تھا۔ انسائیکلوپیڈیا فروخت کرنے کا فراڈ اس کی مجبوری تھی۔ ٹھیک ٹھاک گزارا ہو رہا تھا۔ اس کام میں اچھے چہرے دیکھنے کا موقع بھی ملتا تھا' چلت پھرت کی صورت میں ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خاتون کافی بھی پلا دیتی تھی............ اور دس ڈالر الگ۔

اسے ہر گھر میں اوسطاً دس' پندرہ منٹ کا وقت دینا پڑتا تھا۔ اگر چار کوششوں میں سے ایک میں بھی کامیابی ہو جاتی تو اس کی آمدنی دس ڈالر فی گھنٹہ ہوتی۔ ہفتے کے پانچ دن چھ گھنٹے یومیہ کام کرنے کا معاوضہ تین سو ڈالر تھا' جو ظاہر ہے' کلرکی اور اس قسم کے کسی کام میں نہیں مل سکتا تھا۔ دس ڈالر اس نے بہت سوچ سمجھ کر مقرر کئے تھے۔ دس ڈالر کوئی بڑی رقم نہیں ہوتی۔ شکار بہ آسانی پھنس جاتے تھے اور اس کا بھلا بھی ہو جاتا تھا۔ دس ڈالر سے اوپر جانے کی صورت میں خواتین اپنے شوہروں سے مشورہ کرنا پسند کرتی ہیں............ اور شوہر عموماً خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی خاتون چیک بھی پکڑا دیتی' چارلس اس چیک کو انسائیکلوپیڈیا کمپنی کے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا تھا کیونکہ ایسی کسی کمپنی کا وجود ہی نہیں تھا۔ ایسے میں وہ چیک کو اپنی بدقسمتی تصور کر کے پھاڑنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا۔ دس ڈالر............ صرف دس ڈالر طلب کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی تھا۔

چارلس نے گھڑی دیکھی' چار بج چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ بک لیٹ اور بروشر سمیٹ لے............ لیکن پھر خود کو اس ارادے سے باز رکھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی رنگین کتابیں ہی تو مچھلیوں کے لئے چارے کا کام کرتی تھیں۔ جواب میں ان بے چاریوں کو کیا ملتا تھا۔ محض ایک بے کار رسید! وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

قریب ہی میز پر جدید طرز کا ایک فون رکھا تھا۔ چارلس نے اپنا اٹیچی کیس کھول کر

رسید بک نکالی۔ اسی وقت انسٹرومنٹ سے آواز ابھری......... ڈٹ ڈٹ ڈٹ ڈٹ ڈٹ......... چارلس نے انسٹرومنٹ کو دیکھا۔ وہ ساکت ہوگیا۔ اس مطلب تھا کہ مکان میں کوئی ایکسٹینشن ہے، جس پر اس وقت رِنگ کیا جارہا ہے۔ ڈٹ، انسٹرومنٹ سے پھر آواز آئی۔ گویا ڈائل کیا گیا نمبر ایک تھا پھر دوبارہ ایک ڈائل ہوا۔ چارلس چوکنا ہوگیا۔ صرف تین اعداد پر مشتمل نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔ یہ بھلا کیا نمبر ہوا......... پولیس اسٹیشن کا نمبر تو نہیں؟"

اس نے اٹیچی کیس بند کیا۔ بروشر سمیٹنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اپنا اٹیچی کیس لے کر چپکے سے کھسک لیا۔ گھر سے نکل کر وہ دائیں سمت مڑا اور چلتا رہا۔ اس وقت اسے کوئی ٹیکسی، کوئی سینما یا کوئی اسٹور مل جاتا تو بہتر تھا، لیکن دور دور تک اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی اور سڑک پر چلتے رہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہ آسانی دھرلیا جائے گا۔ اور کوئی چارہ نہیں تھا......... چنانچہ وہ چلتا رہا۔

اودے رنگ کی ایک کار اس کے قریب سے گزری لیکن اس نے دھیان نہ دیا۔ کار اس طرف جارہی تھی جس طرف سے وہ آرہا تھا۔ پھر کار کے بریک چیخے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کیلر تھا۔ کار اب نہایت بے ہودہ طریقے سے یوٹرن لے رہی تھی۔ بالآخر وہ اس کے قریب آکر رکی۔ "پکڑے گئے نا۔" کیلر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

چارلس نے درد ناک آہ بھری اور اگلی نشست کا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گیا۔

"ہاں، میں پکڑا گیا۔ اب جلدی سے نکل چلو یہاں سے۔" اس نے کہا۔

کیلر نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا اور بولا۔ "میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں تلاش کیا۔"

"فہرست بنا کر دے دینا ایسے مقامات کی۔" چارلس نے جھنجھلا کر کہا۔ "فی الحال نکلو یہاں سے، تمہارے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں، جنہیں میری تلاش ہے۔"

لیکن کیلر ٹس سے مس نہ ہوا۔ "تم نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

"وعدہ تم نے زبردستی لیا تھا مجھ سے اور لوگوں نے بھی یہی کیا تھا۔ اب میں اس علاقے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا ہوں۔ چلاؤ گاڑی......... ورنہ میں

پیدل ہی سرحد پار کرجاؤں گا۔"

"میں کب سے شہر کی سڑکیں ناپ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم مل جاؤ گے۔" کیلر نے سنی اَن سنی کر کے کہا۔

دور سے سائرن کی آواز سنائی دی، جو بتدریج قریب آرہی تھی۔ "اب تو میں تمہیں مل گیا ہوں چلونا کہیں۔" چارلس گڑبڑایا۔

لیکن کیلر گفتگو مکمل کیے بغیر گاڑی چلانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ "تمہیں پتا بھی نہیں ہے کہ کسی کو دن بھر بے سود تلاش کرنا کتنا اذیت ناک کام ہے۔"

سائرن کی آواز اور قریب آگئی۔ "ابے، میں مل تو گیا نا تجھے، اب گاڑی چلا، نا۔"

چارلس کا ضبط جواب دینے لگا۔

"تمہیں اندازہ نہیں۔ جس وقت مَیں نے یہ گاڑی پارکی، اس کی ٹنکی فل تھی۔ تمہاری تلاش میں خالی ہوگئی اور مجھے پرانی گاڑی میں اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے پٹرول ڈلوانا کبھی پسند نہیں رہا۔" کیلر نے کہا۔

"پٹرول میں ڈلوادوں گا۔" چارلس نے جلدی سے پیشکش کی۔ اب سائرن کے علاوہ پولیس کار کی سرخ بتی بھی نظر آنے لگی تھی۔

"مجھے ضرورت نہیں تمہارے پٹرول کی۔" کیلر نے توہین محسوس کر کے کہا۔ "مَیں اتنا کہہ رہا ہوں کہ وعدہ کرو تو پورا کرو۔"

روشنی اور قریب آرہی تھی۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ہر وعدہ پورا کروں گا۔" چارلس نے پُرخلوص لہجے میں کہا اور دل میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کبھی وعدہ ہی نہیں کرے گا۔

کیلر حیران رہ گیا تھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو؟ تم ایسے تو نہیں ہو۔ یہ تمہارا انداز ہی نہیں، ضرور کوئی گڑبڑ ہے؟"

پولیس کار اب صرف دو بلاک کے فاصلے پر تھی۔ چارلس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"یار ہوا کیا ہے؟"

چارلس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب فاصلہ ایک بلاک کا رہ گیا تھا۔ پھر اس مکان کے

سامنے پولیس کار کی رفتار کم ہونے لگی' جہاں سے وہ نکلا تھا۔ کیلر عقب نما آئینے میں پولیس کار کو دیکھ کر منہ بنا رہا تھا۔ "پتا نہیں' کم بختوں کو کس کی تلاش ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"میری تلاش ہے۔" چارلس نے مری مری آواز میں کہا۔ "اب اگر تم گاڑی نہیں چلا رہے ہو تو میں پیدل چلا جاتا ہوں۔"

کیلر نے گاڑی پوری رفتار سے چھوڑ دی۔ "تم مجھے پہلے بتا دیتے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"میں نے کوشش کی' لیکن تم نے سمجھ کر ہی نہیں دیا۔"

"تم تو اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبتے۔ تمہارے کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ تم تیز ڈرائیونگ کے سلسلے میں پکڑے جاؤ' تب بھی عمر قید سے کم سزا نہیں ہوگی تمہیں۔" کیلر نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"دوست نوازی کا شکریہ۔" چارلس نے تلخ لہجے میں کہا۔

کیلر نے گلوز کمپارٹمنٹ سے سگریٹ کا عجیب سا پیکٹ نکالا اور پوچھا۔ "پیو گے؟ یہ نیا برانڈ ہے۔ اس میں نکوٹین بہت کم ہے۔ اس کا نام سچا ہے۔"

"شکریہ! میں سگریٹ صرف نکوٹین کے لئے پیتا ہوں۔ مجھے کیمل ہی سے گزارا کرنے دو۔ بھلا یہ بھی کوئی نام ہوا........ سچا۔"

"کیوں نہیں۔ کیمل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" کیلر نے برا مانتے ہوئے کہا اور سچا سگریٹ سلگا لیا۔

"کیمل کا مطلب ہے سگریٹ........ آج سے نہیں' برسوں سے یہی مطلب ہے اس کا۔ اور جب میں کسی چیز کے متعلق سچا جیسا لفظ سنوں تو مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ فراڈ ہے۔"

"جیسے خود ہو' دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتے ہو۔"

"ہاں........ یہی بات ہے۔"

اب ان کی کار کے آگے بھی کاریں تھیں اور پیچھے بھی........ اور ان میں پولیس کار کوئی نہیں تھی۔ چارلس نے سکون کا سانس لیا۔ کیلر نے بلا ارادہ ایک بٹن دبایا اور ونڈ شیلڈ پر شیشہ صاف کرنے والا محلول بکھر گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کیلر سامنے دیکھنے کے قابل نہ

رہا۔ اس نے بوکھلا کر وائپرز کا بٹن ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ "لعنت ہو اس کار پر۔" وہ غرایا اور اس نے بریک لگایا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ پیچھے سے کوئی چیز ان کی کار سے ٹکرائی۔ زبردست جھٹکا لگا۔

"تمہارے ساتھ کار میں بیٹھنے سے تو عمر قید بہتر ہے۔" چارلس نے جھنجلا کر کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔

"اپنی کار ہوتی تو یہ بات نہ ہوتی۔" کیلر نے معصومیت سے کہا اور تلاش جاری رکھی۔ بالآخر وائپرز کا بٹن مل گیا اور وائپرز کام بھی کرنے لگے۔ اتنی دیر میں ایک موٹا شخص کیلر کی طرف والی کھڑکی کے پاس آ کر دھاڑنے لگا۔ اس کا ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا۔ کھڑکی کا شیشہ چڑھا ہوا تھا۔ کیلر نے بڑی مشکل سے اس کا بٹن دریافت کیا اور شیشہ اتارا۔ "نیچے اتر کر دیکھو' تم نے میری کار کا کیا حشر کیا ہے۔" موٹے نے گرج کر کہا۔

کیلر نے آگے دیکھا' کچھ بھی نہیں تھا۔ پیچھے دیکھا۔ ایک اور کار اس کی کار سے چپکی ہوئی تھی۔ موٹا بہ دستور چیختے جا رہا تھا۔ کیلر دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ اس نے عقب کا جائزہ لیا۔ پچھلی کار کا اگلا مڈگارڈ اس کی کار کے عقبی مڈگارڈ سے الجھا ہوا تھا۔ موٹا اب بھی چیختے جا رہا تھا کیلر نے نقصانات کا جائزہ لیا۔ شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ ریڈی ایٹر کی جالی سے سبز پانی نکل رہا تھا۔ مڈگارڈ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔

"دیکھو........ دیکھو' تم نے میری کار کا کیا حشر کر دیا۔" موٹے نے دھاڑ کر کہا۔

کیلر نے بڑے سکون سے نفی میں سر ہلایا۔ "تم نے میری کار کو پیچھے سے ٹکر ماری ہے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"تم نے بغیر انڈی کیٹر کے اچانک بریک لگائے۔ میں کیا کر سکتا تھا........؟"

"کیوں' تمہاری گاڑی میں بریک نہیں ہیں کیا؟ یہ گاڑیاں یونہی رہنے دو۔ دنیا کا کوئی قانون میری غلطی ثابت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ بلا لو پولیس کو۔" موٹا غرایا۔

کیلر اندر ہی اندر دہل گیا' لیکن اس کی مسکراہٹ بے حد جاندار تھی۔ وہ گھوم کر دوسری طرف گیا' جیسے نقصان کا جائزہ لے رہا ہو۔ سڑک کے پار ایک بک اسٹال تھا اور اس کے برابر تنگ گلی........ راہ فرار! موٹا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اب

بھی حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ پیچھے ٹریفک بلاک ہوگیا تھا۔ ہارن بج رہے تھے.......... لوگ ان دونوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

"میری کار کی ریپیئرنگ تم کراؤ گے۔" موٹے نے مطالبہ کیا۔

"پہلے پولیس والوں کو بلاؤ۔ میں تم پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کروں گا۔" کیلر نے سرد لہجے میں کہا۔

موٹے نے جلدی سے گھڑی دیکھی۔ "مجھے کسی سے ملنا تھا۔ دیر ہو رہی ہے مجھے۔"

"مجھے بھی کسی سے ملنا تھا۔" کیلر نے کہا۔

"تو بڑھاؤ اپنی گاڑی۔"

"دس ڈالر دو' ورنہ پولیس والے کو بلاؤ۔"

موٹے نے دانت پیس کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور بٹوے سے دس ڈالر نکال کر اسے دے دیئے۔ کیلر ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آیا تو چارلس غائب تھا۔ "میرے دوست کو میری صلاحیت پر ذرا اعتماد نہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ پھر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار آگے بڑھادی۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ موٹے کی کار کا مڈگارڈ اس کی کار کے ساتھ ہی آگیا۔ وہ اس کی کار تھی ہی کب..........

☆------☆------☆

چارلس سوٹ کیس جھلاتا ہوا بڑھتا رہا۔ وہ تین بلاک دور گیا ہوگا کہ اودی کار پھر اس کے سر پر آگئی۔ "آؤ چارلی.......... بیٹھ جاؤ۔" کیلر نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی! میں عافیت سے ہوں اور عافیت ہی چاہتا ہوں۔ میں پیدل ہی بھلا۔"

کیلر کار سے اتر آیا۔ "اس حادثے میں میرا کیا قصور تھا اس نے پیچھے سے ٹکر ماری' میں نے تو اس سے دس ڈالر بھی وصول کرلئے۔"

"میں باز آیا۔ تمہارا ساتھ بہت مخدوش ہے۔"

"اور تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں تمہیں کیوں تلاش کر رہا تھا۔"

"میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔" چارلس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کیلر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ "دیکھو نا.......... تم لمبا ہاتھ مارنے کے منتظر ہو' ہے نا؟"

"تمہارے ساتھ نہیں۔ تم تو لمبا ہاتھ میرے مارو گے اور میں لمبا لیٹ جاؤں گا۔"

"میری بات تو سنو' اس بار کام پکا ہوگا۔ میں گارنٹی دیتا ہوں' اس کام کے بعد تم کم از کم تین چار سال گھر بیٹھ کر کھا سکتے ہو۔"

"پچھلی بار میں نے تمہارے ساتھ کام کیا' کامیاب رہا' لیکن ہاتھ کیا آیا' کچھ بھی نہیں۔" چارلس بہ دستور چل رہا تھا۔

"تم صرف میری بات سن لو۔ میں تم پر بھروسا کرتا ہوں۔ اگر تم منصوبے کو مسترد کرو گے تو میں بھی اسے ڈراپ کردوں گا۔" کیلر نے التجا کی۔

چارلس ٹھہر گیا۔ اس نے کیلر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "برسوں سے میری تم سے دوستی ہے۔ میں جانتا ہوں' تمہارے آئیڈیے میں کوئی نہ کوئی خرابی ضرور ہوگی۔"

"آئیڈیا میرا نہیں ہے۔" کیلر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "تم میرے بھتیجے وکٹر کو جانتے ہو؟" چارلس نے نفی میں سر ہلایا۔ کیلر نے مزید کہا۔ "وہ ایف بی آئی میں تھا۔ وہ بہت عقلمند اور تعلیم یافتہ ہے۔ ٹریننگ میں بھی کامیاب رہا لیکن ایف بی آئی والوں سے اس کی بنی نہیں۔ اس میں کچھ کمزوریاں ہیں۔ کچھ بے وقوف بھی ہے وہ لیکن اس کا آئیڈیا زور دار ہے۔ کامیابی یقینی ہے۔ تم وکٹر کو بھی پسند کرو گے۔"

چارلس کمزور پڑ گیا۔ "میں جانتا ہوں کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔" اس نے کہا' لیکن وہ کیلر کے ساتھ کار کی طرف واپس چل دیا۔ وہ کار کے پاس پہنچے تو کار کے دروازے پر چالان کا ٹکٹ لگا نظر آیا۔

☆------☆------☆

"خبردار.......... کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" وکٹر نے پھنکار کر کہا۔ "یہ ڈاکازنی کی واردات ہے۔"

"اے.......... تم ایسا نہیں کرسکتے۔" ایک لرزیدہ آواز ابھری پھر ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا.......... ہسٹریا سے بھرپور قہقہہ۔

"ذرا دیکھ کر۔" ایک اور خوفزدہ آواز ابھری۔ "ان لوگوں کے پاس پستول ہیں۔"

وکٹر نے کیسٹ پلیئر آف کردیا۔ پھر اس نے کیسٹ کو ریوائنڈ کرکے چلایا۔ واردات

کا بھرپور تاثر موجود تھا۔ اسے سن کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ تمام آوازیں وکٹر ہی کی ہیں۔

وکٹر جس کمرے میں تھا' اس کمرے نے اپنی زندگی کا آغاز گیراج کی حیثیت سے کیا تھا۔ اب وہ زمانہ جدید کا کوئی غار معلوم ہوتا تھا۔ ایک طرف میز تھی جس پر وکٹر کا ریکارڈنگ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ وہ میز عقبی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ دیوار' میگزین سے کاٹی ہوئی تصاویر سے مزین تھی۔ بلکہ ان کے پیچھے پوشیدہ تھی۔ اوپری حصے پر رول کیا گیا فلم اسکرین تھا جسے بہ وقتِ ضرورت کھولا جاسکتا تھا۔ بائیں جانب والی دیوار کے ساتھ ایک شیلف تھا۔ اس میں مختلف قسم کی کتابیں اور میگزین لگے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی کیسٹوں کا انبار تھا۔ ہر کیسٹ پر سرخ حروف میں کوئی نہ کوئی عجیب عبارت تحریر تھی۔ تیسری دیوار کے ساتھ دو فلم پروجیکٹر رکھے تھے۔ ایک آٹھ ملی میٹر والا اور دوسرا سولہ ملی میٹر والا۔ ان کے ساتھ جو شیلف تھے' ان میں فلمیں رکھی تھیں۔ کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی تھیں۔

کمرے میں بہ ظاہر کوئی کھڑکی کوئی دروازہ نہیں تھا۔ کمرے کے درمیانی حصے میں کسی سینما ہال کی نشستیں سینما ہال ہی کے انداز میں لگی ہوئی تھیں۔ پانچ پانچ نشستوں کی تین قطاریں تھیں اور ان کا رخ عقبی دیوار کی طرف تھا۔

وکٹر کی عمر تیس سال تھی اور کمرے میں موجود سامان کی عمر اس سے زیادہ تھی۔ یہ تمام اشیاء اس نے زمانہ طالب علمی ہی سے خریدنی شروع کردی تھیں۔ اس کے نزدیک یہ سب کچھ صرف ہابی ہی نہیں' تاریخ کا مطالعہ بھی تھا۔ شاید اس ہابی ہی کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کم لگتا تھا۔ پہلی نظر میں وہ ۲۰ سال کا لگتا تھا۔ بلکہ بعض لوگ تو اسے اٹھارہ سال کا سمجھتے تھے۔ وہ بار میں جاتا تو اپنی بلوغت ثابت کرنے کے لئے اسے شناختی کاغذات پیش کرنے پڑتے۔ اس وجہ سے ایف بی آئی کی سروس کے دوران اسے الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے کسی تحقیق کے سلسلے میں کسی کالج میں جانا پڑتا تو وہ مشکوک ٹھہرتا کیونکہ وہ اسکول کا طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ اس نے داڑھی مونچھیں رکھ کر دیکھا......... لیکن بات نہیں بنی۔ شاید اسی وجہ سے ایف بی آئی والوں نے پہلی فرصت میں اس سے پیچھا چھڑا لیا۔ وکٹر خود بھی ایف بی آئی سے مایوس تھا۔ اس نے تیئیس ماہ تک بیورو میں کام کیا

اور اس دوران اسے کسی مشین گن کو ہاتھ لگانے کا موقع بھی نہیں ملا۔ بلکہ اس نے مشین گن دیکھی بھی نہیں۔ اس نے کبھی کوئی دروازہ نہیں توڑا تھا......... کسی مجرم کو گرفتار نہیں کیا تھا۔ وہ صرف کلرکی کرتا رہا تھا......... فائلنگ ورک......... اور اس سے اس کا جی اُوب گیا تھا۔

ایف بی آئی اس کے مطلب کا ادارہ نہیں تھا' لیکن اس کے مطلب کا ادارہ تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے قانون کی ڈگری لی تھی لیکن وہ وکالت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایڈونچر پسند تھا لیکن اسے اب تک اپنے وجود کی اہمیت ثابت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے وہ انکل کیلر کو کچھ کرنے پر اکساتا رہا تھا۔

اس نے کیسٹ ریکارڈر کا ریکارڈنگ والا بٹن دبایا اور غراتے ہوئے کہا۔ "تم بچ نہیں سکو گے دوست۔" یہ کہہ کر اس نے ریکارڈر آف کیا اور ایک دراز کھولی اور اعشاریہ دو پانچ کا آٹومیٹک نکالا۔ اس نے کلپ کو چیک کیا۔ اس میں پانچ بلینک شاٹ تھے۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ کیسٹ پر ان کا صوتی تاثر غضب کا آئے گا۔ اس نے ریکارڈر کا بٹن دبایا اور تیزی سے دو فائر کئے۔ تیسرا فائر کرتے ہوئے وہ حلق کے بل چیخا۔ "بچو......... سنبھلو........."

"اوہ!" پیچھے سے کسی نے کہا۔

وہ بری طرح چونکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک شیلف اندر کی طرف گھوما تھا اور یوں وہ دروازہ نمودار ہوا تھا۔ دروازے میں کیلر کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے عقبی صحن اور سامنے والے گیراج کی دیوار صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "آیئے انکل' اندر آجایئے نا۔" وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لل......... لیکن......... یہ یہ۔" کیلر نے ہکلاتے ہوئے' پستول کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے انکل۔ یہ تو استعمال شدہ کلپ ہے۔" وکٹر نے کہا اور کیسٹ ریکارڈر آف کردیا۔

کیلر اندر آیا اور اس نے شیلف کو پیچھے دھکیل دیا۔ کمرا پھر بے در ہوگیا۔ "تم جانتے ہو' میں بہت آسانی سے خوفزدہ ہوجاتا ہوں۔" کیلر نے کہا۔ "میرے لئے تو چاقو ہی

بہت کافی ہے۔"

"آئی ایم سوری انکل! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وکٹر نے بے حد خلوص سے کہا۔

"بہرحال.......... میں نے اس منصوبہ ساز کو ڈھونڈ لیا ہے۔" کیلر بولا۔

وکٹر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "آپ کا مطلب ہے مسٹر چارلس۔" اس نے ہیجانی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں وہی' لیکن میں اسے یہاں نہیں لایا مجھے معلوم ہے کہ تم اس جگہ کو خفیہ رکھنا چاہتے ہو۔"

"بہت خوب! وہ ہے کہاں؟"

"یہاں سے کچھ دور میں نے گاڑی پارک کردی تھی۔ وہ گاڑی میں ہے۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ شیلف کے دروازے کے باہری حصے پر کار کا ایک بہت بڑا پوسٹر چسپاں تھا۔ وہ دروازہ ہرگز نہیں لگتا تھا۔ وہ دونوں نکلے اور کار پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

وکٹر نے پلٹ کر اپنے کمرے کو دیکھا اور اپنی ہنرمندی اور ہوشیاری کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا کمرہ دیکھنے میں ایک انتہائی غیر اہم گیراج لگتا تھا۔ کھڑکیوں پر بھی اس۔ مختلف کاروں کے ماڈلوں کے پوسٹر چپکا رکھے تھے۔ وہ پھر پلٹا اور چارلس کی طرف بڑھا۔ چارلس پہلی ہی نظر میں اسے پسند آیا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ وہ ایک جیتے جاگتے پروفیشنل مجرم کو دیکھ رہا تھا۔

کیلر نے ان دونوں کو متعارف کرایا۔ چارلس نے آہستہ سے کہا۔ "ہیلو۔"

"ہیلو مسٹر چارلس۔" وکٹر کے لہجے میں احترام تھا پھر اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔"

چارلس نے کیلر کو گھور کر دیکھا۔ "کیا یہ درست ہے؟" اس نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"یونہی.......... عام سی باتیں تم سمجھ رہے ہونا۔" کیلر گڑبڑا گیا۔

وکٹر کو چارلس کی راز داری کا یہ انداز بھی پسند آیا۔ لہجے اور نگاہوں میں سختی۔ چہرے پر ناپسندیدگی کا تاثر۔ چارلس اُسے ہیرو لگا۔ ایف بی آئی اسے سنسنی فراہم نہیں

کر سکتی تھی لیکن اسے چارلس سے امید ہو چلی تھی کہ وہ اس کے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر دے گا۔ "آیئے چلیں' ایک نظر دیکھیں۔" اس نے کہا۔ اس کی آواز فرطِ مسرت سے لرز رہی تھی۔

☆------☆------☆

وہ تینوں فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ چارلس نے جب بھی کن انکھیوں سے وکٹر کو دیکھا' اسے اپنی جانب نگراں پایا.......... لبوں پر مسکراہٹ سجائے.......... اور اس مسکراہٹ میں بڑی محبت تھی۔ وکٹر کا انداز اس مچھیرے کا سا تھا۔ جس نے زندگی میں سب سے بڑی مچھلی پکڑ لی ہو۔ چارلس کو خواہ مخواہ مچھلی ہونے کا احساس ہونے لگا۔ وہ نروس ہوگیا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ وکٹر ایف بی آئی میں رہ چکا ہے۔ چنانچہ وہ کار کی کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ وکٹر سے نظریں چرا رہا تھا۔

"مسٹر چارلس.......... آپ اخبار پڑھتے ہیں.......... بہت زیادہ؟" وکٹر نے اسے چونکا دیا۔

"یہ کس قسم کا سوال ہے؟" چارلس نے حیرت سے کہا۔ "بہرحال' کبھی کبھی پڑھتا ہوں۔"

"کوئی خاص اخبار؟" وکٹر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ گفتگو برائے گفتگو کر رہا ہو۔

"ہاں' ٹائمز پڑھ لیتا ہوں کبھی کبھی۔" چارلس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کا طرزِ فکر لبرل ہے؟"

اس بار چارلس' وکٹر کو دیکھنے پر مجبور ہوگیا لیکن وہ عقیدت بھری مسکراہٹ! اس نے گھبرا کر پھر نظریں چرا لیں۔

"وکٹر۔" کیلر نے وکٹر کو ڈانٹا۔ "تم بھول رہے ہو کہ تم ایف بی آئی کی ملازمت چھوڑ چکے ہو۔"

"آئی ایم ویری سوری۔ دراصل عادت سی ہوگئی ہے۔ بلاارادہ ہی زبان چلنے لگتی ہے۔" وکٹر نے معذرت کی۔ پھر اس نے کیلر سے کہا۔ "یہاں سے موڑ لیں۔"

کیلر نے کار موڑ لی۔ وہ ایک چھوٹا سا شاپنگ ایریا تھا۔ وہاں کئی اسٹورز تھے۔ ایک چینی ریسٹورنٹ بھی تھا۔ کیلر نے ایک بینک کے سامنے کار روک دی۔ "یہ رہا۔" اس نے

آہستہ سے کہا۔

بینک کی بوسیدہ عمارت بہت پرانی طرز کی تھی۔ چارلس بینک کے صدر دروازے کو بغور دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور دو مزدور برآمد ہوئے۔ انہوں نے ڈانگریاں پہنی ہوئی تھیں۔

"بہت دیر کردی تم نے۔" چارلس نے تبصرہ کیا۔ "اب اس بینک میں کچھ نہیں رکھا۔"

"یہ بینک نہیں............ اصل بینک تو وہ ہے۔" کیلر نے ایک سمت اشارہ کیا۔

چارلس نے سر گھمایا اور وکٹر کی مسکراہٹ اور نظروں سے بچتے ہوئے دوسری طرف دیکھا۔ شروع میں تو اسے کچھ بھی نظر نہ آیا پھر نیلے اور سفید رنگ کی ایک چیز نظر آئی جس کی ہیئت وہ نہ سمجھ سکا۔ تاہم اس چیز پر ایک بینر آویزاں تھا اور بینر کے حروف بے حد واضح تھے۔ "کیپٹل بینک۔ عارضی ہیڈ کوارٹر۔ ہمیں دیکھتے رہیے، ہم عنقریب کچھ سے کچھ ہو جائیں گے۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" چارلس جھنجلا گیا۔

"یہ ٹرالر ہے۔" کیلر نے جواب دیا۔ "تم نے چلتے پھرتے مکان تو دیکھے ہوں گے۔ یہ بینک ہے۔"

وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مسٹر چارلس، بینک کی اصل عمارت گرا کر دوبارہ تعمیر کی جاری ہے۔ اس دوران بینک ٹرالر میں قائم رہے گا۔"

چارلس ٹرالر کو دیکھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کا ذہن تو گویا شل ہو کر رہ گیا تھا۔ اس پر وکٹر کی والہانہ مسکراہٹ! "تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کار سے اترا اور ذیلی سڑک پر ٹرالر بینک کی طرف چل دیا۔ ٹرالر بہت بڑا تھا۔ اتنا بڑا ٹرالر اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی لمبائی ۵۰ فٹ اور چوڑائی بارہ فٹ کے قریب ہوگی۔ اس کے سامنے والے حصے میں دو داخلی دروازے تھے۔ دروازوں کے نیچے عارضی چوبی قدمچے تھے کیونکہ ٹرالر کے نچلے حصے کی زمین سے بلندی کم نہیں تھی۔ ٹرالر کو دو اطراف سے کنکریٹ کے بلاکس چن کر ان پر کھڑا کیا گیا تھا............ کھڑکیوں پر ڈوریوں سے کھینچ کر کھولے جانے والے پردے پڑے ہوئے تھے۔ بینک اس وقت بند تھا،

لیکن پردوں کی درمیانی جھریوں سے اندر روشنی کی موجودگی کا سراغ ملتا تھا۔

چارلس نے واپس آتے ہوئے مزید جائزہ لیا۔ سڑک کے پار ٹیلیفون اور بجلی کے کھمبوں سے بینک والوں کو عارضی طور پر سہولتیں فراہم کی گئیں تھیں۔ اس کے علاوہ کوئی بات قابلِ ذکر نہیں تھی۔ وہ سر کو باربار جھٹکتا دوبارہ کار تک پہنچا۔ "باہر سے دیکھ کر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا............" اس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "واردات دن میں کرو گے یا رات کو؟"

"رات کو۔" کیلر نے جواب دیا۔

"رات کے وقت یہاں کیش ہوتا ہے؟"

"صرف جمعرات کی رات کو ہوتا ہے۔"

چارلس کو ہچکچاہٹ کے باوجود وکٹر کی طرف دیکھنا پڑا۔ "کیوں؟ جمعرات کو کیوں؟" اس نے وکٹر سے پوچھا۔

"جمعرات کی رات اسٹورز کھلے رہتے ہیں۔ بینک معمول کے مطابق تین بجے تک کھلتا ہے۔ پھر شام چھ بجے سے ساڑھے چھ بجے تک دوبارہ کھلتا ہے۔ اس وقت رقم کسی اور بینک میں نہیں پہنچائی جاسکتی چنانچہ اس رات رقم بینک ہی میں رہتی ہے۔ البتہ گارڈز کی نفری بڑھا دی جاتی ہے۔ اس رات، سات گارڈز ہوتے ہیں۔" وکٹر نے وضاحت کی۔

"سیف کس قسم کا ہے؟"

"موسلر کمپنی کا سیف ہے۔ میرا خیال ہے، ٹرالر کے ساتھ ہی وہ بھی کرائے پر دیا گیا ہے۔ کوئی مضبوط سیف نہیں ہے وہ۔"

"گویا ہم سیف کو جلد ہی کھول سکتے ہیں۔"

وکٹر نے اسے پھر مسکراہٹ سے نوازا۔ "وقت کی کمی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

چارلس نے جلدی سے نظریں ہٹائیں اور ٹرالر کی وائرنگ پر نظر ڈالی۔ "میرا خیال ہے، ان میں الارم کا تار بھی ہے۔ الارم قریبی پولیس اسٹیشن میں نصب ہوگا۔"

وکٹر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے نزدیک چارلس غیر معمولی حد تک ذہین اور اہل ثابت ہو رہا تھا۔

"گویا وقت کی کوئی کمی نہیں۔ ہمیں صرف سات گارڈز سے نمٹنا ہے اور قریب ترین پولیس اسٹیشن سات بلاک دور ہے۔" چارلس نے طنزاً کہا۔

کیلر کی باچھیں کھل گئیں۔ "ہے نا خوبصورت منصوبہ' وکٹر جینئس آدمی ہے۔"

"ثابت کرو۔" چارلس نے کہا۔

"ہم بینک میں ڈاکا نہیں ڈالیں گے......... بلکہ بینک چرائیں گے۔" وکٹر نے کہا۔

چالس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ ایک ٹک وکٹر کو دیکھتا رہا۔

"یہی تو خوبصورتی ہے۔ ہم بینک میں گھسنے کے بجائے پورا بینک لے بھاگیں گے۔ ہمیں صرف ایک ٹرک کا بندوبست کرکے بینک کو اس کے ساتھ نتھی کرنا ہوگا۔"

☆------☆------☆

چارلس' کیلر کو اپنے اپارٹمنٹ لے آیا۔ میگی گھر آچکی تھی اور کچن میں مصروف تھی۔ "میں وکٹر کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" چارلس نے کہا۔

"وکٹر ٹھیک ٹھاک لڑکا ہے۔" کیلر نے اسے اطمینان دلایا۔

اتنے میں میگی نشست گاہ میں چلی آئی۔ "کہو......... دن کیسا گزرا؟" اس نے کیلر کی مزاج پرسی کے بعد چارلس سے پوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک ہی سمجھو۔ اپنے تمام بک لیٹ کھو بیٹھا ہوں۔"

"ایک خاتون نے پولیس کو طلب کرلیا تھا۔" کیلر نے خوش ہو کر کہا۔

"تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔" چارلس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تمہیں خوب جانتی ہوں۔" میگی نے کہا۔ ایک سال پہلے اسے چارلس کے دھندے کا علم ہوا تھا......... اور اس نے تھوڑی سی ردوقدح کے بعد اس حقیقت کو قبول کرلیا تھا۔

"لیکن اب ان چھوٹی موٹی وارداتوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔" کیلر نے دلاسا دیا۔

"کیا مطلب ہے؟" میگی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ "پھر کوئی چکر چل رہا ہے؟"

"ایک بینک پر نظر ہے ہماری۔" کیلر بولا۔

"تم یقین کرسکتی ہو تو کرلو۔ یہ شخص بینک لے بھاگنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

چارلس نے مضحکانہ انداز میں کہا۔

کیلر نے جلدی سے پوری تفصیل سناڈالی۔ "اب تم ہی بتاؤ۔" اس نے آخر میں کہا۔ "بینک لے کر بھاگا جاسکتا ہے نا؟"

"ہاں......... لیکن تم بینک لے کر جاؤ گے کہاں؟" میگی نے پوچھا۔

"بس اسے تو بینک لے بھاگنا ہے۔" چارلس نے زہرخند کہا۔ "کہاں سے اسے کیا غرض۔"

"اس سلسلے میں سوچنا پڑے گا۔" کیلر نے کہا۔

"گویا ابھی منصوبہ نہیں بنا۔"

"اور سنو' ایک چیز وکٹر نام کی بھی ہے۔" چارلس بولا۔

"میرا بھتیجا ہے۔" کیلر نے فخریہ لہجے میں وضاحت کی۔

"میں نے آج تک کوئی بھتیجا نہیں دیکھا۔" میگی نے حسرت سے کہا۔

"ہر شخص کسی نہ کسی کا بھتیجا ہے۔" کیلر نے فلسفہ بگھارا۔

"غلط......... بالکل غلط' میں کسی کی بھتیجا نہیں ہوں۔" میگی نے اعتراض کیا۔

"میں مردوں کی بات کر رہا ہوں۔" کیلر نے جھینپ کر کہا۔

"اور وکٹر تجربے کار آدمی ہے۔" چارلس نے کہا۔ "اس کے پاس ایف بی آئی کا تجربہ ہے۔"

میگی چوکنا ہوگئی۔ "کیا مطلب؟ ایف بی آئی والے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟"

"نہیں' وہ ایف بی آئی میں کام کرچکا ہے۔" کیلر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "بڑی طویل کہانی ہے۔"

"بہرحال......... میری سمجھ میں نہیں آتا۔" چارلس نے بے بسی سے کہا۔ "میں سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ منہ پر رومال باندھا اور کسی بھی جگہ پہنچ گئے۔ ریوالور دکھایا' جیب بھری اور واپس........."

"ان دنوں حالات خراب ہو رہے ہیں۔" کیلر بولا۔ "اب تو چیک سے کاروبار ہوتے ہیں۔ رقم کہاں ملتی ہے سوائے بینک کے۔"

"مجھ سے زیادہ کون جانے گا یہ دکھ۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو میں خواتین کے

ساتھ فراڈ کرنے پر کیوں مجبور ہوتا؟" چارلس نے آہ بھر کے کہا۔

"تبھی تو کہہ رہا ہوں' یہ کام کرلو۔ ڈرائیونگ کے لئے میسن مناسب رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کرلو میسن سے بات۔" چارلس نے اس بار طویل تر آہ بھری۔

☆======☆======☆

میسن' ہلٹن کے دروازے پر کھڑا پارکنگ ایریا میں ایک کے بعد ایک داخل ہونے والی ٹیکسیوں کو دیکھتا اور جھنجلاتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اپنی کاروں پر سفر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بالآخر ایک کار داخل ہوئی اور دروازے پر رکی۔ اس میں سے ایک عورت اور کچھ بچے نیچے اتر آئے۔

میسن نے لپک کر دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "کار کی چابیاں کار ہی میں چھوڑ دیجئے جناب۔"

کار کا مالک اتر آیا۔ میسن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس نے جیب سے ایک ڈالر کا نوٹ نکال کر میسن کی طرف بڑھا دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ہوٹل کا سرور ڈرائیور ہے۔ میسن نے ڈالر وصول کرکے زور دار سیلوٹ جھاڑا اور کار اسٹارٹ کردی۔ کار کا مالک ہوٹل میں چلا گیا۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی کار چرانے کا معاوضہ بھی ادا کرے......... ایک ڈالر ہی سہی!

سڑکوں پر بے پناہ رش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا' بروک لین کے علاقے میں آگیا۔ جے اینڈ ایل گیراج کے بند دروازے پر کار روک کر اس نے تین بار ہارن بجایا اور گردوپیش کا جائزہ لیا۔ علاقہ سنسان تھا۔ گیراج کا دروازہ کھلا اور ایک دبلے پتلے سیاہ فام نے باہر جھانکا' سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ ایک لمحے بعد گیراج کا دروازہ اوپر کی طرف اٹھ گیا۔

میسن کار کو گیراج میں لے گیا۔ وہاں دس بارہ کاریں پہلے ہی سے موجود تھیں اور پینٹنگ کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ فضا میں پینٹ کی بو رچی ہوئی تھی۔ گیراج کافی بڑا تھا۔ وہاں دس بارہ آدمی موجود تھے۔ ان میں اکثریت سیاہ فاموں کی تھی۔

دبلے پتلے سیاہ فام کے اشارے پر میسن نے کار ایک گوشے میں کھڑی کی اور گلوو کمپارٹمنٹ کی تلاشی لی۔ اس میں کام کی کوئی چیز نہ نکلی۔ پھر وہ کار سے اتر آیا۔ دبلے پتلے

سیاہ فام نے کار کا دروازہ بند کردیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میسن کو دیکھا اور بولا۔ "تم خوب ہاتھ مارتے ہو۔" اس کے لہجے میں ستائش تھی۔

"سڑکیں کاروں سے پٹی پڑی ہیں۔" میسن نے جواب دیا۔ "مارکونی سے کہنا کہ مجھے رقم جلدی درکار ہے۔"

"تم اتنی رقم کا کرتے کیا ہو؟"

"میں اپنی تنہا ماں کا واحد کفیل ہوں۔" میسن نے دردناک لہجے میں کہا۔

"تمہاری ماں نے دوبارہ ٹیکسی چلانا شروع نہیں کی؟"

"نہیں' ان کی گردن پر اب بھی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ وہ ٹیکسی چلاسکتی ہیں لیکن لوگ ایسی ٹیکسی میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے جس کے ڈرائیور کی گردن پر پٹی لپٹی ہوئی ہو۔"

"وہ پٹی کب تک چڑھی رہے گی؟"

"جب تک مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوجاتا۔ مارکونی سے کہہ دینا کہ مجھے رقم جلد چاہئے۔ اب میں جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے ماں کو ٹہلتے پایا۔ پلاسٹر کی پٹی ندارد تھی۔ "ماں......... اگر میں انشورنس کا نمائندہ ہوتا تو کیا ہوتا!" اس نے احتجاج کیا۔

"اس صورت میں تم اطلاعی گھنٹی بجاتے۔" ماں نے بے حد سکون سے کہا۔

"میں کھڑکی سے بھی جھانک سکتا تھا۔"

"میسن......... مجھے پریشان نہ کرو۔ میں گھر میں بند رہ رہ کے تنگ آچکی ہوں۔"

"تو آپ چہل قدمی کے لئے کیوں نہیں نکلتیں؟"

"نکلتی ہوں تو اس ملعون پٹی کی وجہ سے بچے مجھے تماشا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے فلم پلانٹ آف دی ایپس کی پبلسٹی کے سلسلے میں کام لیا جارہا ہے۔"

"ٹھیک ہے مم۔ کل میں گاڑی لاؤں گا اور آپ کو تفریح کے لئے لے جاؤں گا۔"

ماں کھل اٹھی۔ دونوں ماں بیٹے نقشے پر جھک گئے اور اگلے روز کی تفریح کے لئے روٹ ترتیب دینے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد اطلاعی گھنٹی بجی۔

"میں دروازہ کھولتا ہوں۔ آپ گردن کی پٹی چڑھائیں۔" میسن نے کہا۔ ماں پیر پٹختے

ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔ میسن نے جاکر دروازہ کھولا۔ کیلر کی صورت نظر آئی۔
"مما......... بھول جاؤ پٹی کو۔" میسن نے چیخ کر کہا۔
کیلر یہ سن کر بدکا۔ "گردن کی پٹی کی بات ہو رہی ہے۔ وہی ایکسیڈنٹ والا کیس ہے۔" میسن نے وضاحت کی۔ کیلر اندر چلا آیا۔
اسی وقت میسن کی ماں نمودار ہوئی۔ "تم نے مجھے آواز دی تھی۔" اس نے کہا۔ اس نے گردن پر پلاسٹر کی پٹی چڑھالی تھی پھر کیلر کو دیکھ کر اس کا منہ کھل گیا۔
"کیلر......... تم! میں نے خواہ مخواہ یہ منحوس پٹی چڑھالی۔"
کیلر کچھ نہ بولا۔ میسن نے کہا۔ "میں نے تو آپ کو آواز دے کر منع بھی کیا تھا۔" پھر وہ کیلر سے مخاطب ہوا۔ "ہم کل کے سفر کے لئے روڈ میپ دیکھ رہے تھے' کہیں تم کوئی چکر تو نہیں چلا رہے ہو؟"
"ہاں......... میں کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کل تم لانگ آئی لینڈ چل کر وہ جگہ دیکھ لو........."
"شکریہ۔ ہم نے بھی لانگ آئی لینڈ ہی کا پروگرام بنایا تھا۔" میسن نے کہا۔

☆------☆------☆

چارلس ساڑھے آٹھ بجے اوجے بار میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا بارٹینڈر رولو کے پاس پہنچا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔ "میرا کوئی دوست آیا ہے؟" اس نے عقبی دروازے کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔
"ہاں' دو آدمی آچکے ہیں۔" رولو نے جواب دیا۔
چارلس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عقبی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر کیلر اور وکٹر موجود تھے۔ "فکر نہ کرو چارلس' میسن بس آنے ہی والا ہوگا۔" کیلر نے چہک کر کہا۔
چارلس کو آتے ہی وکٹر کی والہانہ مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ "مجھے خوشی ہے مسٹر چارلس کہ مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔" وکٹر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔
چارلس خاموش رہا۔ اسے وکٹر کی مسکراہٹ سے اختلاج ہونے لگا تھا۔ کیلر نے اس کی طرف جام بڑھا دیا۔ "کیوں نہ اس دوران کچھ تفصیلات ہی طے کرلی جائیں۔" اس نے

تجویز پیش کی۔
"تمہارا انداز تو ایسا ہے جیسے یہ واردات سچ مچ ہونے والی ہے؟" چارلس نے کہا۔
"تو اور کیا۔ واردات تو ہو کر رہے گی۔" کیلر بولا۔
وکٹر نے قدرے پریشان نظر آنے کی کوشش کی لیکن وہ والہانہ مسکراہٹ بدستور اس کے ہونٹوں پر چپکی رہی۔ "کیا آپ کے خیال میں یہ واردات ناممکن ہے مسٹر چارلس؟" اس نے پوچھا۔
"ابھی تو منصوبہ بھی طے نہیں پایا ہے۔" چارلس نے جواب دیا۔
"کیسا منصوبہ؟ ہم ٹرالر کو ٹرک سے باندھیں گے اور لے بھاگیں گے۔ کہیں لے جاکر سیف توڑیں گے اور رقم حاصل کرلیں گے۔ گارڈز کو دواؤں کے ذریعے بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔" کیلر نے سادگی سے کہا۔
"اور تم کچھ بھول بھی رہے ہو۔" چارلس کا لہجہ سرد تھا۔
"ہاں......... منصوبے کی تفصیلات طے ہونا باقی ہیں۔" کیلر نے کہا۔ "منصوبے کا خاکہ تو ہمارے پاس ہے ہی۔"
چارلس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا اور آنکھ سے وکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ کیلر نے وکٹر کی نظر بچا کر اس اشارے کا جواب دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اس مسئلے پر بعد میں غور ہوگا۔
"رہ گیا مسئلہ قفل شکن کا تو تمام جانے پہچانے آدمی غائب ہیں۔ کام کا ایک آدمی ہے تو مگر........." کیلر کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔
"نام تو بتاؤ اس کا۔" چارلس نے کہا۔
"تم اسے نہیں جانتے ہوگے۔"
"یار' میں کہہ رہا ہوں' نام تو بتاؤ۔" چارلس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا۔ کیلر کے ساتھ کام کرنے میں یہی دشواری تھی۔ ضبط و تحمل کی بے حد کڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا تھا۔
"ہرمن ایکس۔" بالآخر کیلر نے نام اگلا۔
"ہرمن ایکس!"

"سیاہ فام مسلمان معلوم ہوتا ہے۔" وکٹر نے تبصرہ کیا۔

"نہیں' اس کا تعلق سیاہ فاموں کی ایک تنظیم سے ہے جو میلکم ایکس کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے حامیوں کے مخالفین کے لئے کام کرتی ہے۔" کیلر نے مختصراً بتایا۔

چارلس دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ وکٹر یوں سوچ میں پڑ گیا جیسے اس تنظیم کا میلکم ایکس کی تنظیم سے رشتہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیلر نے چارلس کی طرف دیکھا جو اب اسے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے آہ بھری اور چارلس کی نظروں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اچانک اس کی سمجھ میں بات آگئی۔ "ہاں.......... ہم قفل شکن کی بات کر رہے تھے۔" اس نے نعرہ لگایا۔

"خدا کا شکر ہے۔ تمہیں یاد تو ہے۔"

"تمہیں اس کے سیاہ فام ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"میں اس سے شادی تو کر نہیں رہا ہوں کہ اس کی رنگت پر اعتراض کروں گا۔ مجھے اس سے تجوری کھلوانی ہے۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔

"تو اسے بلالوں؟"

"بلوالو۔"

کیلر اٹھ ہی رہا تھا کہ میسن آگیا۔ اس نے آتے ہی تاخیر کی وجوہات بیان کرنا شروع کردیں۔ بڑی مشکل سے اسے خاموش کرا کر کیلر نے اسے وکٹر اور چارلس سے متعارف کرایا۔ اچانک میسن کی ممی بھی نمودار ہوئی۔ تعارف کا ایک اور مرحلہ گزرا۔ پھر سب بیٹھ گئے۔

"مسز مرچ.......... آپ کی گردن میں کیا ہوا؟" وکٹر نے پوچھا۔

"ایک وکیل ہو گیا ہے۔" مسز مرچ نے کہا۔ وہ بے حد خراب موڈ میں معلوم ہو رہی تھیں۔ "اب میں یہ منحوس پٹی اتار سکتی ہوں؟"

"ممی' پہنے رہا کرو اسے پہنتے پہنتے عادت ہو جائے گی۔ ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ اسے بیشتر وقت اتارے رہتی ہیں۔"

"اہم ترین بات یہ ہے کہ تم یہاں پہنچ گئے ہو۔" چارلس نے طویل ترین آہ بھر

کے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ بینک دیکھا یا نہیں؟"

"دیکھا اور غور سے دیکھا۔ کچھ اچھی خبریں ہیں اور کچھ بری۔" میسن نے بتایا۔

"پہلے تاریک پہلو پر روشنی ڈالو۔ روشن پہلو تو ویسے ہی روشن ہے۔" چارلس نے فرمائش کی۔

"نہیں.......... پہلے روشن پہلو۔ تاکہ نظر تاریک پہلو کو دیکھنے کے قابل رہے۔ ورنہ روشن پہلو تو نظر ہی نہیں آئیں گے۔" کیلر نے زور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے.......... تو پہلے روشن پہلو۔ ٹرالر کے آخری حصے میں ہک پھنسانے کے لئے آنکڑا موجود ہے۔"

"اور تاریک پہلو؟" چارلس نے پوچھا۔

"ٹرالر کے پہیے نہیں ہیں۔"

"یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔" چارلس نے اظہارِ مسرت کیا۔

"ایک منٹ.......... ایک منٹ.......... ایک منٹ۔" کیلر نے گڑبڑا کر کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہوا کہ ٹرالے کے پہئے نہیں ہیں؟"

"میں ٹرالر کے نچلے پہیوں کی بات کر رہا ہوں۔" میسن نے کہا۔

"لیکن وہ ٹرالر ہے.......... چلتا پھرتا گھر۔ اس میں پہئے تو لازماً ہوں گے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔

"ہوں گے کبھی' لیکن اب نہیں ہیں۔ انہوں نے کنکریٹ کے بلاکس چن کر ٹرالر کو ان پر کھڑا کیا اور پہئے نکال دیئے صرف پہئے ہی نہیں' ایکسلز بھی۔"

"بہر حال' پہئے ہوں گے تو سہی اس کے؟"

"ظاہر ہے' ٹرالر ہے تو پہئے بھی ہوں گے۔"

"تو انہوں نے پہیوں کا کیا کیا ہو گا؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے' کمپنی والوں کو واپس دے دیئے ہوں۔" میسن نے جواب دیا۔ "بہر حال' پہئے کہاں گئے کیا ہوئے' اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ ٹرالر پہیوں سے محروم ہے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چارلس تو شروع ہی سے اس آئیڈیے کے خلاف تھا

لیکن میگی کا کہنا تھا کہ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں ایسی واردات کی منصوبہ بندی کرنا کہیں بہتر ہے۔ جس پر عمل کرنا ناممکن ہو۔ چنانچہ اس نے فرض کرلیا کہ میگی ٹھیک کہتی ہے لیکن اب بھی اسے کوئی ڈھنگ کی جاب مل جاتی تو بہتر تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ منصوبہ بنانا اس کا کام تھا۔ چنانچہ اس نے آہ بھری، بغیر پہیوں کے ٹرالر کا تصور کیا اور مین سے پوچھا۔

"ٹرالر کنکریٹ کے بلاکس پر رکھا ہوا ہے نا؟" مین نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "ٹرالر کو چن تو نہیں دیا گیا؟" چارلس نے دوسرا سوال پوچھا۔

"نہیں۔ ٹرالر صرف ان بلاکس پر لٹکایا گیا ہے۔" مین نے جواب دیا۔ "اور وہ بھی صرف دو طرف ہے۔"

"گویا دو طرف سے وہ معلق ہے۔" چارلس کے انداز میں پہلی بار دلچسپی کی جھلک نظر آئی۔

"ہاں.......... ایک طرف تو دروازے کے ساتھ چوبی قدمچے رکھے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف سے ٹرالر کے نیچے گھسا جاسکتا ہے۔"

چارلس نے سر گھما کر وکٹر کو دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کیونکہ وکٹر مسکرا نہیں رہا تھا۔ وہ مفلوج سا اسے ہی تکے جارہا تھا۔ "کوئی ایسا وقت جب بینک بالکل خالی ہوتا ہو۔" اس نے پوچھا۔

"جمعرات کے سوا ہر رات بینک خالی ہوتا ہے۔ گارڈز بھی نہیں ہوتے۔" وکٹر نے جواب دیا۔ "وہاں چرانے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ پھر گشتی پولیس تو چکر لگاتی رہتی ہے نا۔"

"ٹھیک ہے۔" چارلس نے کہا اور مین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ٹرالر کے پہیے مل سکتے ہیں کہیں سے؟"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ جیک ٹرالے کے نچلے حصے سے منسلک ہوں گے۔ میں اس ماڈل کا ٹرالر پہلے ہی دیکھ آیا ہوں۔"

وکٹر نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پہیے لگ جائیں تو تم ٹرالر کو بھگا سکتے ہو؟" چارلس نے پوچھا۔

"کار کی مدد سے تو ناممکن ہے۔ ٹرک ضروری ہے۔ ٹرالر کی چوڑائی بارہ فٹ ہے۔

چنانچہ ہمیں مرکزی سڑکوں پر چلنا ہوگا۔ روٹ بہت احتیاط سے ترتیب دینا ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" چارلس نے کہا۔ پھر اس نے کیلر کی طرف دیکھا۔ "اور ٹرالر کو لے جانا کہاں ہے؟"

کیلر نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "میں اور وکٹر اس سلسلے میں کام کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ جگہ کا تعین ہوجائے گا۔"

چارلس کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وکٹر اب بھی اسے تکے جارہا تھا۔ پھر اس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ "مسٹر چارلس! کام تو ہوسکتا ہے نا؟"

"ابھی میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لگتا ہے کہ ہم کامیاب ہوسکتے ہیں لیکن ابھی بہت سی باتیں طے ہونا باقی ہیں۔"

"کام تو ہوگا۔" کیلر نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلے تو تم اور وکٹر کوئی ایسی جگہ تلاش کرو، جہاں بینک کو چھپایا جاسکے۔ مین کو پہیوں کا، ٹرک کا اور اس طرح کی تمام چیزوں کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے، اس جاب پر بھاری سرمایہ کاری ہوگی۔ مالی مسئلہ.........."

"اس کی فکر نہ کرو۔ یہ میرا شعبہ ہے۔" کیلر نے کہا۔ "پھر اس نے چارلس سے پوچھا۔ "ہرمن ایکس کو بلالوں؟"

چارلس نے اثبات میں سرہلادیا۔

چند لمحے بعد وہ کامیابی کے نام پر ایک ایک جام پی رہے تھے۔

☆------☆------☆

ہرمن ایکس کے گھر میں زور دار پارٹی ہو رہی تھی وہ پارٹیاں دینے کا بہت شوقین تھا لیکن اس پارٹی میں اس کے ذہن پر ایک بوجھ تھا۔ مالی حالات خراب ہو رہے تھے اور بہتری کی کوئی صورت اب تک سامنے نہیں آئی تھی۔ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اس کی ملازمہ مسز اولسن نے آکر اسے بتایا۔ ”آپ کا فون ہے مسٹر ایکس۔“

”اوہ اچھا۔“ اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ”خواتین و حضرات! یہ فون کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ آپ انجوائے کریں، میں ابھی آیا۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل آیا۔ مسز اولسن اس کے ساتھ تھی۔

”اسٹڈی کا دروازہ بند ہے نا؟“ اس نے مسز اولسن سے پوچھا۔ مسز اولسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تم یہاں کے معاملات سنبھالو۔ میں ابھی آیا۔“ یہ کہہ کر وہ عقبی دروازے سے گھر سے نکل آیا۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مسز اولسن نے ٹائمنگ کا خاص خیال رکھا تھا۔ جیسے ہی ہرمن سڑک پر آیا، سبز فورڈ اس کے پاس آکر رک گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ فل نے کار دوڑا دی۔ سفر کے دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہرمن خاموشی سے باہر دیکھتا رہا۔ سیونتھ ایونیو پہنچ کر ۴۰ ویں سڑک پر فل نے کار روک دی۔ سامنے ہی براڈوے تھیٹر تھا۔ وہاں گزشتہ رات سے ایک نیا پروگرام شروع ہوا تھا اور اخبارات نے اسے بے حد سراہا تھا۔ چنانچہ پورے دن لوگ طویل قطاروں میں کھڑے اس کے ٹکٹ کے چکر میں لگے رہے تھے۔ پروڈیوسر کو اتنی کامیابی کی توقع نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے رقم کے سلسلے میں کوئی خاص انتظام نہیں کیا تھا۔ رقم رات بھر تھیٹر کے سیف میں رہنا تھی۔ تحریک والوں کو اپنے ایک رکن سے جو پروگرام میں شامل تھا، یہ اطلاع ملی تھی اور انہوں نے فوراً ہی اپنا پروگرام مرتب کرلیا تھا۔

بیرونی لابی میں ایک پستہ قامت گیٹ کیپر موجود تھا۔ ”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ اس نے ان چاروں سے پوچھا۔

”تم ذرا گھوم جاؤ۔“ وان نے اسے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ ”ورنہ میں تمہارا بھیجا بکھیر دوں گا۔“

گیٹ کیپر کی سٹی گم ہوگئی۔ ان چاروں نے تحریک کی مخصوص نقابیں اوڑھ لی تھیں۔ گیٹ کیپر نے حکم کی تعمیل ہی میں عافیت جانی۔ ”مجھے مارنا مت، میرا بٹوا لے لو..........“ وہ گڑگڑایا۔

”شٹ اپ۔ ہمیں اندر لے چلو.......... آفس کی طرف۔ تم آگے آگے رہو گے اور کوئی ہوشیاری دکھائی تو..........“ وان نے خوفناک لہجے میں کہا۔

یوں یہ قافلہ تھیٹر کے دفتر کی طرف روانہ ہوا۔ ہال سے موسیقی کا شور سنائی دے رہا تھا۔ آفس کے دروازے پر پہنچ کر وان نے گیٹ کیپر کو اندر دھکیلا۔ پھر وہ چاروں آفس میں گھس گئے۔ وہاں چھ افراد تھے۔ دو عورتیں اور ایک مرد نوٹ گننے میں مصروف تھے تین مسلح محافظ کھڑے ان کی کارروائی دیکھ رہے تھے لیکن انہیں اپنے ریوالور نکالنے کا موقع نہیں ملا۔

وان نے محافظوں کو کور کر کے ان کے ہاتھ اوپر اٹھوائے۔ پھر اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے دو شاپنگ بیگ نکالے۔ ہرمن اور جیک نے ان میں نوٹ بھرے۔ اس دوران ہرمن حسرت بھری نظروں سے تجوری کو دیکھتا رہا۔ وہ قفل شکن تھا اور اسے اپنے کام سے عشق تھا لیکن آج رات اس کے لئے کوئی چانس نہیں تھا۔ کیونکہ تجوری پہلے ہی کھلی ئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے تھیٹر کے ساتوں ملازمین کے ہاتھ پاؤں باندھے، ہ میں رومال ٹھونسے اور پرسکون انداز میں باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے نقابیں چ کر اپنی جیب میں رکھ لیں۔ ٹائمنگ شاندار رہی تھی۔ ہال میں آخری نغمے کے خری بول گائے جا رہے تھے۔ اس کے بعد تھیٹر سے بے شمار لوگ نکلیں گے اور وہ ان ں گھل مل جائیں گے کوئی ان پر خصوصی توجہ نہیں دے گا۔

وہ نیچے اترے ہی تھے کہ ہال کے دروازے کھل گئے اور لوگوں کا سیلاب سا آگیا۔ وہ

اطمینان سے باہر نکلے، سڑک کراس کی اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھے۔ واپسی کے سفر میں ہرمن اپنی مالی پریشانی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اتنی تگڑی رقم میں اس کا........ بلکہ کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں تھا۔ وہ رقم تو تحریک کے کاز کے لئے تھی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے لئے بھی کچھ کرے۔ کوئی غیر سیاسی واردات کئے ایک سال ہو چکا تھا اور اب تک اسی پر گزارہ ہو رہا تھا۔ وہ رقم سے بھرے ہوئے تھیلوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ تحریک سے غداری نہیں کر سکتا تھا۔

فل نے اسے عقبی گلی میں اتار دیا۔ اس نے عقبی دروازہ کھول کر اپنے گھر میں گھستے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔ وہ صرف بیس منٹ میں واپس آ گیا تھا۔

"خیریت ہے؟" اس نے مسز اولسن سے پوچھا۔

"پیتے وقت کسی کو کسی کی موجودگی یا عدم موجودگی سے غرض نہیں ہوتی۔" مسز اولسن نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

نشست گاہ میں پہنچ کر اس نے مہمانوں کو فون کال کے بارے میں........ اور اپنے نئے اسائنمنٹ کے بارے میں بتایا۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ مسز اولسن پھر نمودار ہوئی۔ "آپ کا فون ہے جناب۔" ہرمن چکرا گیا۔ "کون ہے........ کس کا فون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا کوئی دوست ہے۔" مسز اولسن نے کہا۔ "نام نہیں بتایا اس نے۔"

"میں ابھی آیا۔" ہرمن نے مہمانوں سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ اسٹڈی میں آ کر اس نے ریسیور اٹھایا۔ "کون بول رہا ہے؟" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہیلو ہرمن........ میں کیلر بول رہا ہوں۔"

"ہیلو کیلر........ کہاں غائب تھے تم!" ہرمن نے چہک کر کہا اسے مالی مشکلات دور ہوتی محسوس ہوئیں۔

"یہ بتاؤ، ان دنوں فرصت ہے تمہیں؟"

"ہاں........ فرصت ہی فرصت ہے۔"

"بس تو پھر کل رات ساڑھے آٹھ بجے اوجے بار میں پہنچ جاؤ۔"

☆------☆------☆

وکٹر بہتر خوش تھا۔ اب تک جو کچھ ہوا، بے حد تسلی بخش تھا۔ وہ ایک حقیقی واردات کا خاکہ بنتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بے حد سنسنی خیز تھا۔ اس وقت وہ کیلر کے ساتھ سرمائے کی تلاش میں نکلا تھا اور گزشتہ رات کی میٹنگ کے متعلق یاد کر کے آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔

"کیا بات ہے دانت بند کرو اپنے۔ ہم ایک ڈاکٹر سے ملنے جا رہے ہیں۔" کیلر نے اسے ڈپٹا۔ وہ دونوں اس وقت ایک لفٹ میں تھے۔ "اور سنو........ گفتگو صرف میں کروں گا۔"

"او کے انکل۔"

لفٹ رکی اور وہ دونوں اتر آئے۔ "میں تمہیں خواہ مخواہ ساتھ لایا۔" کیلر نے کہا۔ "ممکن ہے ڈاکٹر تمہارے سامنے گفتگو کرنے سے انکار ہی کر دے۔"

"اس صورت میں مَیں باہر بیٹھ جاؤں گا۔" وکٹر نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

کیلر نے ڈاکٹر کی سیکرٹری سے بات کی۔ پانچ منٹ بعد ڈاکٹر نے بلوا لیا۔ وکٹر اپنے خیالات میں گم تھا۔ یہ تو اسے علم ہی نہیں تھا کہ واردات میں سرمایہ کاری کی........ ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کیلر سے سوالات کئے۔ پتا یہ چلا کہ بعض اوقات سرمائے کا بندوبست باہر سے کرنا پڑتا ہے۔ واردات کامیاب ہو تو سرمایہ فراہم کرنے والے کو دگنی رقم ادا کرنا پڑتی ہے........ ناکام ہو تو سرمایہ فراہم کرنے والے کی قسمت!

اس سلسلے میں ڈاکٹر بہت کام آتے ہیں، کیلر نے بتایا تھا۔ وہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنے پاس کیش رکھتے ہیں۔ وہ بے چارے ریٹائرمنٹ کے بعد کے لئے پائی پائی جوڑتے ہیں اور سینٹ سینٹ کے رکھتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ انکم ٹیکس کے ڈر سے باضابطہ سرمایہ کاری کر نہیں سکتے۔ رقم رکھے بیٹھے رہیں تو قدرِ زر کم ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح کی بے ضابطہ سرمایہ کاری میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"ڈاکٹر رابرٹ! یہ میرا بھتیجا ہے........ وکٹر!" کیلر نے تعارف کرایا۔

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے بے مہری سے کہا۔ "میرا خیال ہے، میں اب کسی ایسے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"تمہاری مرضی۔" کیلر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ویسے یہ منصوبہ بے داغ ہے۔ کامیابی کا امکان نوے فیصد ہے۔"

"اور اگر تم پکڑے گئے تو؟"

"ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ پکڑے نہ جائیں۔"

"لیکن پکڑے جانے کی صورت میں مجھے باہر ہی رکھنا۔ کتنی رقم چاہیے؟"

"چار ہزار ڈالر۔"

"لمبی رقم ہے۔" ڈاکٹر نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"آٹھ ہزار ڈالر واپس ملیں گے۔"

"بہ شرط کامیابی۔"

"کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ ہمارا منصوبہ............"

"بس۔" ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں منصوبے کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتا۔ میں خواہ مخواہ شریکِ جرم کیوں بنوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ اس نے سیف کھولا اور چار ہزار ڈالر گن کر کیلر کی طرف بڑھا دیئے۔

☆======☆======☆

چارلس کو حیرت تھی کہ میگی واردات میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ اس سے منصوبے کے بارے میں پوچھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ چارلس نے کبھی جائز ذرائع سے کچھ نہیں کمایا لیکن اس سے پہلے اس نے کبھی اس کی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ چارلس اس غیر معمولی تبدیلی سے خوش بھی تھا۔ بیوی کا ہم مزاج ہونا بہت بڑی نعمت ہوتا ہے ایسا لگتا تھا کہ اب ان دونوں کے درمیان صحیح معنوں میں ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔

وہ اوجے بار کی طرف بڑھتا ہوا میگی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اچانک ایک موٹا شخص اس کے سامنے آگیا۔ "فرمایئے۔" چارلس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایک سروے کر رہا ہوں۔" موٹے شخص نے کہا۔ وہ مسکرانے کی ناکام کوشش

کر رہا تھا۔ چارلس چہرے کے اس تاثر کو فلموں میں بارہا دیکھ چکا تھا۔ "دیکھیں، آپ ایک شہری ہیں اور آدھی رات کو ایک سڑک سے گزر رہے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی شخص آپ کو لوٹنے کی کوشش کرے تو آپ کا کیا ردعمل ہوگا۔"

چارلس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں سر توڑ دوں گا۔"

موٹے نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے ہونٹوں کی ناکام مسکراہٹ بھی ہوا ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ "اور اگر وہ......... اگر وہ......... خیر چھوڑیں۔ بھول جائیں کہ میں نے کچھ پوچھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" چارلس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ موٹا کیا پوچھنا چاہتا تھا۔ اگر پوچھتا تو وہ اسے کیا جواب دیتا۔ وہ کہتا کہ مسلح ہونے کی صورت میں وہ اسے اس کے اپنے ہتھیار سے ٹھکانے لگا دیتا۔ اسے موٹے پر ترس آنے لگا۔ واردات کرنا بھی چاہتا تھا اور ہمت بھی نہیں تھی۔ بے چارہ......... ایسے میں وہ صرف سروے ہی کر سکتا تھا۔

وہ اوجے بار میں داخل ہوا اور رولو کی طرف بڑھا۔ "ایک مہمان آچکا ہے۔" رولو نے اسے بتایا۔ اس نے بوربن کی بوتل اور جام لیا اور عقبی کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیا حال ہے؟" میسن نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"آج میں وقت سے پہلے آگیا۔ میں نے دوسرا روٹ استعمال کیا تھا۔" میسن نے کہا اور دوسرے روٹ کی تفصیل بتانے بیٹھ گیا۔ چارلس سنتا رہا اور بور ہوتا رہا۔

پھر کیلر اور وکٹر آگئے۔ چھوٹا سا کمرا بے حد بھرا بھرا لگنے لگا۔ چالس نے وکٹر کو دیکھ کر منہ بنایا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وکٹر لمحہ بہ لمحہ اس جاب کا حصہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یہ بات ناپسند تھی لیکن وکٹر کی موجودگی پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی مسخرا کسی گینگسٹر کو اتنے والہانہ انداز میں مسلسل مسکرا کر دیکھتا رہے تو گینگسٹر بینک کیا خاک چرائے گا۔

"ہرمن ابھی نہیں آیا۔" کیلر نے کہا۔

"تم نے بات کی تھی اس سے؟" چارلس نے پوچھا۔

"ہاں' وہ آجائے گا۔"

چارلس پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ اس کے ذہن پر سوگواری سی مسلط تھی۔ کیلر ٹھیک ٹھاک آدمی تھا.......... لیکن وہ اپنے گرد عجیب نمونے قسم کے آدمی جمع رکھتا تھا۔ وکٹر کی مثال سامنے تھی اور اب کیلر' ہرمن ایکس نامی قفل شکن کو لانے والا تھا۔ کیا پتا.......... اسے تالے توڑنے کا سرے سے تجربہ ہی نہ ہو اور اگر وہ بھی وکٹر کی طرح مسکرانے والا نکلا تو.......... اس نے بری طرح سر جھٹکا۔ ایک کام کے لئے ایک ہی آدمی کافی ہے۔

"سرمایہ مل گیا ہے۔" کیلر نے اعلان کیا۔ وہ چارلس کے برابر بیٹھا تھا۔ وکٹر نے دانستہ چارلس کے عین سامنے والی کرسی پکڑی تھی۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

"پورے چار ہزار ڈالر!" چارلس نے استفسار کیا۔

"ہاں.......... پورے چار ہزار۔"

"آج میں بھی پیوں گا۔" وکٹر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

چارلس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور انگلیوں کی جھریوں میں سے وکٹر کو دیکھا۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ وکٹر مسکرا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے انگلیاں بھینچ کر جھریاں بند کر دیں۔ گویا کھڑکیوں پر پردے گرا دیئے۔ اچانک رولو نے کمرے میں جھانکا۔

"ایک سیاہ فام آیا ہے۔ کیلر کو پوچھ رہا ہے۔" اس نے بتایا۔

"اسے بھیج دو۔" کیلر نے رولو سے کہا۔ پھر چارلس سے بولا۔ "ہرمن ایکس ہی ہے۔"

چند لمحے بعد ہرمن ایکس کمرے میں داخل ہوا۔ کیلر نے اسے سب سے متعارف کرایا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر چارلس نے ہرمن سے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ میں تم سے ناواقف ہوں۔"

"میرا خیال ہے' ہمارے تعلقات کا دائرہ مختلف ہے۔" ہرمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے تجربے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ تمہیں تجربہ یقیناً ہو گا۔" چارلس کے لہجے میں تشویش تھی۔

ہرمن کی مسکراہٹ اور کشادہ ہو گئی۔ "ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہم اتنے گواہوں کی موجودگی میں اپنے تجربات کے کوائف بیان نہیں کر سکتے۔" اس نے حاضرین کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسی بات نہیں ہرمن۔ یہاں سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" کیلر نے جلدی سے کہا۔ پھر چارلس سے بولا۔ "تم بے فکر ہو۔ ہرمن اپنے فن میں طاق ہے۔"

چارلس بدمزگی سے اسے دیکھتا رہا۔

ہرمن نے ان سبھوں کو دیکھا اور بولا۔ "رات میں براڈوے تھیٹر کے ڈاکے میں شریک تھا۔"

"اوہ' تو وہ تم تھے۔ میں نے صبح اخبار میں پڑھا تھا۔ اس کے بارے میں۔" کیلر نے کہا۔

وہ خبر چارلس نے بھی پڑھی تھی۔ "تو تم نے وہاں کس قسم کے قفل کھولے؟" اس نے ہرمن سے پوچھا۔

"نہیں.......... اس جاب میں مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ ایف بی آئی والے تحقیقات کر رہے ہیں۔" ہرمن نے برسبیل تذکرہ کیا۔

"آہ.......... ایف بی آئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں نے وہاں ایکس ماہ کام کیا ہے۔" وکٹر نے دردناک لہجے میں کہا۔

ہرمن اچھل کھڑا ہوا۔ اس کی کرسی الٹ گئی۔ "ک.......... کیا.......... یہاں کیا ہو رہا ہے؟ میرے لئے جال بچھایا گیا ہے کیا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔" کیلر نے اسے دلاسا دیا۔

لیکن ہرمن بدستور شک آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

"یہ میرا بھتیجا وکٹر ہے۔" کیلر نے وضاحت کی۔ "ایف بی آئی میں رہ چکا ہے لیکن بالآخر انہوں نے اسے نکال دیا۔"

"خیر.......... نکالا تو نہیں۔" وکٹر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "اسے ایک طرح کا سمجھوتا کہا جا سکتا ہے۔"

"سمجھوتے کا مطلب؟" ہرمن پھر بھڑک گیا۔

کیلر نے بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا۔ اس دوران وہ وکٹر کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ وکٹر خاموشی سے اپنے جام کو گھورتا رہا۔

چارلس نے زندگی میں تحمل سے کام لینا بڑی مشکل سے سیکھا تھا اور اس کی بھاری قیمت ادا کی تھی۔ چنانچہ اس نے ان کی گفتگو میں دخل نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ذرا ہی دیر میں وہ سب ایک دوسرے کو تھپکا ماریں گے۔ وہ تحمل کی ڈور مضبوطی سے تھامے بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد کشیدگی کے بادل چھٹ گئے۔ سب مسکرانے لگے۔ تب چارلس نے زبان کھولی۔ ”ہمیں ایک قفل شکن کی ضرورت تھی۔“

”اور میں قفل شکن ہوں۔“ ہرمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”گزشتہ رات کی واردات‘ میں میں محض ایک ساتھی کی حیثیت سے شریک تھا۔ تاہم میں قفل توڑتا رہا ہوں۔ اب میرا تجربہ سن لو۔ مسٹر ایونیو کی سپر مارکیٹ میں واردات صرف تین ہفتے پرانی ہے۔ اس سے دو ہفتے پہلے لینوکس ایونیو پر ٹینڈر لون کمپنی کی تجوری پر اس ناچیز ہی نے ہاتھ صاف کیا تھا۔ اس سے دو دن پہلے ۵ نومبر بار کی تجوری میری زد میں آئی تھی۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے اٹلانٹک سٹی میں بالمی بریز ہوٹل کا سیف اور اس سے تین دن پہلے جیروم ایونیو پر واقع کیش ایجنسی..........“

”تب تو تمہیں کام کی ضرورت نہیں ہے۔“ کیلر نے بے حد مرعوب ہو کر کہا۔ وہ تو تم پہلے ہی بہت مصروف ہو۔“

”اور امیر بھی ہو۔“ میسن نے ٹکڑا لگایا۔

ہرمن سر جھٹکتے ہوئے مسکرایا۔ ”حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مجھے کام اور رقم دونوں کی شدید ضرورت ہے۔ میں قلاش ہو گیا ہوں۔“

”کمال ہے۔ تم نے اتنی ساری دولت اتنی جلدی ختم کر دی!“ کیلر بولا۔

لیکن وکٹر بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ ”اوہ.......... تو تم اپنی تحریک کی مالی مدد کر رہے ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں‘ یہی بات ہے۔“ ہرمن نے کہا اور پھر تفصیلی وضاحت کی۔

”تم نے آزادانہ طور پر آخری واردات کب کی تھی؟“ چارلس نے ہرمن سے

پوچھا۔“

”ایک سال پہلے سینٹ لوئیس میں ایک بینک لوٹا تھا۔“

”تمہارے ساتھی کون تھے؟“

”اسٹین اور مورٹ۔ کوبلر ڈرائیور تھا۔“

”میں کوبلر کو جانتا ہوں۔“ کیلر نے اعلان کیا۔

چارلس بھی کوبلر کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ ”آل رائٹ۔“

”میں تم لوگوں کے تجربات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ میرے لئے صرف کیلر کی بات ہی کافی ہے۔ البتہ مجھے کام کے بارے میں ضرور بتاؤ۔“

چارلس نے ایک طویل سانس لی۔ یہ وہ لمحہ تھا جس سے وہ خوف زدہ تھا۔ ”ہمیں ایک بینک چرانا ہے۔“ اس نے کہا۔

”تمہارا مطلب ہے بینک میں چوری کرنی ہے۔“ ہرمن کے لہجے میں الجھن تھی۔

”نہیں‘ بینک چرانا ہے۔“ چارلس نے کہا اور پھر کیلر سے مخاطب ہوا۔ ”تفصیل تمہی بتاؤ۔“

کیلر تفصیل بتانے لگا۔ ابتدا میں تو ہرمن مسکراتا رہا۔ وہ منتظر تھا کہ اب منصوبے کا کوئی جان دار پہلو سامنے آئے گا لیکن پھر اس کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ اس نے یوں گھبرا کر چاروں طرف دیکھا جیسے پاگلوں میں آپھنسا ہو۔ آخر میں اس نے کہا۔ ”گویا وقت کا کوئی مسئلہ نہیں میرے پاس سیف کھولنے کے لئے لامتناہی وقت ہے اور میں دن میں بھی کام کر سکتا ہوں۔“ کیلر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بینک کو چھپانے کے لئے جگہ نہیں ہے۔“ چارلس نے کہا۔ ”اور ابھی ٹرالر کے لئے پہیے بھی حاصل کرنے ہیں۔“

”میں پہیوں کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں لیکن مجھے مدد کی ضرورت ہے۔“ میسن نے کہا۔

ہرمن جیسے جیسے سوچتا گیا اس کی باچھیں کھلتی گئیں۔ ”گڈ.......... گویا ہم ایک بینک کو آزادی دلانے والے ہیں۔“ اس نے تحریک کی زبان میں کہا۔

”نہیں‘ ہم ایک بینک پر قابض ہونے والے ہیں۔“ کیلر نے اپنے جرمن ہونے کا

ثبوت دیا۔

"ایک ہی بات ہے۔" ہرمن نے سہلاتے ہوئے کہا۔ "یقین کرو' ایک ہی بات ہے۔"

☆------☆------☆

مسز مَرج پوز دے رہی تھی اور میگی تصویریں کھینچنے میں مصروف تھی۔ راہگیر بھی انہیں ڈسٹرب کرنے سے بچ رہے تھے۔ بعض تو راستہ تک بدل لیتے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ کھسکتے کھسکتے عارضی بینک تک پہنچ گئیں۔ اب انہیں اصل تصویر کھینچنا تھی۔

☆------☆------☆

چارلس اور کیلر نارنجی ڈاٹسن میں لانگ آئی لینڈ کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ انداز ایسا تھا' جیسے ان کا کوئی پالتو پرندہ کھو گیا ہو۔ "اوہ.......... یہ تو اناج گودام معلوم ہوتا ہے۔ خالی ہے کیا؟" کیلر نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا۔" چارلس نے چڑ کر کہا۔

"چلو' دیکھتے ہیں۔"

اب تک وہ سات اناج گودام دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے ایک متروک ایئر فیلڈ بھی دیکھا تھا۔ جو کسی زمانے میں فلائنگ اسکول رہا ہوگا لیکن' اب ایئر فیلڈ پر ہپیوں کا قبضہ تھا۔ وہ وہاں کار روک کر اترے ہی تھے کہ ہپیوں نے جو انہیں شیرف اور ڈپٹی شیرف سمجھے تھے' بے دخلی کے خلاف مظاہر شروع کردیا تھا۔ اس سے پہلے کہ مظاہرے میں تشدد کا عنصر شامل ہوتا' وہ دونوں کار میں بیٹھ کر بھاگ نکلے کہ عافیت اسی میں تھی۔

یہ ان کی تلاش کا تیسرا دن تھا اور ہر دن نتائج کے اعتبار سے ایک سا تھا۔ صرف کار مختلف تھی کیونکہ چوری کی کار دوسرے دن استعمال کرنا بھی مخدوش ہوتا ہے۔

☆------☆------☆

وکٹر سیاہ پیکارڈ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہرمن اس کے برابر بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں مضافاتی علاقے کو کھنگال رہی تھیں۔ "کمال ہے' ٹرالر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی کیا؟" ہرمن بڑبڑایا۔

وکٹر اس بے سود تلاش سے بیزار ہو چکا تھا۔ اس سے بہتر تو ایف بی آئی تھی۔ ایف

بی آئی کا خیال آتے ہی اسے اپنی تربیت یاد آگئی۔ "مسٹر ایکس.......... آپ اخبار تو پڑھتے ہوں گے؟" اس نے عادتاً پوچھا۔

☆------☆------☆

چارلس تھکے تھکے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہوگیا اور ٹی وی کے خالی اسکرین کو گھورنے لگا۔

"کیا رہا؟" میگی نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ان تین دنوں میں انسائیکلو پیڈیا کے ذریعے میں کم از کم سو ڈالر کما سکتا تھا۔" چارلس نے آہ بھر کر کہا۔

میں تمہارے لئے بیئر لاتی ہوں۔" میگی نے کہا۔

☆------☆------☆

مسز مَرج نے تصویروں کو بدمزگی سے دیکھا اور بولی۔ "زندگی میں مَیں کبھی اتنی بے وقوف نظر نہیں آئی۔"

"ان تصویروں میں اہمیت آپ کی نہیں ممی۔" میسن نے اسے سمجھایا۔

مسز مَرج نے اس تصویر پر انگلی رکھ دی جس میں اس کا سرندارد تھا۔ "یہ سب سے اچھی تصویر ہے۔" اس نے کہا۔ "کم از کم کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میں ہوں۔"

میسن اس وقت پیمائش کے مرحلے میں تھا۔ تینوں تصویریں اس کے سامنے تھیں۔ ممی کے لباس کی پٹیوں کی چوڑائی اور تسموں کے سوراخوں کا درمیانی فاصلہ پیمانے کا کام دے رہا تھا۔ اس نے تینوں تصویروں سے حاصل کردہ نتائج ایک کاغذ پر لکھے اور بولا۔

"ٹرالر کی اونچائی اڑتیس انچ ہے۔"

"تو اب میں یہ تصویریں جلا دوں؟" اس کی ممی نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' ضرور جلادیں۔"

مسز مَرج نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹ لیں۔ وہ بے حد خوش نظر آرہی تھی۔

☆------☆------☆

متروک عمارات کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے ہرمن نے اچانک کہا۔ "ہم غلامی کی تین صدیوں سے نبرد آزما ہیں۔"

وکٹر نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے سیاست سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"لیکن تم ایف بی آئی میں تھے۔"

"ہاں...... لیکن صرف ایڈونچر کی خاطر۔"

ہرمن نے اسے غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کو اس کی نگاہوں سے الجھن جھلکی پھر وہ مسکرادیا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"اور میرے نزدیک ایڈونچر کے معنی تھے ایف بی آئی۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"خوب، سمجھ رہا ہوں۔ جیسے میرے نزدیک ایڈونچر کے معنی ہیں تحریک۔"

☆------☆------☆

میسن نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ "منصوبہ اتنا اچھا تو معلوم نہیں ہوتا کہ کامیابی یقینی ہو۔"

"تمہیں متروک عمارات تلاش کرنا ہیں۔" اس کی ماں نے اسے یاد دلایا اور خود متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ "یہ ٹن ٹن کی آواز کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید قریب ہی کوئی چرچ ہے۔"

"تو تلاش کرو چرچ ہے کہاں؟"

میسن نے چرچ کے سامنے گاڑی روک دی۔ چرچ کی عمارت بے حد خستہ حال تھی۔ وہ دونوں کار سے اترے اور چرچ کی نیم تاریک عمارت میں داخل ہوگئے۔ شروع میں تو انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ پھر انہوں نے ایک پادری کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ "کہو میرے بچو...... میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟" اس نے شفقت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میسن نے کہا اور پلٹ گیا۔

"ہم یہ دیکھنے آئے تھے کہ یہ جگہ متروک تو نہیں۔" مسز مَرچ نے وضاحت کی۔

"متروک ہی ہے۔" پادری نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "متروک ہی تو ہے۔"

"متروک تو آپ ہیں فادر۔ چرچ متروک ہوتا تو ہمارا بھلا ہوجاتا۔" مسز مَرچ نے

بے حد احترام سے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ گئی۔

☆------☆------☆

"مس! میں یہاں اکاؤنٹ کھولنا چاہتا ہوں۔" کیلر نے عارضی بینک کی کلرک سے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" لڑکی نے کہا۔ "ابھی متعلقہ افسر آکر آپ سے بات کرے گا۔"

"شکریہ۔" کیلر نے بیٹھتے ہوئے کہا اور بینک کے اندرونی حصے کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔ تجوری آخری سرے پر تھی اور اتنی غیر موثر نہیں لگ رہی تھی جتنا کہ وکٹر نے بیان کیا تھا۔ چوڑائی میں وہ تقریباً ٹرالر کے برابر تھی۔ اس وقت اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازہ بہت موٹی چادر کے برابر تھا۔ بینک کو سینے تک بلند کاؤنٹر کے ذریعے کسٹمرز سے جدا کردیا گیا تھا۔ اس کاؤنٹر میں کہیں کہیں دروازے تھے۔ پارٹیشن حرف "سی" کی شکل کا تھا۔ نیم دائروں کی جگہ خط مستقیم تھا۔ کسٹمرز سیکشن میں کلرک لڑکی کے علاوہ ایک بوڑھا گارڈ بیٹھا تھا۔

کیلر نے پورا نقشہ ذہن نشین کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں پھر کسی وقت آؤں گا۔" اس نے کلرک لڑکی سے کہا۔ لڑکی نے اثبات میں سرہلادیا۔

☆------☆------☆

"کمال ہے۔ باہر سے تو یہ کوئی عام سا گیراج معلوم ہوتا ہے۔" ہرمن نے وکٹر کا کمرا دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"مجھے اس تبصرے پر خوشی ہوئی۔" وکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ میری کامیابی کا ثبوت ہے۔"

☆------☆------☆

چارلس بیڈ روم سے نکلا تو سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔ سر پر سیاہ ٹوپی بھی تھی۔ میگی نشست گاہ میں بیٹھی پردوں کی ترپائی کر رہی تھی۔ "کہیں جارہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جلد ہی آجاؤں گا۔" چارلس نے کہا۔

☆------☆------☆

وہ جمعے کی شام تھی۔ ریلوے اسٹیشن کے پارکنگ لاٹ میں بے شمار کاریں موجود تھیں۔ وکٹر اور ہرمن وکٹر کی پیکارڈ میں آئے۔ کار پارک کر کے وہ ویٹنگ روم میں چلے آئے۔ وہ اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔ پھر ہیڈ لائٹس نظر آتے ہی وہ باہر نکل آئے۔ اس بار آنے والے میسن اور چارلس تھے۔ میسن نے گاڑی پارک کی.......... اور پھر وہ دونوں ان سے آملے۔

"کیلر نہیں آیا ابھی؟" چارلس نے پوچھا۔

"کہیں کسی مشکل میں تو نہیں پھنس گئے انکل!" وکٹر نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"لو.......... وہ آگیا۔" ہرمن نے کہا۔

"کاش' کوئی ڈھنگ کی چیز لایا ہو میرے لئے۔" میسن نے آہ بھر کر کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کیلر نے ٹرک پارک کردیا۔ ڈاج ٹرک خاصا بڑا تھا۔ باکس پندرہ فٹ لمبا تھا۔ اس کے اطراف میں پینٹ سے کمپنی کا نام لکھا گیا تھا.......... لارٹن پیپر ملز۔ اس کے عقبی دروازوں پر دو شہروں کے نام لکھے گئے تھے۔ ٹورنٹو' انٹاریو' نمبر پلیٹ نیویارک کی تھی۔

کیلر انجن اسٹارٹ چھوڑ کر نیچے اترا۔ اتنے میں وہ چاروں تک پہنچ چکے تھے۔ "اس ٹرک پر تمہارے التفات کی کوئی خاص وجہ؟" میسن نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خالی تھا۔ ہم بوجھ اتارنے سے بچ گئے۔" کیلر نے جواب دیا۔

میسن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ "بہرحال.......... کام چل جائے گا۔"

"کہو تو کوئی دوسرا لے آؤں۔" کیلر نے پیشکش کی۔

"نہیں بھئی۔ میں نے کہا نا' کام چل جائے گا۔"

"اب چل دو۔" چارلس نے کہا۔ کیلر' وکٹر' ہرمن اور چارلس باکس کھول کر اس میں جا بیٹھے۔ میسن نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ باکس کے اندر سیاہ پینٹ کیا گیا تھا۔ وہ سب ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھے' کیونکہ نظر کچھ نہیں آرہا تھا۔ اتنی دیر میں میسن نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر چارلس نے اپنی ناک مروڑی اور لمبے لمبے سانس لئے۔

"کوئی پیتا رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ "بو آرہی ہے۔ اس کا مطلب ہے' کسی نے پی ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"بو تو مجھے بھی آرہی ہے۔" کیلر بولا۔ اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ چارلس کے مقابل بیٹھا ہے۔

"اوہ.......... تو یہ میٹھی میٹھی بو شراب کی ہے؟" وکٹر نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"وہسکی معلوم ہوتی ہے۔" ہرمن نے تبصرہ کیا۔ "لیکن اسکاچ نہیں ہے۔"

"بوربن بھی نہیں ہے۔" کیلر نے فیصلہ سنایا۔

"سوال یہ ہے کہ کس نے پی ہے۔" چارلس نے سخت لہجے میں کہا۔ "جاب کے دوران پینے کے سخت خلاف ہوں میں۔"

اب تردید کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر شخص منکر تھا کہ اس نے نہیں پی ہے۔ "میں تو خیر پیتا ہی نہیں ہوں۔" وکٹر نے کہا۔

"لیکن ہم میں سے کوئی ایک پیتا رہا ہے۔ یہ بات طے ہے۔" چارلس نے اصرار کیا۔

"تو اب تم منہ چیک کرو گے؟" ہرمن نے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بو ویسے ہی آرہی ہے۔" چارلس بولا۔

"واقعی پورے باکس میں رچی ہوئی ہے بو۔" کیلر نے تائید کی۔

"ایک منٹ.......... ایک منٹ.......... میں سمجھ گیا۔" ہرمن نے کہا۔ آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کھڑا ہوا ہے اور ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھ رہا ہے۔ نظر کسی کو کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر ٹکرانے کی آواز کے ساتھ ہرمن کی کراہ سنائی دی۔ اس کے فوراً بعد وکٹر کی ہلکی سی چیخ اور ہرمن کا سوری' پھر دھاتی آواز.......... اور ہرمن نے نعرہ لگایا۔ "ہاں' اب سمجھے کیا چکر ہے؟"

"نہیں۔" چارلس نے جواب دیا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ جس نے پی ہے' اعتراف بھی نہیں کر رہا ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ ہرمن ہی نے پی ہے اور اب انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

"کینیڈا کی ہے۔" ہرمن نے چہک کر کہا۔

کیلر نے گہرا سانس لیا اور بولا۔ "خدا کی قسم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ کینیڈا کی وہسکی ہے۔"

"یہاں ایک چور دیوار ہے۔" ہرمن نے اعلان کیا۔ "دیوار کے پیچھے بوتلیں ہی بوتلیں ہیں اور میرا خیال ہے' ایک بوتل ٹوٹ گئی ہے۔ یہ یقیناً اسمگلروں کا ٹرک ہے۔"

"کیا؟ اسمگلروں کا ٹرک۔ لعنت ہو!" چارلس نے چیخ کر کہا۔

"واہ ہرمن تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" وکٹر نے ستائشی لہجے میں کہا۔ اس کا انداز ایف بی آئی کے کسی ایجنٹ سا تھا۔ "انکل.......... یہ ٹرک تمہیں کہاں سے ملا؟" اس نے کیلر سے پوچھا۔

"وکٹر!" کیلر نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب تم ایف بی آئی میں نہیں ہو۔"

"واہ' میں نے تو چور دیوار کا کھٹکا ڈھونڈ لیا۔" ہرمن کی آواز سنائی دی.......... پھر کھٹکا اور کچھ گرنے کی آواز پھر ہرمن نے ماچس کی تیلی جلائی۔ تب ان سبھوں کو ہرمن نظر آیا۔ وہ ایک پارٹیشن پر جھکا ہوا تھا۔ "سگریٹ کے بے شمار کارٹن بھی ہیں۔" اس نے اعلان کیا۔ "ورجینیا سلمز۔"

"یہ تو میرا برانڈ ہے۔ مزے آگئے۔" چارلس نے خوش ہو کر کہا۔

"اُف' انگلی جل گئی میری۔" ہرمن چیخا۔ تیلی بجھ گئی۔

"بس اب چین سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارے یہ ہاتھ بہت اہم ہیں ہمارے لئے۔" چارلس نے کہا۔

ہرمن بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر ہرمن نے فریاد کی۔ "بدبو' سخت بدبو ہے یہاں۔"

"میری قسمت ہی خراب ہے۔" کیلر نے دردناک لہجے میں کہا۔ "میں نے یہ سوچ کر پیپر کمپنی کا ٹرک چرایا تھا کہ یہ صاف ستھرا ہوگا۔ میرا دماغ پھٹا جارہا ہے۔"

"مجھے قے ہونے والی ہے۔" وکٹر نے اعلان کیا۔ اس اعلان نے سب کی گرہیں کھول دیں۔ سب کا جی متلانے لگا۔ "گاڑی رکوائیں۔" چارلس نے سانس روک کر کہا۔

"اب تو کسی سے ہلا بھی نہیں جائے گا۔" ہرمن نے کہا۔ چارلس دل ہی دل میں

اس کی تائید کر کے رہ گیا۔ مین کو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ سکون سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اب اسے سامنے ہی بورڈ نظر آرہا تھا۔ لیفرٹی موبائل ہومز.......... نئے پرانے اور ری کنڈیشنڈ' مرمت کا انتظام بھی ہے۔ اس نے دروازے کے سامنے ٹرک روک دیا۔ پھر وہ اترا' پیچھے آیا اور عقبی دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی بھونچال آگیا۔ اس کے تمام ساتھی کمان سے نکلے ہوئے تیروں کی طرح نکلے اور مختلف سمتوں میں لپکے۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ اس نے باکس کے اندر جھانکا' لیکن اتنی تاریکی میں نظر کیا آتا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی ساتھی بھی نظر نہیں آرہا تھا جس سے وہ کچھ پوچھتا۔ اس نے جاکر گلوز کمپارٹمنٹ سے ٹارچ نکالی اور پھر عقبی حصے کی طرف آیا۔ اس دوران چارلس لڑکھڑاتا ہوا آتا نظر آیا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" مین نے پوچھا۔ "میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ ہتھیار ڈال رہا ہوں۔"

"میں بھی ہتھیار ڈال رہا ہوں۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔ "آئندہ کیلر کے ساتھ کسی کام میں پھنسوں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔"

اس دوران دوسرے ساتھی بھی حلق اور معدے کی ورزش سے فارغ ہو کر واپس آچکے تھے۔ ہر شخص کی ناک میں سوزش ہو رہی تھی۔

"خدا کی پناہ! تم ٹرک چرانے گئے اور کیسا ٹرک چرا کر لائے۔" ہرمن نے کہا۔

"میں کیا کرتا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔ "خود پڑھ لو' ٹرک پر کیا لکھا ہے۔"

"میں نہیں پڑھوں گا۔" ہرمن نے دانت پیس کر کہا۔ "میں اس ٹرک پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں آئندہ کبھی اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"پڑھ کر دیکھو۔" کیلر مصر تھا۔ وہ باکس کے پہلو کی طرف بڑھا اور حروف تھپتھپاتے ہوئے چیخا۔ "یہ لکھا ہے.......... پیپر سمجھے.......... پیپر۔"

"تم تو ارد گرد کی تمام بستیوں کو جگا دو گے۔" ہرمن نے کہا۔

"یہ پیپر لکھا ہے.......... سمجھے۔" کیلر نے سرگوشی میں کہا۔

مین نے چارلس کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے' مجھے آخر تک پتا نہیں چلے گا کہ

چکر کیا ہے۔"

"کل پوچھنا۔" چارلس نے جواب دیا۔

وکٹر سب سے آخر میں آیا اور ناک سکتے ہوئے بولا۔ "توبہ توبہ' آنسو گیس سے بدتر چیز ہے۔" چارلس کو یہ دیکھ کر خوشی اور سکون ہوا کہ وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔

مین نے ٹارچ کی روشنی میں باکس کا جائزہ لیا۔ پھر سر جھٹک کر بولا۔ "مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔" پھر اس نے جا کر ڈرائیونگ سیٹ سے اپنا سیاہ تھیلا نکالا۔ کیلر اپنے شاپنگ بیگ نکال لایا۔ وہ جنگلے کی طرف پہنچ گئے کیلر نے اپنے بیگ سے گوشت کے پارچے نکالے ور ایک ایک کر کے جنگلے کے پار اچھال دیئے۔ چند ہی لمحے بعد رکھوالی کے کتے نمودار ہوئے اور گوشت پر جھپٹے۔ وہ چار کتے تھے۔ ہر ایک کے حصے میں دو دو پارچے آئے۔

ہرمن اپنا بیگ اٹھا کر گیٹ کی طرف چل دیا۔ گیٹ میں کئی مختلف قسم کے تالے لگے ہوئے تھے۔ ہرمن نے اپنا بیگ کھول کر اوزار نکالے اور مصروف ہوگیا۔ فضا میں اوزاروں کی کھنک کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ اس آپریشن کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ لیفرٹی والوں کو چوری کا پتا ہی نہ چل سکے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ تالے توڑے نہ جائیں بلکہ اس طرح کھولا جائے کہ دوبارہ بند بھی ہوسکیں۔

ہرمن کام کرتا رہا۔ وکٹر' کیلر اور چارلس زمین پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لیتے رہے۔ چند لمحوں بعد ان کی رنگت بحال ہوگئی' جو الٹیوں کی وجہ سے اڑ گئی تھی۔ وہ علاقہ سنسان تھا۔ ایک میل دور تین اطراف میں رہائشی مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا تھا لیکن ابھی تک آبادی نہیں ہوئی تھی۔

"آل رائٹ۔" ہرمن نے اعلان کیا۔

چارلس نے اس کی طرف دیکھا۔ گیٹ کھل گیا تھا۔ ہرمن اپنے اوزار دوبارہ بیگ میں رکھ رہا تھا۔

چند لمحے بعد وہ سب گیٹ سے داخل ہوگئے۔ مین نے کتوں کی گنتی میں غلطی نہیں کی تھی۔ چاروں کتے گہری نیند سو رہے تھے۔ پانچواں ہوتا تو یقیناً بھونکتا' لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ اندر پہنچ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ کسی اجڑے ہوئے شہر میں آگئے ہیں۔ جگہ جگہ

بڑے بڑے ٹرالر کھڑے تھے۔ موبائل ہومز۔ ایک طرف پرزوں کا انبار لگا تھا۔ وہاں بڑے بڑے آہنی ڈھانچے بھی تھے۔ کھمبوں پر آویزاں فلیش لائٹس کی روشنی ناکافی تھی مگر اتنی ضرور تھی کہ انہیں راستہ تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ ویسے بھی چارلس' مین کے ساتھ گزشتہ شام' یہاں آچکا تھا۔ سیکنڈ ہینڈ موبائل ہوم کے خریدار کی حیثیت سے انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے مطلب کی چیز کہاں رکھی ہے۔

چارلس نے انڈر کیرج کی پیمائش کی اور مطمئن ہوگیا۔ تاہم وہ بھاری تھا۔ وہ اسے پکڑ دھکڑ کر باہر لے آئے۔ باہر آتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ گئے۔ انڈر کیرج کو ٹرک میں رکھوانے کے بعد چارلس نے مین سے کہا۔ "میں آگے بیٹھوں گا۔"

"میں بھی۔" ہرمن نے مستعدی سے کہا۔

"ہم سب آگے بیٹھیں گے۔" کیلر نے نہایت حلیمی سے کہا۔ وکٹر نے بڑی شدت سے سر کو تائیدی جنبش دی۔

مین نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "پانچ آدمیوں کی گنجائش تو نہیں ہوگی۔"

"ہوجائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم سمٹ کر بیٹھ جائیں گے۔"

"تھوڑی سی تکلیف ہی سہی۔" وہ سب اپنی اپنی ہانکنے لگے۔

"لیکن یہ خلافِ قانون ہے۔" مین نے انہیں یاد دلایا۔ "دو آدمیوں سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے۔ چالان بھی ہوسکتا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" چارلس نے کہا اور اگلے حصے میں گھس گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وکٹر' ہرمن اور کیلر بھی گھس آئے۔ وہ اس وقت کالج کے شریر طالب علم معلوم ہو رہے تھے' مین نے تعجب سے سر ہلایا لیکن کوئی تبصرہ کئے بغیر ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔ گیئر لگانے میں دشواری ہو رہی تھی۔ گیئر کے لیور کی جگہ چھ سات گھٹنے موجود تھے۔ "اب میں چوتھا گیئر کیسے لگاؤں گا؟" اس نے فریاد کی۔

"مجھے بتادو' میں لگادوں گا۔" ان چاروں نے بیک آواز کہا۔

جیسے تیسے ٹرک چل پڑا۔ خوش قسمتی سے ٹریفک زیادہ نہیں تھا اور ٹریفک پولیس سے بھی واسطہ نہیں پڑا لیکن جب بھی ٹرک اچھلتا' چار چیخیں سنائی دیتیں۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تم لوگوں نے عقبی حصے میں کھل کر بیٹھنے پر یہاں پھنس کر بیٹھنے کو کیوں ترجیح

دی ہے۔" راستے میں مین نے کہا مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ٹرک کو پروگرام کے مطابق متروک کمپیوٹر پلانٹ کے سامنے روک دیا گیا۔ چاروں ساتھیوں نے انڈر کیرج کو ٹرک سے اتار کر اندر پہنچایا۔ وہ واپس آئے تو مین ٹارچ کی روشنی میں ٹرک کے باکس کو ٹٹولتا پھر رہا تھا۔

"ہم فارغ ہوگئے۔" چارلس نے اعلان کیا۔ مین نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ "یہ.......... یہ بو کیسی ہے؟" اس نے نتھنے سکوڑ کر پوچھا۔

"وہسکی کی۔" کیلر نے جواب دیا۔

"کینیڈین وہسکی۔" ہرمن نے وضاحت کی۔

مین نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا اور زخمی لہجے سے بولا۔ "اور تم لوگ اکیلے اکیلے ہی پی گئے۔ مجھے پوچھا تک نہیں تم نے؟ خیر کوئی بات نہیں؟"

ان چاروں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

☆------☆------☆

اتوار کی صبح چار بج کر بیس منٹ پر پولیس کی پٹرول کار ٹرالر بینک کے پاس سے گزری۔ کار میں موجود دونوں پولیس والوں نے بینک کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت بینک میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کسی من چلے نے خالی بینک کو لوٹنے کی حماقت بھی کی تو پولیس اسٹیشن میں الارم بج اٹھے گا اور وہاں سے انہیں مطلع کردیا جائے گا۔ وہ محفوظ ترین بینک تھا۔ دروازہ پوری طرح الارم وائرنگ کی لپیٹ میں تھا۔ کھڑکیوں کا بھی یہی حال تھا۔ چڑیا سے بڑا کوئی بھی جانور اندر داخل ہوتا تو الارم چیخ اٹھتا۔

مین پیٹرول کار کے گزرنے کے بعد ٹرک سے اترا۔ ٹرک کو ذیلی سڑک کے کنارے پارک کیا گیا تھا۔ اس بار ٹرک ایک گارمنٹ کمپنی کا تھا۔ اس بار کیلر نے بہت زیادہ دیکھ بھال کے بعد ٹرک چرایا تھا۔ چنانچہ ہر شخص اچھے موڈ میں تھا۔ ٹرک کے اندر چارلس' کیلر' ہرمن اور وکٹر کے علاوہ انڈر کیرج بھی تھا۔ جس کا اب حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ ان لوگوں نے ہفتے کی شام کمپیوٹر کے متروک پلانٹ میں اس پر بڑی محنت کی تھی۔ اب وہ بالکل نیا معلوم ہو رہا تھا۔

مین نے ٹرک کا عقبی دروازہ کھول کر اعلان کیا۔ "پولیس والے جاچکے ہیں۔ اب وہ آدھے گھنٹے بعد واپس آئیں گے۔ تمہیں اٹھائیس منٹ کی مہلت مل گئی ہے۔"

ان پانچوں نے مل کر ٹرک سے انڈر کیرج اتارا اور اسے گھسیٹتے ہوئے ٹرالر کے نیچے لے گئے۔ اس کے بعد مین دوبارہ ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔ اسے گردوپیش پر نظر رکھنا تھی۔ ٹرالر کے نیچے باقی چاروں ساتھیوں نے پنسل ٹارچیں نکالیں۔ نچلے حصے سے دو جیک منسلک تھے۔ وہ کام میں مصروف ہوگئے بالآخر ٹرالر اٹھنے لگا۔ چند لمحے بعد اتنا خلا ہوگیا کہ سڑک کی روشنی ٹرالے کے نیچے پہنچنے لگی۔ پہیے لگانے کا کام خاصا دشوار ثابت ہوا

لیکن بالآخر ہوگیا۔ پھر جیک گھمائے گئے اور ٹرالر نیچے آگیا۔ انہوں نے ٹرالر کو کنکریٹ کے بلاکس پر نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ٹرالر اور بلاکس کے درمیان معمولی سا فاصلہ رکھا۔ وہ امید ہی کرسکتے تھے کہ کوئی اس فرق کو محسوس نہیں کرے گا۔ آگے قسمت جانے۔

چارلس نے آخری بار جائزہ لیا اور ٹرالر کے نیچے سے نکل آیا۔ چاروں ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔ پھر وہ ٹرک میں جا بیٹھے۔ وہ واردات کے اہم ترین مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزر چکے تھے۔ وکٹر کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ سب سے زیادہ خوش تھا۔ وہ ایک سچ مچ کی واردات میں جو شریک تھا۔

☆------☆------☆

جوزف کو بینک میں داخل ہوتے ہوئے ٹھوکر لگی۔ اس نے زیرِ لب گالی بکی اور چوبی پائیدان کے آخری قدمچے کو بے حد بدمزگی سے دیکھا۔ وہ مسلسل ساتویں جمعرات تھی کہ وہ بینک میں رات کی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اب تک اسے اس پائیدان کا عادی ہو جانا چاہیئے تھا۔

"کیا ہوا جو؟" بڈھے فینٹن نے پوچھا۔ وہ خود کو چیف کہلوانا پسند کرتا تھا۔ لیکن کوئی بھی اسے چیف نہیں کہتا تھا۔ وہ بے حد مستعد آدمی تھا۔ اس کی ڈیوٹی سوا آٹھ بجے شروع ہوتی تھی لیکن وہ ہمیشہ آٹھ بجے پہنچ جاتا تھا۔ وہ نرم دل بھی تھا۔ کبھی کوئی گارڈ لیٹ بھی ہو جاتا تو وہ اسے پابندی وقت کی اہمیت پر لیکچر دیتا تھا لیکن آفس میں کبھی شکایت نہ کرتا تھا۔

"بڑھاپے کی وجہ سے لڑکھڑانے لگا ہوں۔" جوزف نے جواب دیا۔ وہ خوش تھا جمعرات کی رات کی یہ ڈیوٹی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ ہر جمعرات کو نو بجے تک بینک کے تمام ملازمین رخصت ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد کا وقت سکون کا وقت ہوتا تھا۔ خوب تفریح ہوتی تھی۔

تمام گارڈز آ چکے تھے۔ بینک کو ساڑھے آٹھ بجے تک کھلا رہنا تھا۔ اس وقت سوا آٹھ بجے تھے۔ گویا آئندہ پندرہ منٹ میں بہت زیادہ ہجوم ہونا تھا۔ سات گارڈز کی وجہ سے ہجوم اور زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ ان ساتوں کا تعلق کاؤنٹی ڈیٹیکٹو ایجنسی سے تھا۔ ان کی وردیاں پولیس یونیفارم سے خاصی مماثلت رکھتی تھیں۔ ان کے کندھوں پر سی ڈی

ی کے دھاتی حروف تھے۔ ہولسٹر میں اعشاریہ اڑتیس کے ریوالورز تھے۔ ان میں سے بیشتر سابق پولیس افسر تھے اور یونیفارم میں رہنا پسند کرتے تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے بینک کے گارڈ نے دروازے اندر سے بند کر دیئے۔ اب وہ وقتاً فوقتاً باہر جانے والے کسٹمرز کے لئے دروازہ کھول رہا تھا۔ بینک کے ملازمین اپنی کاغذی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ نو بجے تک تمام کام مکمل ہوگیا۔ رقومات سیف میں رکھ دی گئیں اور سیف مقفل کر دیا گیا۔ پھر ملازمین ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ آخری شخص بینک کا منیجر تھا۔ اس نے جاتے ہوئے بینک کا دروازہ مقفل کر دیا۔ اس کے جانے کے بعد فینٹن نے وہ جملہ دہرایا۔ جو وہ ہر جمعرات کی رات کہتا تھا۔ "لڑکو' اب ہم ڈیوٹی پر ہیں۔"

"ہاں۔" جوزف نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ بلاک وہ فولڈنگ ٹیبل اٹھانے چل دیا جو تجوری کے قریب رکھی رہتی تھی۔ دوسرے گارڈز اپنی اپنی پسند کی کرسی کی طرف بڑھ رہے تھے ایک منٹ کے اندر اندر کسٹمر ایریا میں فولڈنگ ٹیبل بچھا دی گئی۔ اس کے گرد سات کرسیاں تھیں' جن پر سات گارڈز بیٹھے تھے۔ مورین نے اپنی جیب سے تاش کی دو گڈیاں نکالیں۔ سب نے اپنی اپنی جیب سے ریزگاری نکال کر میز پر اپنے سامنے رکھ لی۔ ڈریسر نے پانچ پانچ پتے بانٹے اور کھیل شروع ہوگیا۔

ڈیڑھ بجے تک صورتِ حال یہ تھی کہ جوزف چار ڈالر اور ستر سینٹ ہار چکا تھا۔ پتے بانٹے گئے اس بار جوزف کے پاس تین چھکے آگئے۔ اس وقت تک پاٹ میں پہلے ہی ایک ڈالر پانچ سینٹ جمع ہو چکے تھے۔ فینٹن نے پچیس سینٹ سے داؤ کا آغاز کیا جو پہلے داؤ کی آخری حد تھی۔ جوزف نے داؤ بڑھانے کا سوچا لیکن زیادہ سے زیادہ کھلاڑیوں کا مقابلے میں رہنا بہتر تھا۔ چنانچہ اس نے بھی پچیس سینٹ بڑھا دیئے۔ گارفیلڈ اور بلاک نے بھی اس کی تائید کی۔ پاٹ میں دو ڈالر پانچ سینٹ جمع ہو چکے تھے۔ اب پتے لینے کا مرحلہ تھا۔ فینٹن نے ایک پتا اٹھایا۔ جوزف دو پتے اٹھاتے ہوئے جھجکا کہ اس طرح اس کے ساتھی سمجھ لیں گے کہ اس کے پاس ٹریل ہے لیکن وہ خطرات مول لینے کے لئے مشہور تھا۔ چنانچہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ یہ اندازہ نہ لگائیں۔ اس کے پاس تین چھکوں کے علاوہ ایک بیگم اور ایک چوکا تھا۔ اس نے چوکا پھینک کر کہا۔ "ایک پتا۔"

گارفیلڈ مسکرایا۔ "پھر لمبے چکر میں ہو۔"

"ہاں، ہوں تو سہی۔" جوزف نے کہا۔ نیا پتا بیگم تھا۔ اب اس کے پاس دو بیگمیں ہوگئیں۔

گارفیلڈ نے تین پتے بدلے۔ گویا اس کے پاس محض ایک جوڑی تھی۔

بلاک نے ایک پتہ بدلا یعنی اس کے پاس دو جوڑیاں تھیں۔ یا فلش تھا یا اسٹریٹ۔

ڈرا کے بعد آخری داؤ پچاس سینٹ کا تھا۔ فینٹن نے پچاس سینٹ لگائے۔ اس کا مطلب تھا کہ پتا بدلنے کے بعد اس کا ہینڈ بہتر ہوگیا تھا۔

جوزف نے پھر اپنے پتے دیکھے۔ حالانکہ وہ اسے زبانی یاد تھے۔ تین چھکے اور دو بیگمیں۔ شاندار فل ہاؤس۔ اس نے داؤ بڑھا کر ایک ڈالر کردیا۔

اس پاٹ میں تین ڈالر پچیس سینٹ تھے جس میں اس کے ایک ڈالر چالیس سینٹ تھے۔

گارفیلڈ نے داؤ بڑھنے پر منہ بنایا لیکن ایک ڈالر پاٹ میں ڈال دیا۔ بلاک نے داؤ بڑھا کر ڈیڑھ ڈالر کردیا۔ موریسن اور فینٹن دستبردار ہوگئے۔

جوزف نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ پاٹ میں اس کی ڈالی ہوئی رقم کے علاوہ چار ڈالر پینسٹھ سینٹ تھے، وہ اپنے پتوں کو دیکھتا اور سوچتا رہا۔ داؤ لگانے اور جیتنے کی صورت میں نہ صرف ہاری ہوئی رقم برابر ہوجاتی بلکہ وہ جیت میں بھی رہتا لیکن ہارنے کی صورت میں..........! وہ دوسرے ساتھیوں کے پتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ گارفیلڈ نے ایک جوڑی سے اسٹارٹ لیا تھا اور بہتر ہوا تھا یعنی اس کے پاس ٹرپل تھی یا دو جوڑیاں۔ اگر بات فلش یا اسٹریٹ کی تھی تو فل ہاؤس ہونے کی وجہ سے جوزف کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ دوسری طرف بلاک نے صرف ایک پتا لیا تھا۔ اسٹریٹ یا فلش ہونے کی صورت میں کوئی دھڑکا نہیں تھا لیکن اگر اس کے پاس بھی فل ہاؤس ہوا تو جوزف کے ہاتھ میں صرف چھکے کا فل ہاؤس اسے تباہ کرسکتا تھا۔

گارفیلڈ اس کی سوچ بچار سے پریشان ہوگیا۔ وہ نروس انداز میں بولا۔ "تم فیصلہ کرو گے یا نہیں جوزف۔"

"ٹھیک ہے، میں داؤ بڑھا رہا ہوں۔" جوزف نے کہا اور دو ڈالر پاٹ میں ڈال

دیئے۔

گارفیلڈ نے مایوسی سے کہا۔ "میں دستبردار ہوا۔"

بلاک نے پھر داؤ بڑھادیا۔ اس کے ہونٹوں پر عیار مسکراہٹ تھی۔

جوزف دہل گیا۔ اس کا مطلب ہے بڑے پتے کا فل ہاؤس۔ اس نے مایوس ہوکر سوچا، لیکن اب واپسی کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس نے ڈھائی ڈالر پاٹ میں ڈال دیئے۔ "شو کرو۔" اس نے کہا۔

"بادشاہ کا کلر۔ اینٹ کے پتے ہیں سارے۔" بلاک نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

"واہ۔" جوزف نے اپنا فل ہاؤس میز پر پٹخ کر اعلانِ فتح کے لئے ہاتھ بلند کیا۔ اسی وقت ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ کرسی سمیت الٹ گیا۔ میز بھی الٹ گئی تھی۔ سکوں کی جھنکار سنائی دی۔ اس کے تمام ساتھی بھی اچھل کر کہیں کے کہیں گئے۔ سب کی سمتیں مختلف تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ٹرالر میں اندھیرا ہوگیا۔

☆======☆======☆

وہ جمعرات کی رات تھی۔ پولیس اسٹیشن میں تین ڈسپیچر موجود تھے۔ ان کی میزیں برابر برابر بچھی تھیں۔ ہر میز پر تین ٹیلی فون اور ایک ٹووے ریڈیو رکھا تھا۔ وہ سامنے والی دیوار پر نصب پینل پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ پینل سیاہ تھا اور اس پر سولہ مقامات پر سرخ بلب لگے ہوئے تھے۔ ہر بلب کے نیچے سفید پینٹ سے ایک نمبر لکھا تھا۔ اس وقت کوئی بلب روشن نہیں تھا۔ ایک بج کر سینتیس منٹ پر باون نمبر کا بلب جل اٹھا۔ ساتھ ہی ایک الارم بجنے لگا۔ بائیں جانب بیٹھے ہوئے ڈسپیچر نے ایک بٹن دبایا۔ الارم کی آواز بند ہوگئی۔ باون نمبر اسی سے متعلق تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے فون اٹھایا اور داہنے ہاتھ سے ریڈیو کا سوئچ آف کردیا۔ اس کی نظریں میز پر شیشے کے نیچے رکھی ہوئی فہرست کو ٹٹول رہی تھیں۔ باون نمبر کیپٹل بینک کا تھا۔

"کار نمبر نو۔" اس نے ریڈیو میں پکارا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے سات نمبر ڈائل کیا۔ یہ کیپٹن کے آفس کا نمبر تھا۔ اس وقت لیفٹیننٹ وائٹ ڈیوٹی پر تھا۔

کار نمبر9 وہ پٹرول کار تھی جو عارضی بینک کے پاس سے گزرتی تھی۔ آج رات اس پر آفیسر بولٹ اور ایچر کی ڈیوٹی تھی۔ بولٹ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار کم

رکھی تھی۔ پانچ منٹ پہلے وہ ٹرالر بینک کے پاس سے گزرے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرالر میں پتے تقسیم ہوئے تھے اور جوزف کو تین چھکے عطا ہوئے تھے۔

ایچر نے جو بولٹ کے اوپر بیٹھا تھا' مائیک اٹھایا اور کال کا جواب دیا۔ "کار نمبر نو پلیز۔"

"کیپٹل بینک کا الارم بجا ہے۔"

"کون سا بینک.......... کہاں؟" ایچر گڑبڑا گیا۔

"کیپٹل بینک.......... جو ٹرالر پر ہے۔"

"اوہ' وہ.......... عارضی بینک۔"

"ہاں' وہی۔"

اس دوران بولٹ نے کار موڑ لی تھی۔ اس نے پوری رفتار سے کار دوڑائی۔ جو فاصلہ انہوں نے پانچ منٹ میں طے کیا تھا' وہ اس بار دو منٹ میں پورا ہوا۔ اس دوران لیفٹیننٹ وائٹ نے اسٹیشن میں موجود نفری کو تیار رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے علاوہ اس نے دو دوسری پٹرول کاروں کو بھی اسی علاقے میں پہنچنے کو کہا۔

دو منٹ بعد کار نمبر9 سے ریڈیو پر اطلاع ملی۔ "بینک تو یہاں موجود نہیں ہے۔"

ڈسپیچر بوکھلا گیا۔ گویا سبب پریشانی ہی موجود نہیں تھا۔ اس کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے پھر فہرست پر نظر ڈالی۔ باون نمبر کے آگے واضح طور پر کیپٹل بینک تحریر تھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔ "اچھا' کچھ دیر پہلے تو موجود تھا؟"

"ہاں' پانچ منٹ پہلے ہم یہاں سے گزرے تو بینک اپنی جگہ موجود تھا۔"

ڈسپیچر کو سانپ سونگھ گیا۔ دوسری طرف آفیسر بولٹ اور ایچر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خالی جگہ کو دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے بینک موجود تھا۔ کنکریٹ کی دونوں چھوٹی دیواریں اب بھی موجود تھیں لیکن ان پر رکھا ہوا بینک غائب ہو چکا تھا۔ اِدھر اُدھر بجلی اور ٹیلی فون کے وہ تار بکھرے ہوئے تھے جو کچھ دیر پہلے بینک سے منسلک رہے ہوں گے۔ چوبی پائیدان ایک طرف رکھا تھا۔

"ب.......... بینک.......... بینک غائب ہے۔" بالآخر ڈسپیچر کو ہوش آیا۔

"جی ہاں۔" بولٹ غرایا۔ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے سائرن کی آواز سنائی دے

رہی تھی۔ "کسی مردود نے بینک چرا لیا ہے۔"

☆------☆------☆

بینک کے اندر افراتفری مچی ہوئی تھی۔ چارلس اور اس کے ساتھیوں نے اسپرنگز اور شاک ابزربرز جیسے تعیشات کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ انہیں تو صرف پہیوں کی فکر تھی پھر ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی۔ چنانچہ بینک کسی کٹی پتنگ کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ جھٹکوں نے اس کے اندر موجود گارڈز کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

"میرے پاس فل ہاؤس تھا۔" جوزف نے تاریکی میں چیخ کر کہا۔

"خدا کے لئے جو!" کہیں سے بلاک کی آواز سنائی دی۔ "کھیل تو کینسل ہو گیا۔"

"چھکوں کا فل ہاؤس تھا میرے پاس۔" جوزف نے چیخ کر کہا۔

اچانک لیفٹیننٹ چیخا۔ "کھیل کی باتیں بند۔ تم لوگوں کو احساس بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے بینک چرا لیا ہے۔"

جوزف سناٹے میں آ گیا۔ واقعی.......... یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پتے تھے اور دوسرے سے اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ اڑتی ہوئی کرسیوں سے خود کو بچانا ایک اضافی مسئلہ تھا۔ ایسے میں وہ کچھ سوچنے کے قابل ہی کہاں رہا تھا۔

"روشنی۔" ڈریسر چلایا۔ "فلیش لائٹ کس کے پاس ہے؟"

"پردے کھینچو۔" موریسن نے چیخ کر کہا۔

"فلیش لائٹ میرے پاس ہے۔" گارفیلڈ نے کہا۔ اسی لمحے ایک سفید متحرک شعاع نظر آئی لیکن افراتفری کی وجہ سے روشنی بھی انہیں پوری طرح سب کچھ نہیں دکھا سکی۔ پھر روشنی لڑھک گئی اور ڈولنے لگی۔ "لعنت ہے۔ وہ بھی گر گئی۔" گارفیلڈ غرایا۔

اب روشنی اچھلتی پھر رہی تھی۔ وہ سب اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے' لیکن وہ تو چھلاوے کی طرح تھی۔ پھر اچانک روشنی غائب ہو گئی۔ شاید فلیش لائٹ بجھ گئی تھی۔

چند لمحے بعد کسی نے پردے کھینچ دیئے۔ اب وہ کسی حد تک دیکھ سکتے تھے کچھ دیر روشنی رہتی' پھر تاریکی کا وقفہ آ جاتا۔ اچھی خاصی آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ جوزف چاروں

ہاتھ پیروں پر بیٹھا تھا۔ ذرا سی روشنی ہوتے ہی وہ رینگ کر آگے بڑھا۔ جابجا فرنیچر اور کہیں کہیں اس کے ساتھی بکھرے پڑے تھے۔ کبھی کوئی اٹھنے کی کوشش کرتا تقریباً کامیاب بھی ہوجاتا لیکن بالآخر کوئی جھٹکا اسے اکھاڑ پھینکتا۔ جوزف رینگ رینگ کر آگے بڑھا اور کاؤنٹر کا سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔ فیننٹن پہلے ہی کاؤنٹر کو دبوچے کھڑا تھا۔ ڈریسر کھڑکی کی چوکھٹ پکڑے کھڑا باہر دیکھنے اور صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بلاک اور گارفیلڈ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے لڑھکتے پھر رہے تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے چھٹکارا پانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ موریسن بھی نظر آگیا لیکن فوکس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"فوکس! تم کہاں ہو؟" جوزف نے اسے پکارا۔

"میں یہاں ہوں۔" فوکس کی آواز سنائی دی۔

آواز تو فوکس ہی کی تھی لیکن وہ تھا کہاں۔ پھر اچانک انہوں نے اسے کاؤنٹر کی دوسری سمت سے سر ابھارتے ہوئے دیکھا۔ "میں یہاں ہوں۔" اس نے دہرایا۔

"تم وہاں کیسے پہنچے؟" فیننٹن دہاڑا۔

"مجھے کیا معلوم؟ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں کیسے پہنچا۔" فوکس بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

بلاک اور گارفیلڈ اب لڑھکتے ہوئے درمیان میں آگئے تھے لیکن انہیں اٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ گارفیلڈ نے سر اٹھا کر فیننٹن کو دیکھا اور پوچھا۔ "دروازہ توڑنے کی کوشش کی جائے؟"

فیننٹن کسی محصور کمانڈر کی طرح برہم ہوگیا جسے قلعے کا دروازہ کھولنے کا مشورہ دیا گیا ہو۔ "کیوں؟ انہوں نے بیشک بینک چرالیا ہے لیکن رقم انہیں نہیں ملے گی۔" اس نے ڈرامائی انداز میں تجوری کی طرف اشارہ کیا۔ بدقسمتی سے اسی وقت بینک نے نوے درجے کا موڑ کاٹا اور وہ کھڑکی سے لٹکے ہوئے ڈریسر سے ٹکرایا۔ اگلے ہی لمحے گارفیلڈ اور بلاک بھی ان دونوں میں مدغم ہوگئے۔

جوزف نے کسی نہ کسی طرح اپنی گرفت برقرار رکھی تھی۔ موریسن بہ دستور فرش پر بیٹھا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ البتہ کاؤنٹر کے اس طرف موجود فوکس کا چہرہ نہ جانے کہاں

غروب ہوگیا تھا۔

"مجھ پر سے اترو' اتر جاؤ میرے اوپر سے۔" اچانک فیننٹن کی دہاڑ سنائی دی۔ "یہ میرا حکم ہے' اتر جاؤ میرے اوپر سے۔"

لیکن اس صورتِ حال میں اس کے حکم کی تعمیل نہیں ہوسکتی تھی۔ جوزف نے وہ منظر دیکھا۔ اچھلتی ہوئی......... چلتی ہوئی ٹانگوں میں سے کون سی کس کس کی تھیں' یہ کہنا مشکل تھا۔ انسانی کھچڑی سی پک رہی تھی۔

"یہ......... یہ کیا........." فیننٹن کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔ شاید اس کے منہ میں کسی کی کہنی پھنس گئی تھی۔

کھڑکی سے آنے والی روشنی غائب ہوگئی۔ اب پھر متحرک اندھیرا تھا اور وہ تھے۔

"اس کا مطلب ہے' اب ہم شہر میں نہیں ہیں۔" موریسن نے چیخ کر کہا۔

"میں کہتا ہوں اترو........." فیننٹن پھر چیخا' لیکن شاید کہنی کے سائیلنسر نے پھر کام دکھا دیا تھا۔

خدا جانے کس عمل کے تحت چپکے ہوئے تینوں گارڈ اور چیف علیحدہ ہوگئے۔ "آل رائٹ۔" فیننٹن نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "سب موجود ہیں نا؟" یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ حاضری لے ڈالی۔ سب موجود تھے۔ "دیکھو' اب کہیں نہ کہیں چوروں کو رکنا ہوگا' وہ اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔" اس نے پروفیسرانہ انداز میں کہا جیسے کلاس لے رہا ہو۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ خود کو کاؤنٹر یا کسی اور فرنیچر کی اوٹ میں رکھنا ہے۔ رقم کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ارے......... یہ مجھے نیند کیوں آرہی ہے۔"

نیند سبھی کو آرہی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جاگنے کی کوشش کر رہے تھے......... لیکن بالآخر ان کی آنکھیں مندتی گئیں۔

☆------☆------☆

ڈسپیچر ریڈیو میں چیخ رہا تھا۔ "تمام پٹرول کاریں ہوشیار ہوجائیں۔ آپ کو ایک بینک تلاش کرنا ہے' جسے چرالیا گیا ہے۔ بینک گیارہ فٹ اونچا ہے اور اس کا رنگ نیلا اور سفید........."

☆------☆------☆

بینک کی چوری کے موقع پر صرف چارلس، کیلر اور مین موجود تھے۔ کیلر نے شام ہی کو ایک ٹریکٹر کیب چرالیا تھا۔ اس کے بعد سے مین ہی اسے چلا رہا تھا۔ کیلر، چارلس اور مین کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس کے پاس سیاہ ربڑ کے پائپ کا پچیس فٹ لمبا لچھا تھا جو بے حد مضبوط تھا۔

وہ سوا ایک بجے بینک پہنچے۔ ٹریکٹر کیب کو ایک طرف پارک کردیا گیا۔ ڈیڑھ بجے پٹرول کار گزری اس کے گزرتے ہی وہ ٹریکٹر کیب کو ٹرالر کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ربڑ پائپ کے ذریعے ٹرالر کو ٹریکٹر کیب سے منسلک کردیا۔ پانچ منٹ بعد مین نے ٹریکٹر کیب کو اسٹارٹ کیا اور جھٹکے سے آگے بڑھایا۔ اس نے ایسا دانستہ طور پر کیا تھا۔ پائپ سیوریج لائن کا تھا۔ اس میں سے پانی بہہ نکلا۔ پہلے ہی موڑ پر ایک بیکری کی کھڑکیاں بال بال بچیں۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ بینک بدمست ہاتھی کی طرح لہراتا ہوا پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

مین نے راستہ منتخب کرتے وقت ہر بات کا خیال رکھا تھا۔ ٹریفک سے بچنے کے لئے سڑکوں کا انتخاب بے حد اہم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی موڑ کاٹنے پڑے کئی بار ایسا ہوا کہ ٹرالر نے دو پہیوں پر موڑ کاٹا۔ وہ بہت تیز ڈرائیونگ کررہا تھا۔ کیلر اور چارلس ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔

"کیا کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے؟" کیلر نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

مین نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ تیز ڈرائیو کرنا ضروری ہے۔ یہ تکنیکی بات تمہیں میں اس وقت نہیں سمجھا سکتا۔ مجھے ڈرائیو کرنے دو۔"

چارلس کو اندازہ تھا کہ اس وقت مین کے ارتکاز میں خلل اندازی مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔ اس نے کیلر کو گھور کر دیکھا۔

بیس منٹ بعد وہ ایک نسبتاً کم آبادی علاقے میں داخل ہوئے۔ مزید بیس منٹ بعد وہ ایک ویران علاقے میں تھے جہاں کھیتوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ مین نے رفتار کم کرنا شروع کردی۔ "فوری طور پر بریک لگانے کی صورت میں ٹرالر ہمیں تہس نہس کردے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ بڑا نازک مرحلہ ہے۔" اس نے ٹریکٹر کیب کو کچے میں

اتارا اور درختوں کے ایک جھنڈ کا رخ کیا۔ رفتار بیس میل فی گھنٹہ رہ گئی تو اس نے بریک لگانے شروع کئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ پلٹ کر ٹرالر کو بھی دیکھتا رہا تھا۔ بالآخر دونوں گاڑیاں رک گئیں۔

"اب میں اتر کر دیکھتا ہوں۔" چارلس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ کیلر بھی وہ چابی لے کر نکل آیا جو ہرمن نے اسے اس دعوے کے ساتھ دی تھی کہ اس سے بینک کا دروازہ کھل جائے گا۔

دروازہ کھلتے ہی کیلر نے فلیش لائٹ کی روشنی اندر پھینکی۔ ٹرک ایگزھاسٹ کی کاربن مونو آکسائیڈ نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ تمام گارڈز بے ہوش تھے۔ پھر بھی چارلس نے احتیاطاً پکارا۔ "اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھاؤ اور باہر نکل آؤ۔" لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ بینک کا فرنیچر بری طرح بکھرا ہوا تھا۔

وہ تینوں بینک میں داخل ہوئے اور انہوں نے کھینچ کھانچ کر ساتوں گارڈز کو باہر نکالا۔ کیلر نے انہیں بغور دیکھا اور بولا۔ "کتنے پُرسکون ہیں۔ انہیں دیکھ کر تو مجھے بھی نیند آنے لگی ہے۔"

چارلس خود بھی بھاری پن محسوس کررہا تھا۔ اچانک وہ چلایا۔ "مین!"

مین اندر کاؤنٹر پر جھکا کھڑا تھا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ "کیا.......... کیا بات ہے؟"

"کیا انجن اب بھی چل رہا ہے؟"

"اوہ میرے خدایا۔ ابھی بند کرتا ہوں جاکر۔"

چارلس سوچتا رہ گیا۔ سمجھنے میں ذرا تاخیر ہوتی تو وہ لوگ خود بھی سوجاتے۔ گیس کے اثرات موجود تھے۔

ان تینوں نے تازہ ہوا میں خوب گہری گہری سانسیں لیں۔ پھر انہوں نے ٹرالر کی کھڑکیاں کھولیں۔ وہ واپس کیب میں پہنچے تو مین سوچکا تھا۔ انہوں نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے جگایا۔ ٹرالر میں سب سے زیادہ دیر تک وہی رہا تھا۔ جاگنے کے باوجود وہ اونگھتا رہا۔ بہرحال ڈرائیو کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ گارڈز کو درختوں کے جھنڈ میں لٹا کر انہوں نے ٹرالر سمیت اپنا سفر پھر شروع کردیا۔

☆------☆------☆

دو بج کر چالیس منٹ پر میسن کی ممی نے اعلان کیا۔ "وہ آرہے ہیں۔" اور اپنی گردن کی پٹی اٹھانے کے لئے کار کی طرف دوڑی۔ اس نے پلاسٹک کی پٹی بمشکل گردن میں پہنی تھی کہ ٹریکٹر کی ہیڈ لائٹس نظر آنے لگیں۔ کچھ دیر بعد ٹریکٹر ٹرالر سمیت فٹ بال کے میدان میں داخل ہوا۔ میدان کے تین اطراف تماشائیوں کے لئے اسٹینڈز بنے ہوئے تھے۔

میسن نے ٹریکٹر کو روکا ہی تھا کہ وکٹر نے ٹرالر کے ساتھ سیڑھی لگا دی اور ہرمن پینٹ کا ڈبا اور برش لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اس دوران میگی اور مسز مرچ ٹرالر کے اس حصے پر ٹیپ کی مدد سے کاغذ چپکانے میں مصروف ہوگئیں‘ جسے پینٹ نہیں ہونا تھا۔ وہاں کئی اور سیڑھیاں‘ پینٹ کے ڈبے اور برش موجود تھے۔ وکٹر اور میسن دونوں خواتین کی مدد میں مصروف ہوگئے‘ جبکہ چارلس اور کیلر نے سیڑھیاں اور پینٹ کے ڈبے سنبھال لئے۔ وہ سبز رنگ کا واٹر پینٹ استعمال کررہے تھے‘ جو عموماً گھر کی دیواروں پر روغن کرنے کے کام آتا ہے۔ اس رنگ کو بعد میں صرف پانی کی مدد سے بہ آسانی صاف کیا جاسکتا تھا۔ وہ پینٹ استعمال کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ تیزی سے کیا جاسکتا تھا اور دوسرے کوٹ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بہت جلدی سوکھ بھی جاتا تھا بالخصوص کھلی ہوا میں۔

پانچ منٹ کے اندر اندر بینک‘ بینک نہیں رہا تھا۔ بینک کا نام بھی مٹ گیا اور نیلے اور سفید رنگ کی جگہ سبز رنگ نے لے لی۔ نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی۔ اب اس پر مشی گن کی نمبر پلیٹ تھی اور وہ ایک عام سا موبائل ہوم تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر سیڑھیاں‘ برش اور پینٹ کے خالی ڈبے جھاڑیوں میں چھپا دیئے گئے۔ وکٹر اور کیلر‘ وکٹر کی گاڑی میں چلے گئے۔ وکٹر اپنی گاڑی میں خواتین کو یہاں لایا تھا۔ میسن ٹریکٹر کیب لے کر میدان میں نکل آیا۔ اس بار رفتار کم تھی۔ ایک تو اب موقع نازک نہیں رہا تھا۔ دوسرے اب ٹرالر میں معزز اور محترم افراد موجود تھے.......... بالخصوص دو خواتین۔

ٹرالر میں کچھ اور ہی کام ہورہا تھا۔ میسن کی ممی اور میگی ٹرالر کی کھڑکیوں پر وہ نئے پردے لٹکا رہی تھیں جو کئی دن پہلے سے سیئے جارہے تھے۔ چارلس ٹرالے کے فرش کی صفائی میں مصروف تھا جبکہ ہرمن تجوری پر جھکا ہوا تھا لیکن تجوری کو دیکھنے کے بعد وہ بے

حد ناخوش نظر آرہا تھا۔

☆======☆======☆

"کوئی بینک دیکھتے ہی دیکھتے غائب نہیں ہوجاتا۔" کیپٹن ڈیمر نے کہا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

کیپٹن ڈیمر نے مضطرب ہوکر اپنی انگلیاں چٹخائیں۔ "اور بینک اڑتا بھی نہیں۔"

"نو سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"چنانچہ بینک ہمیں مل جانا چاہئے۔"

"یس سر۔"

وہ دونوں اس وقت کیپٹن کے دفتر میں تنہا تھے۔ دفتر کے باہر بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہنگامی صورتِ حال تھی۔ دروازے کھل رہے تھے.......... بند ہورہے تھے‘ پیغامات کا تبادلہ ہورہا تھا۔ یہ امر بھی تاریخی تھا کہ بینک کی تلاش شدومد سے جاری تھی۔ شاہراہوں کی چیکنگ کی جارہی تھی۔ شہر کے بارہ میل لمبے بارڈر کی نگرانی کی جارہی تھی۔ لانگ آئی لینڈ سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ہر حال میں نیویارک سے گزرنا پڑتا تھا۔ تمام بحری‘ بری اور فضائی محکموں کو چوکنا کردیا گیا تھا۔

"ہم نے انہیں بند کردیا ہے۔ وہ نکل نہیں سکتے۔" کیپٹن نے ہاتھوں سے بوتل میں ڈاٹ لگانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

"اب ہمیں جال کھینچنا ہے۔ دائرے کو محدود سے محدود کرنا ہے۔" کیپٹن نے آہستہ آہستہ مٹھی بھینچ کر دائرے کو محدود سے محدود تر کرنے کا مظاہرہ کیا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا اور ہونٹوں کو متحرک کرکے مسکراہٹ کی صورت دینے کی کوشش کی۔ وہ پریشان تھا کیونکہ کیپٹن کو سوتے سے اس نے اٹھایا تھا۔ وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیپٹن ذاتی طور پر اسے اس کا جرم تصور نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود لیفٹیننٹ نروس تھا۔ پھر اب تک بینک کی بازیابی کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔

کیپٹن اور لیفٹیننٹ ہر اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ لفٹیننٹ جوان تھا‘

دبلا پتلا تھا' کوئی بھی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچاتا تھا' خاموش طبع تھا اور مطالعے کا شوقین تھا۔ کیپٹن پچاس کے لگ بھگ' فربہ اندام' غصہ ور' شور مچانے والا تھا اور کتابوں سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا البتہ دونوں کے درمیان ایک قدر مشترک تھی' پریشانی دونوں کو ناپسند تھی۔ یہ ایک مقام تھا جہاں دونوں ایک ہی زبان استعمال کرتے تھے۔ کیپٹن ہر صبح اپنے ماتحتوں سے کہتا۔ "مجھے امن و سکون پسند ہے۔" لیفٹیننٹ شام کو چارج سنبھالتے ہوئے ماتحتوں سے کہتا۔ "امن و سکون قائم رکھنا ہے۔"

لیکن یہ امن و سکون کی رات نہیں تھی۔ "یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں گھر پر تھا۔" کیپٹن نے کہا لیکن کوئی وضاحت نہیں کی۔ لیفٹیننٹ نے یس سر کہہ کر متفق ہونے کا اعلان کیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ کیپٹن نے کہا۔ "دیکھو لیفٹیننٹ! کون ہے؟"

"یس سر۔"

لیفٹیننٹ نے فون پر بات کی۔ وہ ڈیسک کے پاس ہی کھڑا تھا۔ کیپٹن کی موجودگی میں اس سے بات کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ بالآخر اس نے فون کرنے والے کو ہولڈ کرنے کے لئے کہا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیپٹن! بینک والے آئے ہیں۔"

"بلالو انہیں۔" کیپٹن نے کہا اور بہ دستور نقشے پر جھکا رہا۔ اس کے ہونٹ حرکت کررہے تھے.......... بے آواز' شاید وہ کہہ رہا تھا۔ "دائرے کو محدود سے محدود تر کرنا ہے۔"

تین افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ سب ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ان میں ایک سفید بالوں والا باوقار آدمی تھا۔ دوسرا موٹا پستہ قامت اور معنک تھا۔ اس کے ہاتھ میں براؤن بریف کیس تھا۔ عمر ۴۰ سال۔ وہ کسی قسم کا اسپیشلسٹ معلوم ہوتا تھا۔ تیسرا بہت دبلا اور بہت لمبا تھا۔ گھنی مونچھیں۔ عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کا ایسا ہی تھیلا تھا جیسا پلمبر استعمال کرتے ہیں۔ اس نے تھیلا میز پر رکھا اوزاروں کے کھٹکنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیپٹن ڈیمر؟" باوقار آدمی نے پوچھا۔

کیپٹن نے نقشے پر جھکے جھکے جواب دیا۔ "میں ہی ہوں۔"

"میں جارج ویلڈنگ ہوں۔ فرام کیپٹل بینک۔ وہ بینک جو تم نے کھو دیا۔"

کیپٹن کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی جیسے کسی نے اس کے سینے پر گھونسا مارا ہو۔ اس نے کسی لڑاکا بیل کی طرح سر جھکا لیا۔ جارج نے اپنے موٹے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ البرٹ ہے اس کا تعلق اس کمپنی سے ہے جس نے ہماری شاخ کو تجوری مہیا کی ہے' اور یہ گیری ہے۔" اس نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی کمپنی کے ٹرالر پر ہمارا وہ عارضی بینک قائم تھا۔"

سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ کیپٹن کی مسکراہٹ میں تلخی تھی۔

"ہم سب آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے حاضر ہیں۔" گیری نے کہا۔

"شکریہ۔" کیپٹن نے کہا۔

"اب میں جاننا چاہوں گا کہ کیس کے سلسلے میں آپ نے کس حد تک پیش رفت کی ہے۔" جارج ویلڈنگ نے پوچھا۔

"ہم نے ناکابندی کرکے انہیں جکڑ لیا ہے۔" کیپٹن نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟" جارج مسکرایا۔ "کہاں.......... کس جگہ؟" وہ ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"یہاں۔" کیپٹن نے نقشے میں لانگ آئی لینڈ کے علاقے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ بچ کر نکل نہیں سکتے۔ البتہ ان کی گرفتاری میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے' تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟" جارج مایوس ہوگیا۔ "لانگ آئی لینڈ تو بہت بڑا ہے۔ بعض مقامات پر اس کی چوڑائی بیس میل تک ہے۔"

پریشانی کے عالم میں کیپٹن کی بائیں آنکھ بند ہوجانے کی عادی تھی پھر وہ ایک لمحے کے لئے کھلتی تھی اور دوبارہ نسبتاً آہستگی سے بند ہوجاتی تھی۔ ایسے میں اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ آنکھ مار رہا ہے۔ ایام جوانی میں وہ اس کی بدولت بارہا مشکل میں پھنس چکا تھا۔ اس کی شادی بھی اسی چکر میں ہوئی تھی کیونکہ اس کی بیوی شروع ہی سے فلرٹ کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اس بار معاملہ مختلف تھا۔ جارج سمجھا کہ وہ کوئی بات رازدارانہ طور پر بتانا چاہ رہا ہے' چنانچہ وہ اس کے قریب ہوگیا۔ "لانگ آئی لینڈ بڑا ضرور ہے لیکن جلد یا بہ دیر ہم اسے کور کرلیں گے۔ وہ نکل نہیں سکتے۔" کیپٹن نے کہا۔

"فی الوقت تم کیا کررہے ہو؟"

"اس وقت تو ہم صرف سڑکوں پر پیٹرولنگ کرسکتے ہیں۔ کوشش تو یہی ہے کہ ان کے بینک کو کہیں چھپانے سے پہلے ہی انہیں دھرلیں۔"

"اب تین بج رہے ہیں۔ بینک چوری ہوئے ڈیڑھ گھنٹا ہوچکا ہے۔ اب تک تو انہوں نے اسے کہیں چھپا بھی دیا ہوگا۔"

"ممکن ہے، لیکن صبح ہوتے ہی ہم ہر ایسی جگہ کی تلاشی لیں گے جہاں کوئی ٹرالر چھپانا ممکن ہو۔ ہم پورا جزیرہ چھان ماریں گے۔"

"تم جس آپریشن کی بات کر رہے ہو کیپٹن، اس کی تکمیل میں ایک مہینہ بھی لگ سکتا ہے۔"

"ایسی بات نہیں جناب۔ صبح ہوتے ہی ہمیں اور محکموں سے بھی مدد مل جائے گی۔ ہم اس سلسلے میں وہی تکنیک اختیار کریں گے جو گمشدہ بچے کی تلاش کے سلسلے میں اپنائی جاتی ہے۔"

"لیکن بینک کسی گمشدہ بچے سے کافی بڑا ہے۔" جارج نے اعتراض کیا۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ ہم ہیلی کاپٹرز بھی استعمال کرسکیں گے۔" کیپٹن نے خوش ہوکر کہا۔ "وہ بری طرح پھنس چکے ہیں۔ اب ہمیں دائرے کو محدود سے محدود تر کرنا ہے۔" کیپٹن کی آواز بلند اور بائیں آنکھ پھر بند ہوگئی۔

"ٹھیک ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ فی الوقت تم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے۔" جارج کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔

"جی ہاں۔" کیپٹن نے کہا۔ پھر اس نے گیری کو دیکھا۔ اس جیسے کم تر آدمی کے تعاون کا تصور ہی اس کے لئے روح فرسا تھا۔ اس کا سر جھک گیا اور بائیں آنکھ بری طرح پھڑپھڑانے لگی۔ "مجھے اس ٹرالر کے بارے میں بتاؤ۔" کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں استاد کی سی سختی تھی جو کسی نالائق شاگرد سے ہم کلام ہو۔

"وہ ٹرالر نہیں چلتا پھرتا گھر ہے۔" گیری کو لفظ ٹرالر سے توہین کا احساس ہوا تھا لہجے کے متعلق اسے پتا ہی نہیں چلا۔

"میری بلا سے۔ تم چاہو تو اسے بوئنگ ۷۴۷ بھی کہہ سکتے ہو۔" کیپٹن غرایا۔ "تم مجھے اس کا حلیہ بتاؤ۔"

گیری چند لمحے خاموش رہا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ "ٹھیک ہے۔ میں تعاون کی غرض سے آیا ہوں اور تعاون ہی کروں گا۔" اس نے کہا۔

کیپٹن نے اپنا منہ سختی سے بھینچ لیا جو کئی ناخوشگوار باتیں کہنے پر بضد تھا۔ اس نے خود کو یاد دلایا کہ اپنی ٹیم کے ممبروں سے لڑنا حماقت ہے۔

"جو ماڈل میری کمپنی نے کیپٹل بینک کو دیا ہے وہ ۵۰ فٹ لمبا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے۔ اس میں عموماً تین بیڈ روم بنائے جاتے ہیں لیکن بینک کے لئے پارٹیشن کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اس میں کچن کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ باتھ روم اس میں موجود ہے۔ اس کی دیواروں، فرش اور چھت میں مکمل برگلر الارم سسٹم موجود ہے۔"

کیپٹن نے لیفٹیننٹ کو دیکھا کہ وہ نوٹس لے رہا ہے یا نہیں۔ وائٹ نوٹس لے رہا تھا۔ "اس سے پہلے کہ تمہاری کمر مستقل طور پر جھک جائے، بیٹھ جاؤ۔" کیپٹن نے اسے ڈپٹا۔

"یس سر۔" وائٹ نے کہا اور بیٹھ گیا۔

"اور کچھ؟" کیپٹن نے گیری کی طرف دیکھا۔

"اور یہ کہ اس کے پہیے نکال لئے گئے تھے۔"

"کیا؟ کیا مطلب؟ تمہارا مطلب ہے، ٹرالر میں پہیے نہیں تھے۔" کیپٹن بری طرح اچھلا۔ اس کی بائیں آنکھ نے بھی اچھل کود مچادی۔

"اسے موبائل ہوم کہئے اور ظاہر ہے کہ.........."

"میں تو ٹرالر ہی کہوں گا۔" انسپکٹر نے دہاڑ کر کہا۔ "ٹرالر.......... ٹرالر.......... ٹرالر.......... اور اس لعنتی ٹرالر میں پہیے نہیں تھے تو وہ خبیث اسے لے کیسے گئے۔ کندھوں پر رکھ کر؟"

کسی نے جواب نہیں دیا کیپٹن ہانپتا رہا۔ اس کا سر کسی بیل کی طرح کندھوں کے اندر دھنس گیا تھا۔ بائیں آنکھ مستقل طور پر بند ہوچکی تھی اور دائیں آنکھ پھڑپھڑا رہی تھی۔

وائٹ نے کھنکھار کر گلا صاف کیا تو کمرے میں موجود ہر شخص اچھل پڑا۔ اس نے

بمشکل اپنی ہمت مجتمع کر کے کہا۔ "ہیلی کاپٹر.........."

وہ سب ہونقوں کی طرح اسے دیکھتے رہے۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ "کیا مطلب وائٹ؟" کیپٹن نے کہا۔

نتیجتاً وائٹ کو پورا جملہ بولنا پڑا۔ "میرا مطلب ہے جناب کہ ممکن ہے کہ ٹرالر کو رسی سے باندھ کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے.........."

"جزیرے سے باہر لے جایا گیا ہو۔" کیپٹن غرایا۔

"ہمارا موبائل ہوم بہت بھاری ہے۔" گیری نے فخریہ کہا۔

"اتنا بھاری ہے کہ ہیلی کاپٹر اسے نہیں اٹھا سکتا؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"اس سے بھی زیادہ بھاری ہے وہ۔"

"وائٹ! آرمی والوں کو فون کر کے معلوم کرو کہ ہیلی کاپٹر کے لئے یہ ممکن ہے یا نہیں۔" کیپٹن نے لیفٹیننٹ کو حکم دیا۔

"یس سر۔"

"اور اپنے کچھ آدمی علاقہ واردات میں بھیجو۔ وہ پڑوسیوں سے پوچھیں کہ انہوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز تو نہیں سنی؟"

"یہ ناممکن ہے۔ ایسی کوشش کی جائے تو ہیلی کاپٹر ٹرالر بن جائے گا۔" گیری نے اصرار کیا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" کیپٹن نے چڑچڑے پن سے کہا۔ وائٹ فون پر مصروف ہوگیا تھا۔ "اچھا فرض کریں کہ ہیلی کاپٹر نہیں استعمال کیا گیا۔" کیپٹن نے کہا۔ "اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چور اس ٹرالر کو.......... ٹرالر.......... ٹرالر.......... ٹرالر کو کیسے لے گئے؟" اس نے ٹرالر پر بالخصوص زور دیا۔ "اس کے پہیئے جو تم نے نکال لئے تھے، اس وقت کہاں ہوں گے؟"

گیری اس بار موبائل ہوم کی توہین کو پی گیا۔ "بروک لین میں جو ہمارا پلانٹ ہے، وہاں ہوں گے۔"

"تم یقین سے کہہ سکتے ہو یہ بات؟"

"نہیں۔"

کیپٹن کی کھلی ہوئی اکلوتی آنکھ شعلے برسانے لگی۔ "یعنی تم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ پہیئے وہاں موجود ہوں گے۔"

"میں نے چیک تو نہیں کیا نا۔ اور پھر وہ دنیا میں موبائل ہوم کے پہیوں کا اکلوتا سیٹ تو نہیں۔ پہیئے تو کہیں سے بھی مل سکتے ہیں۔"

اتنے میں وائٹ نے کیپٹن کو بتایا کہ آرمی والوں نے گیری کے دعوے کی تصدیق کردی ہے۔ "آپ بے فکر رہیں جناب۔" کیپٹن نے بینک کے چیئرمین جارج ویلڈنگ سے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ انہوں نے واردات کیسے کی۔ ہم بہرحال انہیں پکڑ لیں گے۔ آپ یہ امید نہیں کرسکتے کہ کوئی احمق بینک کا بینک چرالے اور پھر بچ بھی نکلے۔"

"میں ایسی امید کرنا بھی نہیں چاہتا۔" جارج نے منہ پھلا کر کہا۔

اب کیپٹن، البرٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ میری کیا مدد کرسکتے ہیں؟"

"تجوری توڑنے میں انہیں بہت وقت لگے گا۔ یہ کام آسان ثابت نہیں ہوگا۔" البرٹ نے کہا۔

"کیپٹن کی بائیں آنکھ یوں پھڑپھڑائی جیسے اب کھل ہی تو جائے گی۔ "اچھا.........." اس نے بے حد خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں جناب۔ وہ جدید ترین تجوری ہے۔"

فون کی گھنٹی بجی۔ وائٹ نے فون ریسیو کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اچھل پڑا۔ "ایک شخص ہے جس نے بینک دیکھا ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔ وہ بے حد خوش نظر آرہا تھا۔

"تفصیل سے بتاؤ۔" کیپٹن نے خشک لہجے میں کہا۔ اس کی دائیں آنکھ بھی تقریباً بند ہوگئی تھی۔ محض چھوٹی سی ایک جھری رہ گئی تھی۔

"ایک بارٹینڈر نے پونے دو بجے کے قریب اسے دیکھا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ ٹرالر کے آگے ایک ٹریکٹر کیب تھا۔ رفتار بہت زیادہ تھی۔"

"پونے دو بجے! تو اس نے اب تک پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا؟" کیپٹن نے اعتراض کیا۔

"اسے اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوا جب ہم نے روڈ بلاک کئے۔"

"کس جگہ کی بات ہے؟"

اس نے یونین پائیک پر روڈ بلاک ہوتے دیکھا اور..........."

"گدھے........... میں پوچھ رہا ہوں' اس نے بینک کو کس جگہ دیکھا تھا؟"

وائٹ بالکل سرخ ہو گیا۔ "اوہ! کولڈ اسپرنگ کی بات ہے یہ۔"

"کولڈ اسپرنگ........... کولڈ اسپرنگ۔" کیپٹن نقشے پر جھپٹا۔ "مضافات کے قریب ہے۔" اس نے نقشے میں کولڈ اسپرنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے جزیرے سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ گویا وہ ہنٹنگ کی طرف جا رہے تھے۔ لیفٹیننٹ' فوری طور پر تمام یونٹس کو مطلع کردو۔"

"یس سر۔" وائٹ نے کہا اور ریسیور اٹھا کر مصروف ہو گیا۔

جارج ویلڈنگ نے کہا۔ "تم خوش نظر آ رہے ہو کیپٹن' اور یہ اچھا شگون ہے۔"

"اب تک تو ٹھیک ہے۔ بس ہم تجوری کھولنے سے پہلے انہیں پکڑ لیں تو بہتر ہے۔"

"اس سلسلے میں بے فکر رہو کیپٹن وہ کوئی معمولی تجوری نہیں ہے۔" البرٹ نے کہا۔

کیپٹن مسکرا دیا۔ اسی وقت لیفٹیننٹ نے ہیجانی کیفیت میں اسے پکارا۔ "ساتوں گارڈ بھی مل گئے جناب۔"

"اچھا........... کہاں؟"

"وڈبری روڈ کے پاس درختوں کے ایک جھنڈ میں سوئے ہوئے تھے۔"

کیپٹن نقشے کی طرف مڑ رہا تھا کہ اسے کچھ خیال آگیا........... "سوئے ہوئے؟"

"جی ہاں۔"

کیپٹن ڈیمر نے البرٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت درکار ہے۔" البرٹ کی مسکراہٹ حوصلہ افزا تھی۔

☆------☆------☆

"میں اسے کھول سکتا ہوں۔" ہرمن نے کہا۔ "اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"میں شک کرنا بھی نہیں چاہتا۔ میں یہ تجوری کھلی دیکھنا چاہتا ہوں۔" چارلس بولا۔

اس وقت وہ سفر میں نہیں تھے۔ مین ٹرالر کو وانڈر ٹرالر پارک لے آیا تھا........... اور انہیں ٹرالر کھڑا کرنے کے لئے خالی جگہ بھی مل گئی تھی۔ پارک کا مالک کہیں اور رہتا تھا۔ کسی ٹھہرے ہوئے مکان میں۔ یہ طے تھا کہ اسے صبح سے پہلے پتا نہیں چلے گا کہ اس کے پارک میں ایک اور ٹرالر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مین فوراً ہی ٹریکٹر کیب لے کر روانہ ہو گیا تھا کہ وہ اسے کم از کم ۱۵ میل دور چھوڑ کر آئے گا۔ میگی اور مین کی ممی مسز مرچ نے بینک کو گھر بنا کر رکھ دیا تھا کم از کم باہر سے وہ چلتا پھرتا گھر ہی معلوم ہوتا تھا۔ ہرمن تجوری کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پروگرام کے مطابق ہرمن کو مین کی واپسی تک تجوری کھول لینا تھی لیکن اب ہرمن کہہ رہا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔

"اہمیت ہے وقت کی۔" ہرمن نے کہا۔ "ایسی تجوری میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ دھات بھی مختلف ہے' قفل بھی مختلف ہے' ہر چیز مختلف ہے۔"

"یعنی دیر لگے گی؟" چارلس بولا۔

"ہاں۔"

"تو ہم انتظار کریں گے۔" چارلس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔ چھ ساڑھے چھ بجے تک بھی کام ہو گیا تو ٹھیک ہے۔"

ہرمن نے نفی میں سر ہلایا۔ "صورتِ حال بہت........... بہت زیادہ خراب ہے۔"

میگی ان کے پاس آگئی۔ "پھر بھی........... تجوری کھلنے میں کتنی دیر لگے گی؟" اس نے پوچھا۔

"پورا دن بھی لگ سکتا ہے۔"

"بہت خوب!" چارلس نے طنزاً کہا۔

"سنو' اس تاخیر سے میں بھی تمہاری ہی طرح ناخوش ہوں۔" ہرمن نے کہا۔ "مجھے اپنے کام سے عشق ہے۔ سمجھے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہرمن۔" میگی نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن اسے کھولنا تو ضروری ہے۔"

"مجھے وقت درکار ہے۔ یہ طے پا گیا تھا کہ وقت کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ میں جتنا وقت چاہوں، لے سکتا ہوں۔" ہرمن نے احتجاج کیا۔

"لیکن ہم اس ٹرالر کو کہیں چھپا تو نہیں سکتے۔ فی الوقت تو رنگ دینے، پردے لٹکانے اور پارک میں کھڑا کرنے سے کام چل رہا ہے لیکن صبح کے بعد تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" چارلس نے کہا۔

"ہم چھ ساڑھے چھ بجے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔" ہرمن بولا۔ "لیکن کیش لئے بغیر۔"

میگی، چارلس سے مخاطب ہوگئی۔ "یہاں سے نکلنا ضروری کیوں ہے آخر؟"

"نہیں نکلیں گے تو پول کھل جائے گا۔" چارلس نے جواب دیا۔

اسی وقت میسن کی ممی بھی وہاں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں فلیش لائٹ تھی۔ "کیوں پول کھلے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ ٹرالر کیمپ ہے۔ یہاں بے شمار ٹرالر ہیں۔ رنگ ہم نیا کر چکے ہیں، نمبر پلیٹ ہم بدل چکے ہیں، کھڑکیوں پر ہم نے پردے لٹکا دیئے ہیں، اس صورت میں پول کیسے کھل سکتا ہے؟"

"صبح کسی وقت اس پارک کا مالک یا منیجر آئے گا۔ اسے فوراً ہی پتا چل جائے گا کہ یہ غیر متعلقہ ٹرالر ہے۔ وہ دروزے پر دستک دے گا اور دروازہ کھلتے ہی اندر دیکھے گا۔" چارلس نے پارٹیشن کی طرف اشارہ کیا۔ وہ واقعی کسی گھر کا تو نہیں بینک ہی کا نقشہ تھا۔

"ہوں.......... یہ تو ہے۔"

میگی بولی۔ "اور اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی ہم یہاں ٹھہرنے کا کرایہ ادا کر دیں تو؟"

ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں۔" چارلس نے کہا۔

"دیکھو نا، یہ جگہ خالی تو تھی ہی۔" میگی نے وضاحت کی۔ "صبح ہم پارک کے مالک کے آتے ہی اسے کرایہ ادا کر دیں تو ہم باضابطہ طور پر یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ جب تک جی چاہے، جب تک ضرورت سمجھیں۔"

ہرمن نے کہا۔ "آئیڈیا تو اچھا ہے۔"

"واقعی۔ یہاں ہمیں کوئی تلاش نہیں کر سکتا۔" مسز مَرچ نے کہا۔

"میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ ڈاکے کی واردات ہے۔" چارلس کچھ چڑ کر بولا۔ "ڈاکا ڈالنے کے بعد بینک میں کبھی قیام نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے دور، بہت دور بھاگا جاتا ہے۔"

"لیکن یہاں معاملہ مختلف ہے۔ بینک تو خود ہمارے ساتھ بھاگا ہے۔" ہرمن نے اعتراض کیا۔ "یہاں ٹھہرنے کی صورت میں ہمیں بجلی بھی مل جائے گی۔ میں تجوری پر زیادہ بہتر طور پر کام کر سکوں گا۔"

چارلس نے منہ بنا کر ٹرالر کے اندر کے نقشے کو دیکھا اور بولا۔ "یہ غیر معمولی صورتِ حال مجھے نروس کئے دے رہی ہے۔ میں طبعاً روایت پرست اور قدامت پسند ہوں۔"

"لیکن تم نے ہار ماننا کبھی پسند نہیں کیا۔" میگی نے اسے یاد دلایا۔

چارلس چند لمحے سر کھجاتا رہا۔ "یہ درست ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن یہ کوئی روایتی واردات نہیں۔ جائے واردات پر گھر گرہستی کا تصور میرے حلق سے نہیں اترتا۔"

"ایک ہی دن کی تو بات ہے۔" ہرمن بولا۔

"اور بجلی کی سپلائی اور پلمبنگ کے لئے پارک کے کارندے اندر تو آئیں گے ہی۔" چارلس نے نکتہ اٹھایا۔

"پلمبنگ کی کیا ضرورت ہے؟" مسز مَرچ بولیں۔

"ٹھہریں گے تو ضرورت پڑے گی۔"

"تو یہ کام ہم خود کر لیں گے۔" ہرمن نے کہا۔

چارلس نے اسے غصے سے دیکھا۔ دلیل پر دلیل، جواز پر جواز چلا آ رہا تھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں، تم اور میسن یہ کام ابھی کر لیتے ہیں۔ صبح منیجر آئے گا تو میگی یا مسز مَرچ اسے کرایہ تھما دیں گی۔ اسے بتایا جائے گا کہ ہم دیر سے آئے تھے۔ ہم نے کسی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ہر کام خود ہی کر لیا۔"

"لیکن ٹرالر کے اندر کا نقشہ؟"

"وہ ہر ٹرالر کی تلاشی تو لینے سے رہے۔" ہرمن نے کہا۔ "انہیں تو نیلے سفید ٹرالر کی تلاش ہوگی، جس پر کیپٹل بینک لکھا ہو اور وہ وہاں خواتین کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"اور اگر کسی نے ٹرالر کو اندر سے دیکھنا چاہا تو؟"

"تو میں کہوں گی.......... اس وقت تو ممکن نہیں آفیسر۔ میری بہن ابھی ابھی نہا کر باہر نکلی ہے۔" میگی نے جواب دیا۔

"کون ہے مارش؟" مسز مَرچ نے ابھی ابھی نہا کر نکلنے والی بہن کے مکالمے ادا کئے۔

"کچھ پولیس والے ہیں۔ پوچھ رہے ہیں کہ گزشتہ رات کسی بینک کو تو گزرتے نہیں دیکھا۔" میگی نے آخری مکالمہ بولا۔

"دونوں خواتین اعانت جرم کے الزام میں گرفتار ہو سکتی ہیں۔ آپ کو یقیناً جیل کی لانڈری میں کام پر لگایا جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔" دونوں خواتین بہ یک آواز بولیں۔

"اور یہ تجوری میرے لئے چیلنج بن گئی ہے۔ میں ہار نہیں مانوں گا۔" ہرمن نے اعلان کیا۔

چارلس نے اپنی زندگی کی طویل ترین آہ بھری۔ اسی وقت گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میسن آگیا تھا۔

☆------☆------☆

وکٹر اپنے کمرے میں بیٹھا ڈاکہ زنی کی حقیقی واردات کو ایک ناول کی حیثیت سے ریکارڈ کررہا تھا اس نے کسی کردار کا نام تبدیل نہیں کیا تھا۔ واقعات بھی اصلی تھے۔ ہر کردار کی آواز کی وہ کامیاب نقل اتار رہا تھا۔

"وکٹر؟"

وکٹر اچھل پڑا۔ مائیکروفون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بک کیس والا دروازہ کھلا ہوا تھا اور میسن وہاں کھڑا تھا۔ وکٹر کا چہرہ فق ہوگیا۔ میسن آگے بڑھ آیا۔ "کیا بات ہے وکٹر، خیریت تو ہے؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"مم.......... میں.......... میں ٹھیک ہوں۔ بس، تم نے مجھے چونکا دیا۔"

"مجھے کیلر نے بھیجا ہے۔"

"ہاں.......... ہاں، ٹھیک ہے۔" وکٹر نے کہا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ کیسٹ ریکارڈر اب تک چل رہا ہے۔ "ہمیں پھر اکٹھا ہونا ہے۔"

"کہاں؟"

"بینک میں۔"

"میرا مطلب ہے، بینک کہاں ہے؟" وکٹر کی دانست میں تو بینک اب بھی فٹ بال کے میدان میں تھا۔

"تم اپنی کار میں میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ آرہے ہونا؟"

"ہاں، آرہا ہوں، لیکن گڑبڑ کیا ہوئی آخر؟"

"ہرمن کا کہنا ہے کہ تجوری جدید ترین ہے۔ اسے کھولنے میں کل کا پورا دن لگے گا۔"

"چلو، میں چل رہا ہوں۔" وکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کیسٹ اور مائیکروفون نکال کر جیکٹ کی جیب میں رکھا اور میسن کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔

چند لمحے بعد وہ اپنی کار میں میسن کی اسٹیشن ویگن کے پیچھے چل رہا تھا۔ کار کے ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر اس نے پچھلی ریکارڈنگ سنی۔ پھر اس نے میسن کے تمام ڈائیلاگ مٹائے اور ازسرنو ریکارڈنگ شروع کردی۔ نئی دشواری نے ناول کے متن کو اور بڑھا دیا تھا۔

☆------☆------☆

اگر ٹارچ کی روشنی باکس پر پڑے گی تو میں بہتر کام کر سکوں گا۔" ہرمن نے چڑچڑے پن سے کہا۔

"سوری۔" کیلر نے کہا اور ٹارچ سیدھی کردی۔ "دراصل روشنی میرے جسم پر پڑ رہی تھی۔" اس نے وضاحت کی۔

"اب اسے میرے جسم پر بھی مت ڈالو۔ خدا کے لئے باکس کی طرف رکھو اس کا رخ۔"

"اوکے۔" کیلر نے ٹارچ کو مزید گھمایا۔

"اور میری گردن پر اس بری طرح مت پھنکارو۔"

"اوکے۔" کیلر نے کہا اور ایک انچ دور ہٹ گیا۔

ہرمن کو اپنے چڑچڑے پن کا احساس ہوگیا۔ اس نے طویل سانس لے کر جسم کو ڈھیلا چھوڑا.......... اور خود کو دماغ ٹھنڈا رکھنے کی تلقین کی۔ اس باکس کے ذریعے پاور اور سیور کی لائنیں ٹرالر سے منسلک ہونا تھیں اسے کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اس لعنتی تجوری نے اس سے اعتماد چھین لیا تھا۔ اب اس سے وہ باکس بھی نہیں کھل رہا تھا۔

"عام حالات میں.........." ہرمن نے اس بار نرم لہجے میں کہا۔ "یہ تالے میرے لئے کھلونوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"یقیناً.......... یقیناً۔" کیلر نے سر ہلا کر کہا۔

"اس تجوری نے میرے اعتماد کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"لیکن اب بھی تم عہد ساز قفل شکن ہو۔" کیلر نے یوں کہا جیسے موسم پر تبصرہ کر رہا ہو۔

دشواری یہ تھی کہ وہ باکس کا تالا بھی توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ہرمن اس حقیر باکس کے قفل پر اب تک نصف درجن اوزار آزما چکا تھا۔ وہ باکس کے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن سوچ مسلسل تجوری کے بارے میں رہا تھا۔ "میں اسے کھول کر چھوڑوں گا۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ کوئی کچھ بھی سمجھے۔" اس کا اشارہ تجوری کی طرف تھا۔ باکس نہ کھلنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کام کرتے کرتے وہ تجوری کے بارے میں سوچنے لگا۔ باکس پر کام کرنے والا ہاتھ بے مقصد حرکات میں مصروف رہتا۔ اس وقت بھی یہ احساس ہوتے ہی اس کے منہ سے نکلا۔ "ارررر.........."

"کوئی گاڑی آرہی ہے۔" کیلر نے کہا۔

"نہیں۔ یہ آواز میرے منہ سے نکلی ہے۔" ہرمن نے بتایا۔

"گاڑی ہے بھئی اور ہیڈ لائٹس صاف نظر آرہی ہیں۔" کیلر نے کہا اور ٹارچ بجھادی۔

ہرمن نے ہائی وے کی طرف دیکھا اور بولا۔ "میسن تو نہیں ہوسکتا۔ ابھی تو گیا ہے وہ۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔ چار بجے ہیں۔"

"چار.........." ہرمن حیرت اور بے یقینی سے اسے گھورنے لگا۔ "کیا مطلب؟ میں نے اس حقیر تالے میں اتنی دیر.......... لاؤ' ٹارچ مجھے دو۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔

"ابھی نہیں۔ کیا پتا۔ یہ میسن نہ ہو۔"

"مجھے ٹارچ کی ضرورت بھی نہیں۔" ہرمن نے بھنا کر کہا اور اندھیرے ہی میں باکس پر پل پڑا۔

آنے والا میسن ہی تھا۔ اس کے اترتے ہی کیلر نے ٹارچ آن کی اور اس کا باکس کی طرف رخ کیا۔ "ارے.......... تم نے تو تالا کھول بھی لیا۔"

"ہاں۔" ہرمن نے غرا کر کہا۔ "تم اتنے زیادہ حیران کیوں ہو۔ مجھے کیا سمجھ رکھا ہے تم نے۔"

"میں تو.......... بس یونہی۔" کیلر گڑبڑا گیا۔ "یہ لو' میسن اور وکٹر بھی آگئے۔"

لیکن سٹیشن ویگن سے اترنے والا صرف میسن تھا۔ اس نے سیاہ باکس کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کھل گیا یہ؟"

"دیکھو......... تجوری مجھے تنگ کر رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میری پیشہ ورانہ عزت.........."

مین بوکھلا گیا۔ "ارے.......... میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔"

"وکٹر کہاں ہے؟" کیلر نے پوچھا۔

"یہ آ گیا۔" مین نے اشارہ کیا۔ "بہت آہستہ ڈرائیو کرتا ہے۔"

اس دوران بینک سے چارلس بھی نکل آیا۔ "کام ہو گیا۔" ہرمن نے باکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بتایا۔

چارلس نے پہلے گھڑی دیکھی، پھر ہرمن کو دیکھا......... اور بولا۔ "گڈ......... ویری گڈ......... ویری ویری گڈ........."

"دیکھو........." ہرمن نے جارحانہ انداز میں کہا لیکن غصے کی شدت سے اس کی آواز گھٹ گئی۔ وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ اتنی دیر میں وکٹر بھی آ گیا۔

چارلس نے وکٹر سے کہا۔ "اندر چلو، کچھ بات کرنی ہے۔ یہ لوگ یہاں کام سنبھال لیں گے۔" اس نے کیلر اور مین کی طرف اشارہ کیا۔

کام سے مراد، پانی، بجلی اور سیور لائن کی سپلائی تھی۔ کیلر نے اسے یقین دلایا۔ "تم بے فکر رہو۔ کام ہو جائے گا۔"

"پائپ میں لیتا ہوا آیا ہوں۔" مین نے کہا۔

"آہستہ بولو......... بلکہ مت بولو۔" چارلس نے ہدایت کی۔

"بہتر جناب۔"

ہر طرف مستعدی اور کارکردگی کا دور دورہ تھا۔ ہرمن نروس ہو گیا۔ "میں اندر جا رہا ہوں۔ مجھے کام کرنا ہے۔"

چارلس اور وکٹر بھی اس کے ساتھ ٹرالر میں چلے آئے۔ "تمہیں مین نے کچھ بتایا؟" چارلس نے وکٹر سے پوچھا۔

"صرف اتنا کہ تجوری ہرمن کے قابو میں نہیں آ رہی ہے۔"

اس پر ہرمن نے گھبرا کر اسے دیکھا......... غرایا......... لیکن خاموش رہا۔

"یہ مین بہت اچھا ڈرائیور ہے۔" وکٹر نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"اس کا کام ہی یہی ہے۔" چارلس بولا۔

اس پر ہرمن ایک بار پھر غرایا۔ اب دوسروں کی تعریف میں بھی اسے اپنی توہین محسوس ہو رہی تھی۔

"یہاں تاش کی گڈی موجود ہے۔" مسز مرچ نے وکٹر کو بتایا۔ "ابھی ابھی تجوری کے پاس سے مجھے پھول کی تیلی ملی ہے۔"

"بہت خوب!" وکٹر نے کہا اور ہرمن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تمہیں مدد کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔" ہرمن نے غرا کر کہا لیکن فوراً ہی تصحیح کر ڈالی۔ "میرا مطلب ہے......... ہاں۔"

"وکٹر......... تم ہرمن کا ساتھ دو گے۔" چارلس نے کہا۔ وکٹر نے سر کو اقراریہ جنبش دی۔

"تم تھوڑا سا فرنیچر کھسکا دو۔" مین نے چارلس سے کہا۔ "اس صورت میں یہ جگہ کچھ تو بلینک لگ سکے گی۔"

چارلس عملہ، صفائی میں شامل ہو گیا۔ ہرمن نے وکٹر سے کہا۔ "میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔"

وکٹر چوکنا ہو گیا۔

"میں اس تجوری پر بہ یک وقت وہ تمام حملے کرنے والا ہوں جو انسانوں نے آج تک تجوریوں پر کیے ہیں۔"

"بہت بہتر۔" وکٹر نے کہا۔ "میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"تم ہینڈل گھماؤ گے۔"

☆------☆------☆

وہ لوگ تاش کھیل رہے تھے۔ میگی نے چارلس کے اٹھے پر ستا مارتے ہوئے کہا۔ "اس سے بہتر کافی میں خود بنا سکتی تھی۔"

"اس وقت ایک ہی ریسٹورنٹ کھلا ہوا تھا۔ جو کچھ بھی مل سکا، میں لے آیا۔" مین

نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا.......... اور پنجا پھینک دیا۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہی ہوں۔" میگی بولی۔

میسن کی ممی نے کافی کا مگ نیچے رکھا۔ چند لمحے اپنے پتوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی رہی۔ بالآخر ایک طویل آہ بھر کے اس نے غلام پھینکا اور چاروں پتے سمیٹ لئے۔

"ہوشیار........ خبردار..........! ممی بے ایمانی بہت کرتی ہیں۔" میسن نے شور مچایا۔

"چپ رہو۔" مسز مَرچ نے اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ ہاتھ بنانا بہت ضروری تھا۔"

میگی ٹرالر کے دروازے کے پاس بیٹھی تھی۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ سڑک پر اور پارک کے داخلی دروازے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ سات بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اجالا ہو چکا تھا۔ پارک کے کچھ باسی کام پر روانہ ہو چکے تھے۔ اب تک کسی نے بینک کی وہاں موجودگی کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ نہ تو پارک کا منیجر آیا تھا اور نہ ہی اب تک پولیس نے وہاں قدم رکھا تھا۔

انہوں نے پرانے پارٹیشن کو ہٹا کر ایک نیا پارٹیشن تخلیق کیا تھا۔ تجوری اس کی اوٹ میں تھی اور باہر سے نظر نہیں آسکتی تھی۔ اس طرف ہرمن تجوری سے لڑ رہا تھا۔ کیلر اور وکٹر اس کی مدد کر رہے تھے۔ میسن اور چارلس تاش کھیل رہے تھے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی بدلنا تھی۔

ہرمن اب تک دو چھوٹے چھوٹے دھماکے کر چکا تھا لیکن تجوری ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

بینک اب کاروباری رہائشی سیٹنگ کی درمیانی حالت میں تھا یعنی بینک نہیں کہا جاسکتا تھا تو گھر کہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ کچن کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"کوئی آرہا ہے۔" اچانک میگی بڑبڑائی۔ "منیجر ہے شاید۔"

ایک نیلی اور سفید اسٹیشن ویگن آفس کے سامنے رکی تھی۔ اس میں سے ایک دبلا پتلا، پستہ قامت آدمی اترا۔ "میں ابھی آئی۔" میگی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

"ممی گردن والی پلاسٹک کی پٹی۔" میسن نے مسز مَرچ کو یاد دلایا۔ اس پٹی پر اچھا خاصا ہنگامہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ مسز مَرچ اسے پہننے پر تیار ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"میں نہیں پہنوں گی۔" مسز مَرچ نے صاف انکار کر دیا۔

میگی دفتر میں داخل ہوگئی۔ دبلا پتلا آدمی میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ اس نے میگی کو چونک کر دیکھا۔ "یس مس؟ یس؟"

"ہم ایک ہفتہ ٹھہریں گے۔ میں ادائیگی کرنے آئی ہوں۔" میگی نے کہا۔

"ایک ہفتہ..........! ٹرالر ہے آپ کے پاس؟" اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

"جی ہاں۔ آپ ایک ہفتے کا کرایہ بتائیں۔"

"۲۷.۵ ڈالر، لیکن آپ کا ٹرالر کہاں ہے؟"

"ہم تو کل رات ہی آگئے تھے۔"

"کب؟ میں نے تو کوئی آواز نہیں سنی!" منیجر اچھل پڑا۔ پھر وہ دروازے کی طرف لپکا میگی تعجب سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر منیجر واپس آگیا۔ "ہاں.......... ٹرالر تو ہے۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ خیر.......... فارم بھر دیں۔" اس نے کئی درازیں کھولیں اور بند کیں۔ بالآخر فارم میگی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ نروس ٹائپ کا آدمی تھا۔ "آپ فارم بھریں میں اتنی دیر میں پانی بجلی کی سپلائی کے سلسلے میں کچھ کرتا ہوں۔"

"یہ کام تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔" میگی نے کہا اور تالا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا؟ تالا کھلا ہوا تھا!" منیجر بوکھلا گیا۔ "اگر باس کو پتا چل گیا تو.........." اس نے ملتجی نگاہوں سے میگی کو دیکھا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں نہیں بتاؤں گی۔" میگی نے کہا۔ نروس منیجر اسے بھی نروس کئے دے رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس سے جان چھڑا لینا چاہتی تھی۔

میگی نے فارم بھرا۔ فارم کے مطابق ٹرالر میں چار افراد تھے۔ مسز پورٹ (وہ خود) مسز لومز (میسن کی ممی) اور ان کے دو بیٹے اسٹین اور وکٹر (میسن اور وکٹر) چارلس، کیلر اور ہرمن کا وجود ہی نہیں تھا۔ منیجر اب کسی حد تک پُرسکون بھی ہو گیا تھا.......... اور میگی کی موجودگی کا عادی بھی۔ میگی نے فارم اور ۲۷.۵ ڈالر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کا یہاں قیام پُرلطف ثابت ہوگا۔" منیجر نے رسم پوری کی۔

"شکریہ" میگی نے کہا اور واپسی کے لئے پلٹنے لگی۔ اسی وقت اس نے منیجر کا چہرہ فق ہوتے دیکھا۔ میگی نے پلٹ کر دیکھا۔ آفس میں دو پولیس والے آگئے تھے۔ وہ خود بھی

نروس ہوگئی لیکن پھراس نے خود کو سنبھال لیا۔ اسے نروس ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

وہ ان کو دیکھے بغیر آفس سے نکلی اور ٹرالر بینک کی طرف چل دی۔ وہ بینک تک پہنچی تھی کہ اس نے بینک کو خفیف سا اٹھتے دیکھا۔ شاید ہرمن نے پھر کوئی دھماکا کیا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ٹرالر کے روشن دان سے سفید دھواں بلند ہوتا دکھائی دیا۔

ٹرالر کے دروازے پر قدمچوں کا اب بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ چارلس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دی۔

"شکریہ۔" میگی نے کہا۔ "یہاں پولیس والے آگئے ہیں۔"

"میں دیکھ چکا ہوں.......... اور کیونکہ بے وجود ہوں' اس لئے پارٹیشن کے اس طرف جارہا ہوں۔" چارلس نے کہا۔

"لیکن پتے نہ ملانا۔" میسن کی ممی نے اپیل کی۔ "بہت دیر بعد میرے پاس اچھے پتے آئے ہیں"

"ممی' پلیز.......... اب گردن کی پٹی پہن لو۔" میسن نے التجا کی۔

"میں آخری بار تمہیں بتا رہی ہوں' میں یہ پٹی نہیں پہنوں گی۔"

"آپ تو کیس کو یہیں ہروادیں گی۔" میسن نے احتجاج کیا۔

"میں اس وقت ایک مسروقہ بینک میں کھڑی ہوں۔" مسز مَرچ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہاں پکڑی گئی تو کیس کی اہمیت ہی کیا ہے۔ پھر تو ڈاکا زنی کا کیس چلے گا۔"

"لیکن انشورنس کیس جیتنے کی صورت میں ہم ایک دوسرے کیس کے لئے کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرسکیں گے۔" میسن نے دلیل دی۔

"یہ کس قسم کی حوصلہ افزا گفتگو ہورہی ہے۔" میگی نے احتجاج کیا۔

چارلس پارٹیشن کے اس طرف چلا گیا تھا اور اب وہاں خاموشی تھی۔ شاید چارلس نے ہرمن کو مزید کارروائی سے روک دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وکٹر اس طرف والے حصے میں چلا آیا۔ "تو وہ یہاں تک پہنچ ہی گئے۔" اس نے کہا۔ اس کی باچھیں کھلی جارہی تھی۔

میگی نے دروازہ بند کیا اور کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکنے لگی۔ "اب وہ آفس سے باہر آرہے ہیں۔" اس نے کمنٹری کی۔

"یاد رکھنا' وہ وارنٹ کے بغیر اندر نہیں آسکتے۔"

"پتا ہے مجھے۔"

لیکن دونوں پولیس والے اندر آنے کے بجائے باہر کی طرف چل رہے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے بھی جارہے تھے۔ انہوں نے بینک کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

وکٹر دوسری کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ "لو.......... بارش شروع ہوگئی۔" اس نے کہا۔ "اب وہ اپنی کار کی طرف بھاگیں گے۔"

ہوا بھی یہی۔ بارش تیز ہوتے ہی پولیس والے اپنی کار کی طرف لپکے۔ میگی مغرب سے اٹھنے والی گھٹا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "لگتا ہے' زوردار بارش ہوگی۔"

"ہمیں کیا پروا؟ ہم تو بینک میں آرام سے رہیں گے۔ گرم اور خشک۔" وکٹر نے لاابالی پن سے کہا۔

"وہ دونوں گئے یا نہیں؟" میسن کی ممی نے پوچھا۔

"کار میں بیٹھ رہے ہیں.......... لو.......... وہ گئے۔" میگی نے کہا اور مسکراتی ہوئی کھڑکی سے ہٹ آئی۔ "کمال ہے۔ مجھے اب پتا چلا' میں نروس ہورہی تھی۔"

"چلو.......... تاش کھیلیں۔" مسز مَرچ نے کہا اور چارلس کو پکارا۔ "چارلس.......... اپنے پتے لے کر آؤ۔"

چارلس اس طرف آگیا ور وکٹر دوبارہ کیلر اور ہرمن کے پاس چلا گیا۔ کھیل پھر شروع ہوگیا۔ "ہشیار.......... خبردار! ممی پھر بے ایمانی کے موڈ میں ہیں۔" میسن نے اعلان کیا۔

"بکواس مت کرو۔" مسز مَرچ نے اسے ڈانٹ دیا۔

دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھٹھر کر رہ گئے۔ میگی نے اٹھ کر کھڑکی سے جھانکا۔ "کوئی چھتری لئے کھڑا ہے۔" اس نے بتایا۔ بارش بہت تیز ہوگئی تھی۔

"جلدی سے پیچھا چھڑاؤ۔" چارلس نے کہا اور جلدی سے پارٹیشن کے اس طرف چلا گیا۔

میگی نے دروازہ کھولا۔ پارک منیجر کھڑا تھا اور پہلے سے زیادہ نروس دکھائی دے رہا تھا۔ میگی پریشان ہوگئی۔ اتنی بارش میں اسے اندر نہ بلانا.......... یہ دشوار مرحلہ تھا۔

"میں کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔ بارش کے شور میں اس سے آہستہ بات کرنا ممکن نہیں تھا۔

"میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میگی بھی جواباً چلائی۔

"ذرا دیکھو۔" منیجر نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔ میگی نے جھک کر دیکھا۔ اس کے بال بھیگ گئے۔ ٹرالے کے نیچے سبز پانی دیکھ کر وہ دہل گئی۔ "او.......... مائی گاڈ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"میں کسی صورت میں نہیں پھنسنا چاہتا۔" منیجر پھر چلایا۔

"آؤ.......... اندر آجاؤ۔" میگی نے اسے اشارہ کیا۔

وہ نفی میں سرہلاتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "نہیں، نہیں مجھے مصیبت میں نہیں پھنسنا۔"

"تو اب تم کیا کرو گے؟" میگی نے پوچھا۔

"میں تمہیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔ "باس مجھے نکال باہر کرے گا میرے لئے مصیبت نہ بنو۔"

"تم پولیس کو تو نہیں بلاؤ گے؟"

"بس.......... تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ سمجھوں گا کہ یہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔"

میگی کچھ سوچنے کی کوشش کرتی رہی۔ "ہمیں ایک گھنٹے کی مہلت چاہئے۔" بالآخر اس نے کہا۔

"یہ بہت زیادہ ہے۔"

"ہمیں ایک ٹرک لانا ہوگا۔ یہاں ٹرک تو ہے نہیں ہمارے پاس۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک گھنٹے سے ایک منٹ بھی زیادہ نہیں۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

"وعدہ رہا۔"

"اور مجھے کنکشن بھی کاٹنے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" میگی نے کہا۔ منیجر اب بھی کھڑا تھا۔ شاید وہ ٹرالر کا دروازہ بند ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی کہ کیا اس کا شکریہ ادا کرے لیکن پھر اس نے

فیصلہ کیا کہ منیجر کو شکریے کی نہیں، یقین دہانی کی ضرورت ہے۔ "آپ کسی مصیبت میں نہیں پھنسیں گے۔" اس نے چیخ کر کہا اور دروازہ بند کردیا۔

چارلس اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے پوری گفتگو سن لی تھی

"اب ہمیں ٹرالر لے کر کہیں اور جانا ہوگا۔" میگی نے کہا۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سے مع رقم دستبردار ہوجائیں۔"

ہرمن اور کیلر بھی اس طرف آگئے۔ ہرمن نے کہا۔ "دست بردار ہوجائیں؟ ابھی تو جنگ شروع ہوئی ہے۔"

کیلر نے کہا۔ "مسئلہ کیا ہے آخر؟ اسے پتا کیسے چلا؟"

میگی نے وضاحت کی۔ "ہم نے واٹر کلر کیا تھا۔ بارش نے اسے دھو ڈالا ہے۔"

ہرمن بولا۔ "ہمیں کہیں اور جانا ہوگا میں اس تجوری سے شکست تسلیم نہیں کرسکتا۔ یہ میری عزت کا سوال ہے۔"

"اس وقت تک لانگ آئی لینڈ کا ہر پولیس مین اس ٹرالر کی تلاش میں مصروف ہوگا۔" چارلس نے کہا۔ "اب تو سبز رنگ بھی دھل گیا ہے ہم اسے لے کر کہاں جائیں اور کیسے جائیں گے؟"

.اور اب تو کوئی ٹرک بھی نہیں ہے۔ جو اسے گھسیٹے۔" مین نے کہا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" کیلر جھٹ بولا۔ "ٹرک تو جب کہو اٹھالاؤں۔"

"اور اتنی تیز بارش میں بینک کی تلاش بھی شدت سے نہیں کی جارہی ہوگی۔ تمام پولیس والے بارش سے چھپتے پھر رہے ہوں گے۔" وکٹر نے کہا۔ اسے اپنا ناول خطرے میں نظر آرہا تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔" چارلس نے بدمزگی سے کہا۔ "یہ بھی تو دیکھو کہ تلاش کس چیز کی ہے۔ یہ کوئی سوئی نہیں، پچاس فٹ لمبا بارہ فٹ چوڑا ٹرالر ہے۔ یہ تو خودبخود مرکز نگاہ بن جائے گا۔"

میگی اس دوران سوچتی رہی تھی۔ اسے دولت کی ہوس نہیں تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس واردات میں ناکامی کے بعد چارلس کا کیا حال ہوگا۔ "سنو.........." اس نے کہا۔

"میں نے ایک گھنٹے کی مہلت لے لی ہے۔"

اسی وقت لائٹ آف ہو گئی۔ "ہاں.......... ایک گھنٹے میں ہم اپنے اپنے گھر پہنچ کر بستروں میں گھس سکتے ہیں۔ ہم بھول جائیں گے کہ ہم نے کوئی واردات کی تھی۔" چارلس بولا۔

"ہمارے پاس دو کاریں ہیں۔ ہم ایک گھنٹے میں کوئی متبادل جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔ کوئی جگہ نہ ملی تو سب کچھ ختم۔" میگی نے تجویز پیش کی۔

"ہاں.......... یہ ٹھیک ہے۔ اس دوران میں تجوری پر کام کرتا ہوں۔" ہرمن نے کہا اور پارٹیشن کے دوسری طرف چلا گیا۔

"اب تو سردی لگ رہی ہے۔" مسز مَرچ نے کہا۔

"پلاسٹر کی پٹی پہن لیں۔ گرم ہو جائیں گی۔" میسن نے تجویز پیش کی۔ مسز مَرچ نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

چارلس نے آہ بھر کے کہا۔ "میں خوفزدہ ہوں کہ ہمیں کوئی نہ کوئی متبادل جگہ مل بھی جائے گی!"

☆======☆======☆

چارلس اور کیلر ایک گاڑی میں تھے۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اس جاب کے سلسلے میں تمہیں موردِ الزام ٹھہرانا غلط ہوگا۔" چارلس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔" کیلر نے کہا۔ وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

"لیکن میں تمہیں موردِ الزام ٹھہرا رہا ہوں۔"

"یہ تو زیادتی ہے۔" کیلر نے احتجاج کیا۔

انہیں ساڑھے نو بجے تک بینک واپس پہنچنا تھا اور سوا نو بج چکے تھے۔ کیلر نے ایک ٹرک ڈھونڈ نکالا تھا۔ ٹرک میسن کو دے دیا گیا تھا اور کیلر خود اسٹیشن ویگن ڈرائیو کر رہا تھا۔ وکٹر اور مسز مَرچ وکٹر کی پیکارڈ میں اسی کام کے لئے نکلے تھے.......... یعنی ٹرالر کو چھپانے کے لئے متبادل جگہ کی تلاش میں۔

"واپس چلو۔ اب کوئی جگہ نہیں ملے گی۔" چارلس نے کہا۔

"چلیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے.......... اور اتنی مایوسی کیسی؟"

"کیونکہ یہ علاقہ ہم گزشتہ ہفتے چھان چکے ہیں۔" چارلس نے کہا۔ "اور بینک کو

چھپانے کے لئے پچھلے ہفتے جگہ نہیں تھی تو اب بھی نہیں ہوگی۔"

"بس پانچ منٹ اور۔ پھر واپس چلیں گے۔"

"اس بارش میں تو ویسے بھی کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"کیا پتا.......... قسمت کسی وقت جلوہ دکھا دے۔" کیلر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چارلس نے کیلر کو گھور کر دیکھا لیکن وہ ڈرائیونگ میں منہمک تھا۔ چارلس بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن جانتا تھا کہ کیلر کی موٹی کھال کے لئے ناکافی ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس نے سر جھکا لیا۔

"بارش دھواں دھار ہو رہی ہے۔" کیلر نے کہا۔ چارلس خاموش رہا۔ کیلر بھی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر چارلس نے کہا۔ "اب تو پانچ منٹ ہو گئے ہوں گے۔"

"ابھی ایک منٹ باقی ہے۔"

چارلس ونڈ شیلڈ کو گھورتا رہا۔ ایک بات امید افزا تھی۔ ابھی تک کوئی پولیس والا نظر نہیں آیا تھا۔ دو ایک پیٹرول کاریں ضرور نظر آئی تھیں لیکن وہ معمول کے مطابق گشت کر رہی تھیں۔ بارش نے جہاں انہیں دھچکا پہنچایا تھا' پولیس کی کارروائی کو بھی تقریباً ختم ہی کر دیا تھا۔ چارلس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے یہی اس کی زندگی کی کہانی ہے۔ کیلر اسے ایک امید پر گھسیٹے لئے پھر رہا تھا۔ اس کی قسمت کبھی اچھی نہیں رہی تھی.......... لیکن بری بھی نہیں رہی تھی۔ یہ عجیب امتزاج تھا۔ مثبت نے منفی کو بھی کاٹ دیا تھا۔ بارش قسمت کی نمائندگی کر رہی تھی اور اس نے دونوں کام کئے تھے۔

اس نے آہ بھر کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ "وقت پورا ہو گیا ہے کیلر!"

کیلر نے ہچکچاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "ٹھیک ہے اگلے موڑ سے دوسری سڑک پر چلیں گے۔"

"اسی سڑک سے واپس چلو۔"

"میں ایک راستے سے دوبار گزرنا پسند نہیں کرتا۔"

چارلس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے لگا۔ میگی ٹرالر کے دروازے پر اس کی منتظر ہے۔ ہرمن نے تجوری کھول لی ہے' وہ اسے بتا رہی ہے۔ پھر ہرمن نمودار ہوا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں گڈیاں ہیں۔ میسن کی ممی نے گردن

والی پلاسٹر کی پٹی باہر بارش میں اچھال دی ہے اور چیخ رہی ہے! مجھے انشورنس کی رقم نہیں چاہئے' پس منظر میں وکٹر مسکرا رہا ہے۔

کیلر نے اچانک بریک لگائے۔ اسٹیشن ویگن دائیں جانب پھسلی۔ چارلس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ اس کا خواب بکھر گیا۔ "کیا مصیبت ہے؟" وہ غرایا۔

"وہ دیکھو.......... وہ دیکھو۔" کیلر ہیجانی انداز میں چلایا لیکن جس طرف وہ اشارہ کر رہا تھا' وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم عقب سے ایکسیڈنٹ کرانے کے ماہر ہو۔" چارلس نے اسے داد دی۔

"تم دیکھ لو.........." کیلر نے کہا اور گاڑی کو ایک طرف موڑا اور پارکنگ لاٹ میں لے آیا۔ تب کہیں چارلس کو وہ چیز نظر آئی۔ جس کی طرف کیلر اشارہ کر رہا تھا۔ "میں نے دیکھ لیا۔ تو پھر؟" وہ غرایا۔

"نہیں سمجھے؟"

"نہیں۔"

کیلر نے پھر اشارہ کیا۔ "ہم ٹرالر کو یہاں کھڑا کرسکتے ہیں۔"

چارلس گھورتا رہ گیا۔ "لعنت ہے۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ کوئی جگہ مل جائے گی۔"

"بہت مناسب جگہ ہے۔" کیلر نے کہا۔

چارلس کیا کرتا۔ وہ مصیبت سے جان چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ مسکراہٹ تو کہیں اس کے اندر سے ابھری تھی.......... سچی مسکراہٹ! "لعنت ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆------☆------☆

"مجھے بارش سے نفرت ہے۔" کیپٹن ڈیمر نے کہا۔

"یس سر!"

"مجھے بارش سے شروع ہی سے نفرت ہے لیکن اتنی نفرت کبھی نہیں تھی جتنی آج محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ دونوں اس وقت ایک پیٹرول کار کی عقبی نشست پر بیٹھے تھے جسے کیپٹن ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال کر رہا تھا۔ اگلی نشست پر دو پیٹرول مین تھے۔ بائیں جانب ڈرائیور اور دائیں جانب ریڈیو آپریٹر۔ ریڈیو پر ان کا رابطہ پولیس اسٹیشن ہی سے نہیں'

ان تمام پیٹرول کاروں سے بھی تھا جو بینک کی تلاش میں مصروف تھیں لیکن اب بارش کی وجہ سے ریڈیو الفاظ کی زبان کے بجائے گڑگڑاہٹ کی زبان میں بات کر رہا تھا اور یہی بات کیپٹن کے نروس سسٹم پر بری طرح اثر انداز ہو رہی تھی۔

کیپٹن آگے کی طرف جھکتے ہوئے غرایا۔ "تم اس ذلیل ریڈیو کا کچھ نہیں کرسکتے؟" خطاب ریڈیو آپریٹر سے تھا۔

"سر.......... یہ موسم کی وجہ سے گڑبڑ کر رہا ہے۔"

"اور تمہارے خیال میں یہ بات مجھے معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا ہے کہ تم اس کا کچھ نہیں کرسکتے؟"

"بلندی پر اس کی کارکردگی بہتر ہوسکتی ہے جناب۔ میرا مطلب ہے' اگر ہم کسی پہاڑی کا رخ کریں۔"

کیپٹن ڈرائیور پر الٹ پڑا۔ "سن رہے ہو۔ کسی پہاڑی کا رخ کیوں نہیں کرتے۔"

"یس سر۔"

کیپٹن' لیفٹیننٹ وائٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "پہاڑی!" اس نے یوں دہرایا جیسے یہ لفظ اس کے لئے ذاتی توہین کے مترادف ہو۔

"یس سر۔" وائٹ اس وقت ہر چیز کی تائید کے لئے تیار تھا.......... بہ اعتبار ضرورت.......... ورنہ نو سر!

"یہ میرا چلتا پھرتا ہیڈ کوارٹر ہے.......... اور میں کسی سے اس وقت تک رابطہ نہیں کرسکتا' جب تک کہ کسی پہاڑی پر نہ چڑھ جاؤں۔ کیا چلتا پھرتا ہیڈ کوارٹر ایسا ہی ہوتا ہے؟"

لیفٹیننٹ پریشان ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں اس بات کا جواب نہیں آیا۔ وہ یس سر اور نو سر کے درمیان معلق رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ خاموشی ہی میں عافیت ہے۔

جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کیپٹن نے ڈرائیور سے پوچھا۔ "تمہیں اب تک لوئی پہاڑی نہیں ملی؟"

"میرا خیال ہے کہ کچھ آگے ایک پہاڑی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔ "لیکن اس بارش ں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"مجھے بارش سے نفرت ہے۔" کیپٹن نے کہا اور دانت نکال کر گویا بارش کا منہ چڑایا........ ریڈیو سے بدستور عجیب و غریب آوازیں نشر ہو رہی تھیں۔ بارش کار کی چھت پر شور مچا رہی تھی۔ کیپٹن کی بائیں آنکھ پھڑپھڑانے لگی۔

"اس ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک دوں کیپٹن؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"کیپٹن نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بولا۔ "روک دو۔"

"میرا خیال ہے' انشورنس کمپنی نے ادائیگی کر دی ہو گی جناب؟" ریڈیو آپریٹر بولا۔

"کہاں کی ہانک رہے ہو؟" کیپٹن نے منہ بنا کر کہا۔

"اس ریسٹورنٹ میں گزشتہ سال آگ لگی تھی جناب! جل کر خاک ہو گیا تھا بالکل۔"

"بہرحال' پھر تعمیر ہو گیا ہے۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

"لگتا ہے' ابھی کھلا نہیں ہے دوبارہ۔" ریڈیو آپریٹر نے تبصرہ کیا۔

کیپٹن کو یہ غیر متعلقہ گفتگو بری طرح کھل رہی تھی۔ "ہم یہاں ریسٹورنٹ کے متعلق باتیں کرنے نہیں بلکہ پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔"

"لیس سر۔" اس کے تینوں ماتحتوں نے بہ یک آواز کہا۔

ریسٹورنٹ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اس کے اور سڑک کے درمیان کنکریلا پارکنگ لاٹ تھا۔ سڑک کے کنارے سائن بورڈ پر لکھا تھا........ "میکیے ریسٹورنٹ" ڈرائیور نے گاڑی اس کے نزدیک روکی۔

ریڈیو مین پولیس اسٹیشن سے رابطہ ملانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ ایک منٹ بعد گڑگڑاہٹ کے درمیان ہلکی سی آواز سنائی دی۔ "رابطہ مل گیا۔" ریڈیو آپریٹر نے خوش ہو کر کہا۔

"گڈ........ انہیں بتاؤ کہ ہم کہاں ہیں۔" کیپٹن نے کہا۔ "ارے........ یہ جگہ کون سی ہے؟"

"میکیے ریسٹورنٹ جناب۔"

کیپٹن نے لڑاکا بیل کے سے انداز میں سر جھکایا جو کسی پر جھپٹنے کی تیاری کر رہا ہو۔

"یہ بورڈ میں بھی پڑھ چکا ہوں سمجھے؟" وہ غرایا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ علاقہ کون

سا ہے؟"

"یہ ساگا پوناک کے قریب کوئی مقام ہے جناب۔" ریڈیو آپریٹر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پولیس اسٹیشن کو یہی پوزیشن بتا دو۔"

"بہتر جناب۔"

"اور معلوم کرو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"لیس سر۔"

"اور انہیں بتاؤ کہ ہم غیر معینہ مدت کے لئے یہاں ٹھہر گئے ہیں۔"

"لیس سر۔"

"بتا دو کہ ہم اس وقت تک یہیں رکیں گے' جب تک بینک نہیں مل جاتا' یا بارش نہیں رک جاتی یا میں پاگل نہیں ہو جاتا۔"

ریڈیو آپریٹر پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ "لیس سر۔"

کیپٹن' لیفٹیننٹ وائٹ کی طرف متوجہ ہوا جس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ "مجھے بچپن ہی سے بارش سے نفرت ہے۔" کیپٹن نے کہا۔

"لیس سر۔"

کیپٹن کی بائیں آنکھ یوں پھڑپھڑائی جیسے اب بند ہی ہو جائے گی۔ "میں لیس سر' لیس سر سنتے سنتے بیزار ہو گیا ہوں۔"

"لیس سس۔" لیفٹیننٹ بوکھلا گیا۔

"سر' میں نے پولیس اسٹیشن کو اپنی پوزیشن بتا دی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں جس کی رپورٹ دی جائے۔"

"ظاہر ہے۔"

"وہ کہتے ہیں کہ بینک کی تلاش کی مہم بارش کی وجہ سے ٹھپ ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو انہوں نے وجہ بتانے کی زحمت بھی کی؟"

"لیس سر۔"

"اُف........" لیفٹیننٹ نے کھنکھار کر ریڈیو آپریٹر کو لیس سر کے خوفناک اثرات کا احساس دلایا۔ کیپٹن نے اسے گھور کر دیکھا۔ "کچھ نہیں سر۔" لیفٹیننٹ منمنایا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"سوا دس بجے ہیں سر۔" لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

"میں بھوکا ہوں۔ لیفٹیننٹ، تم جاکر کافی اور برگر کیوں نہیں لے آتے......... سب کے لئے......... میری طرف سے۔" کیپٹن نے ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"کھڑکی پر بورڈ آویزاں ہے سر، جس پر کلوزڈ لکھا ہے۔"

"شاید آگ لگنے کے بعد یہ ریسٹورنٹ اب تک کھلا نہیں ہے۔ سب کچھ جل کر خاک ہوگیا تھا۔" ریڈیو آپریٹر نے دہرایا۔

"لیفٹیننٹ......... تم جاؤ اور دروازے پر دستک دو۔ اگر کوئی موجود ہو تو پوچھو کہ ہمیں برگر اور کافی مل سکتی ہے یا نہیں۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔ پھر اسے خیال آگیا۔ "میرا مطلب ہے......... میرا مطلب ہے......... اوہ........."

"اور اگر برگر اور کافی نہیں تو کچھ بھی مل جائے۔ ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔"

"اوہ......... سر۔"

"تھینک یو۔" کیپٹن نے کہا اور کھڑکی سے باہر بارش کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا۔

لیفٹیننٹ کار سے اترتے ہی بارش کی لپیٹ میں آگیا۔ وہ بارش سے لڑتا لڑکھڑاتا ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ ویسے تو عمارت کو دیکھ کر ہی احساس ہو رہا تھا کہ ابھی ریسٹورنٹ والوں نے بزنس شروع نہیں کیا ہے......... لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ دروازے کی نچلی درز سے اسے کار کے پہیے نظر آئے۔ اس کا مطلب تھا کہ اندر کوئی موجود ہے۔

وہ پانی میں چھپاکے مارتا دروازے تک پہنچا اور اس نے دستک دی۔ اسے امید تو نہیں تھی......... لیکن چند لمحے بعد دروازہ ذرا سا کھلا اور ایک نوجوان عورت نے جھانکا۔ "فرمائیے؟" عورت نے کہا۔

"ہمیں کافی اور برگر کی ضرورت ہے۔" لیفٹیننٹ نے نہایت حلیمی سے کہا۔

"ریسٹورنٹ بند ہے۔"

اسی وقت عقب سے ایک معمر عورت آئی اور اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے

گرٹروڈ؟"

"انہیں کافی اور برگر کی ضرورت ہے۔ میں انہیں بتا رہی تھی کہ ریسٹورنٹ بند ہے۔" نوجوان عورت نے جواب دیا۔

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے......... اور ہم یہاں ڈیوٹی پر ہیں۔ اگر آپ ہمارے لئے کچھ کرسکیں تو نوازش ہوگی۔" لیفٹیننٹ نے دل جیتنے والی مسکراہٹ لبوں پر لانے کی کوشش کی لیکن سوائے اس کے کچھ نتیجہ نہ نکلا کہ اس کے منہ میں بارش کا پانی بھر گیا۔

"ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔" معمر عورت نے رکھائی سے کہا۔ اس کی گردن پر پلاسٹر کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

لیکن گرٹروڈ نے مہربان لہجے میں کہا۔ "کاش......... ہم آپ کی مدد کرسکتے لیکن یہاں تو بجلی تک نہیں ہے۔ ہم تو خود کافی کو ترس رہے ہیں۔"

"پھر بھی میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"ریسٹورنٹ کھلنے کے بعد آیئے گا۔ ہم آپ کو پہلی بار مہمان کی حیثیت دیں گے۔"

لیفٹیننٹ شکریہ ادا کرکے پلٹ آیا۔ اس نے کیپٹن کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ کیپٹن نے بھنا کر کہا۔ "ہمیں ڈھنگ کی کوئی پہاڑی بھی نہیں ملی۔" پھر وہ ریڈیو آپریٹر سے بولا۔ "معلوم کرو کہ اس علاقے میں کوئی پیٹرول کار ہے۔"

"یس سر۔"

"انہیں کہنا کہ ہمیں کافی اور برگر درکار ہیں۔"

"یس سر۔" ریڈیو مین نے کہا اور حکم کی تعلیم میں مصروف ہوگیا۔

دس منٹ بعد ایک پیٹرول کار آئی اور انہیں کافی اور برگر میسر آگئے۔ کیپٹن بہت خوش ہوا۔ اس نے بل بھی ادا کروایا۔ دو منٹ بعد دوسری پیٹرول کار بھی کافی اور برگر لے آئی۔ "مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔" کیپٹن بل ادا کرتے ہوئے بڑبڑایا لیکن جب تیسری اور چوتھی پیٹرول کار کے ذریعے کافی اور برگرز کی مزید کھیپ پہنچی تو کیپٹن نے دہاڑ کر ریڈیو آپریٹر سے کہا۔ "ان سے کہو، اب بس کریں۔ ان سے کہو، اب رک جائیں۔ ان سے کہو، بہت ہوچکی۔ ان سے کہو، اتنی کافی کافی ہے۔ ان سے کہو، میں کنگال ہونے والا ہوں........."

"یس سر۔" آپریٹر نے کہا اور پھر حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔

اس کے باوجود اگلے پانچ منٹ میں دو پیٹرول کاریں مزید کافی اور برگر لے آئیں۔

کیپٹن ڈسپلن کا بہت احترام کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے نہ صرف یہ کمک قبول کی بلکہ ادائیگی بھی کی اور لانے والوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے عارضی ہیڈ کوارٹر پلاسٹک کی پیالیوں اور برگر کے تھیلوں سے پٹ گیا۔ بھاپ کی وجہ سے کار کے شیشے دھندلے ہونے لگے۔

"بس اب نہیں پی جاتی۔" کیپٹن نے بے بسی سے کہا۔ ذخیرہ بہت زیادہ تھا۔

"کیپٹن.......... میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے کہا۔

"خدا مجھے اپنی امان میں رکھے۔ اب کچھ اور نہ منگوا لینا۔"

"سر.......... ریسٹورنٹ والے بھی ضرورت مند ہیں۔ کیوں نہ فاضل کافی اور برگر انہیں دے دیئے جائیں۔"

کیپٹن چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اپنی اس حلال کی کمائی کو پھینکنے کے مقابلے میں یہ بہتر ہے۔"

"تھینک یو سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا اور تمام فاضل چیزیں سنبھال کر باہر نکل آیا۔

دروازہ اس بار بھی نوجوان عورت نے کھولا تھا۔ "ہمیں ہماری ضرورت سے زیادہ مل گیا تھا۔" لیفٹیننٹ نے وضاحت کی۔ "میں نے سوچا' شاید آپ کو ضرورت ہو۔"

"بڑی مہربانی آفیسر' ہم واقعی ضرورت مند تھے۔" عورت نے کہا۔

"یہ چار افراد کے لئے ہے لیکن ہمارے پاس اور بھی ہے۔ ضرورت ہو تو مانگ لیں۔ آپ لوگ چار ہی ہیں نا؟"

عورت ہچکچائی.......... پھر بولی۔ "آفیسر.......... یہاں ہم سات افراد ہیں۔"

"سا! اوہ.......... تب تو آپ لوگ تیزی سے کام کر رہے ہوں گے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔ اسے امید تھی کہ وہ لوگ ریسٹورنٹ کا افتتاح جلد از جلد کر دیں گے۔

"جی ہاں.......... ہماری کوشش تو یہی ہے کہ تیزی سے کام کریں لیکن عجیب طرح کی رکاوٹیں سامنے آئی ہیں۔"

"یعنی آپ کو یہ دروازہ کھولنے کی جلدی ہے؟"

"ہاں آفیسر' ہمیں وہ دروازہ کھولنے کی جلدی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے' وہ دروازہ۔" عورت نے برابر میں کچھ فاصلے پر موجود دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ محظوظ ہو رہی ہے۔ "ریسٹورنٹ کا اصل دروازہ وہ ہے۔"

"اوہ خیر' میں آپ کے لئے اور کافی اور برگر لاتا ہوں۔"

"شکریہ آفیسر۔"

لیفٹیننٹ کار کی طرف واپس گیا اور کچھ اور پیکنگز سمیٹنے لگا۔ کیپٹن نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔ "تم ایک ریسٹورنٹ کو کافی اور برگر سپلائی کر رہے ہو۔ تمہیں عجیب نہیں لگتا لیفٹیننٹ؟"

"لگتا تو ہے سر لیکن میرے خیال میں وہ آپ کی حلال کی کمائی کے واقعتاً مستحق ہیں۔"

عورت نے برگرز اور کافی لیتے ہوئے ہوئے کہا۔ "آفیسر.......... اگر سب پولیس والے تم جیسے ہو جائیں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ کوئی جھگڑا ہی نہ رہے۔"

"ارے نہیں مادام۔ میں تو بس.........." لیفٹیننٹ نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" عورت نے بزرگانہ انداز میں دعا دی۔

لیفٹیننٹ واپس آیا تو کیپٹن کا موڈ بے حد خراب تھا۔ "یہ دن.......... لعنتی بارش والا دن.........." وہ غرایا۔ "میں تمہیں بتا رہا ہوں کیپٹن کہ یہ دن ختم ہو جائے گا۔ یہ دن سدا نہیں رہے گا۔ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا یہ۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ گڑبڑا گیا۔ "اور.......... سر۔"

گفتگو یہیں موقوف ہو گئی۔ سب نے بساط سے زیادہ برگر کھائے تھے.......... رات بھر بیداری الگ۔ ڈرائیور گہری نیند سو گیا۔ کیپٹن اونگھنے لگا۔ لیفٹیننٹ بار بار جھٹکے لے رہا تھا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ ریڈیو آپریٹر البتہ جاگ رہا تھا۔

صبح گزری پھر دوپہر گزری۔ بالآخر دو بج گئے۔ نہ بارش رکی.......... اور نہ ہی بینک کے سلسلے میں کوئی مثبت اطلاع ملی۔ بالآخر دو بج کر دس منٹ پر کیپٹن نے آنکھیں کھول کر

باہر دیکھا۔ بارش بہ دستور ہو رہی تھی۔ "بس......... بہت ہو چکی۔" اس نے دہاڑ کر کہا۔

تینوں ماتحت الرٹ نظر آنے کی کوشش کرنے لگے۔

"یہاں بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا۔" کیپٹن مزید دہاڑا۔ "یہ ہیڈ کوارٹر موبائل نہیں ہے۔ سب کچھ بے سود ہے۔ ڈرائیور' واپس چلو......... پولیس اسٹیشن۔"

"یس سر۔"

☆======☆======☆

"وہ جا رہے ہیں۔" وکٹر نے چیخ کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔" میسن کی ممی نے کہا اور گردن والی پلاسٹر کی پٹی کو کھولنے میں مصروف ہو گئیں۔

چارلس ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈلوانے کی پریکٹس کر رہا تھا اس نے بے یقینی سے وکٹر کو دیکھا اور بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ جا رہے ہیں؟"

"وہ تو چلے بھی گئے۔" وکٹر فاتحانہ لہجے میں چلایا۔

وکٹر آہ بھر کر اٹھا تو اسے اپنی تمام ہڈیاں چٹختی محسوس ہوئیں جسم اکڑ کر رہ گیا تھا۔

میگی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آخری چار گھنٹے قیامت کی طرح گزرے تھے۔ حالانکہ چارلس اور کیلر نے جب پہلی بار ریسٹورنٹ کو دیکھا تھا تو انہیں یہ جگہ بطورِ خاص اپنے لئے جنت سے اتری ہوئی معلوم ہوئی تھی چنانچہ وہ وانڈر ٹرالر پارک' واپس گئے تھے۔ وہاں میسن پہلے ہی بینک کو ٹرک سے منسلک کر چکا تھا۔ اسٹیشن ویگن کو وکٹر کہیں چھوڑ آیا تھا۔ وہ سب فوری روانگی کے لئے تیار تھے۔

وکٹر اور کیلر پہلے نکلے تھے۔ وہ ٹرک اور ٹرالر سے دو بلاک آگے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ پولیس والوں کی سرگرمیوں کے مطابق میسن کو الرٹ رکھا جائے۔ چارلس اور ہرمن خواتین کے ساتھ بینک میں تھے۔ یہ قافلہ بخیر وخوبی متروک ریسٹورنٹ تک پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ٹرالر کو اندر کھڑا کیا۔ وکٹر کی پیکارڈ بھی کھڑی کر دی گئی۔ کام شروع ہو گیا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب ہرمن کو بیٹری سے چلنے والے اوزار استعمال کرنے پڑ رہے تھے۔ کیونکہ ریسٹورنٹ بجلی سے محروم تھا۔ تاش اب فلیش لائٹ کی روشنی میں کھیلے جا رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے بینک کے اندر سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ سب

اچھے موڈ میں تھے۔ کیونکہ مستقبل روشن نظر آرہا تھا۔ حتیٰ کہ ہرمن کا یہ اعتماد بھی بحال ہوگیا تھا کہ دنیا کی ہر مقفل چیز کھول سکتا ہے۔

پھر اچانک پولیس والے نازل ہوگئے۔ سب سے پہلے کیلر نے انہیں دیکھا۔ وہ اس وقت کھڑکی میں کھڑا تھا۔ "دیکھو.......... دیکھو' قانون آیا۔" اس نے شور مچادیا۔

وہ سب اس کھڑکی کے گرد جمع ہوگئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھورتے رہے۔ "کیا یہ ہمارے پیچھے آئے ہیں؟ اب کیا ہوگا؟" میگی نے پوچھا۔

"نہیں.......... یہ بات نہیں۔" وکٹر نے کہا۔ وہ گروہ کے قانونی مشیر کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔ اپنے ایف بی آئی کے تجربے کی وجہ سے وہ اس قسم کی صورتِ حال کو بہت جلدی سمجھ لیتا تھا۔ "یہ صرف گشت کرنے نکلے ہیں معمول کے مطابق۔" اس نے مزید کہا۔ "اگر یہ ہمارے پیچھے آئے ہوتے تو ان کا انداز اور ہوتا۔"

"یعنی ریسٹورنٹ کا محاصرہ کرتے۔" چارلس بولا۔

"بالکل۔"

اس کے باوجود ہرمن کو اپنی توجہ کام پر مرکوز رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے۔ چرایا ہوا بینک اندر ہو اور پولیس باہر دھرنا دیئے بیٹھی ہو' بے خبر ہی سہی.......... تو ایسے میں کام کیا خاک ہوگا۔ پھر ایک پولیس افسر کار سے اترا اور ریسٹورنٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ تاش کا کھیل رک گیا۔ ہرمن نے اوزار ایک طرف رکھ کر سر پکڑ لیا۔ ہر شخص سانس روک کر بیٹھ گیا۔ میگی اور مسز مَرچ نے اسے بھگتایا۔ اس کے بعد یہ تو طے ہوگیا کہ پولیس والے ان کی اصلیت سے بے خبر ہیں لیکن اعصاب پر بوجھ بہ دستور موجود رہا۔ کیونکہ پولیس کار اپنی جگہ جمی رہی۔ ہر شخص یہی پوچھ رہا تھا کہ آخر یہ یہاں کیا کر رہے ہیں' یہ یہاں سے کب جائیں گے.......... اور وکٹر ہر سوال کے جواب میں کہتا.......... مجھے معلوم نہیں۔ میں تو خود حیران ہوں۔ پھر پیٹرول کاروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو متروک ریسٹورنٹ میں ہلچل مچ گئی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ تمام پیٹرول کاریں کافی اور برگر لے کر آئی تھیں۔ یہ بات چارلس کی تیز نظروں نے بھانپی تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی ہماری طرح تباہ حال اور بے گھر ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ خوش قسمتی سے ناشتا انہیں خود پولیس والوں نے

فراہم کیا۔ وہ سب یہ سوچ سوچ کر حیران تھے کہ پولیس والے ان کی تلاش میں ہیں.......... اور وہ ان کے اس قدر قریب ہیں لیکن پولیس والوں کو کچھ خبر نہیں۔ اس کے باوجود پولیس کی موجودگی کی وجہ سے ہرمن کے کام کی رفتار سست پڑ گئی۔ کم از کم وہ کوئی دھماکا تو ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ ہرمن کا موڈ خراب سے خراب تر ہوتا گیا۔ وہ بے چینی سے بینک کے اندر ٹہلنے اور گفتگو کرنے والوں پر غرانے اور پھنکارنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے علاوہ گردن کے پلاسٹر کا مسئلہ الگ تھا۔ میسن نے اتنا واویلا کیا کہ مسز مَرچ کو پٹی پہننے پر رضامند ہونا پڑا' لیکن اسے پہننے کے نتیجے میں اس کا موڈ بہت خراب ہوگیا۔ غرانے اور پھنکارنے کے معاملے میں وہ ہرمن سے بھی آگے بڑھ گئی.......... اور اس طرح ایک اور ایک مل جائیں تو گیارہ کہلاتے ہیں۔

پھر اچانک پولیس والے روانہ ہوگئے۔ نہ ان کی آمد کا کوئی معقول سبب تھا اور نہ روانگی کا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں کھنچ گئیں۔ میسن کی ممی نے گردن کی پٹی اتار کر دور پھینک دی۔ اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

"اب میں وہ کچھ کروں گا' جو کئی گھنٹوں سے کرنا چاہ رہا ہوں۔" ہرمن نے خوش ہو کر کہا۔

چارلس ٹہل ٹہل کر 8 کا ہندسہ بنا رہا تھا۔ ساتھ ہی اپنے بازوؤں اور کندھوں کو حرکت دے رہا تھا تاکہ اکڑے ہوئے پٹھے نرم ہوجائیں۔ اس نے قدم روکے اور ہرمن سے پوچھا۔ "کیا کرو گے تم؟"

"یہ جو سوراخ ہوا ہے نا تجوری میں' اس کے ذریعے.......... آتش گیر مادہ اندر رکھوں گا اور پھر دھائیں۔"

"ٹھیک ہے' جلدی کرو۔ ورنہ مجھے خدشہ ہے کہ اس بار محکمہ صحت والے ہمارے کچن کا معائنہ کرنے کی غرض سے آجائیں گے۔"

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس بار دھماکا زبردست ہوگا۔"

چارلس پھر 8 کے درمیان رک گیا۔ "مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ ہم سب وہ دھماکا جھیل سکیں گے؟"

"ہاں ہاں۔ اب اتنا بڑا دھماکا بھی نہیں ہوگا وہ۔" ہرمن نے سر ہلا کر کہا۔

"بس تو پھر کر ڈالو دھماکا۔"

"مجھے سیٹنگ میں پانچ منٹ لگیں گے۔"

پانچ منٹ بعد ہرمن نے سب کو پارٹیشن کی دوسری طرف بھیج دیا۔ "دھات کے ٹکڑے اڑ سکتے ہیں.......... اور یہ خطرناک ہوگا۔" اس نے وضاحت کی۔

وہ سب سینے کے بل لیٹ گئے۔ ہرمن غائب تھا۔ شاید وہ آخری کام میں مصروف تھا۔ پھر وہ بھی آیا اور سینے کے بل لیٹ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو تار تھے۔

"ریڈی؟" اس نے پوچھا۔

"اب کر بھی دو دھماکا۔" چارلس نے بھنا کر کہا۔

"اوکے۔" ہرمن نے کہا اور دونوں تاروں کے سرے ملا دیئے۔

دھماکا کافی زوردار تھا۔ پورا بینک ہل کر رہ گیا۔ پارٹیشن کے اس طرف والے حصے سے سرمئی دھواں اٹھتے دیکھ کر ہرمن کی باچھیں کھل گئیں۔ "ہوگیا کام۔" اس نے نعرہ لگایا۔

"یہ اندر سے دھواں کیسا نکل رہا ہے؟" چارلس نے پوچھا۔ وہ سب تجوری سے اٹھنے والے دھوئیں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ایک منٹ۔" ہرمن نے کہا اور آگے بڑھ کر تجوری پر جھک گیا۔ پھر غصے سے اس کا بدن لرزنے لگا۔ "لعنت ہو۔ دھات کے ٹکڑے اندر گرے ہیں۔"

کیلر نے آگے بڑھ کر تجوری میں جھانکا۔ "ارے.......... نوٹ جل رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی افراتفری پھیل گئی۔ "لیکن صورتِ حال زیادہ خراب نہیں ہے۔" چارلس نے تجوری کا معائنہ کرنے کے بعد اعلان کیا۔ سوراخ کا قطر کم از کم ایک فٹ تھا۔ اندر اسی سائز کا دھاتی ٹکڑا تھا۔ وہ بے حد گرم تھا اور نوٹوں کی گڈیوں پر گرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے آگ لگ رہی تھی بلکہ آگ نہیں لگی تھی۔ ابھی نوٹ صرف بھوری رنگت اختیار کر رہے تھے۔ البتہ چھوٹے چھوٹے شعلے نومولود بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے۔ صورت حال پر فوری طور پر قابو پانا تھا' ورنہ ساری رقم راکھ ہوجاتی۔ چارلس نے اپنا جوتا اتارا اور سوراخ میں سے اندر ہاتھ ڈال کر آگ کو جوتے سے پیٹ پیٹ کر بجھانے

کی کوشش کی۔

کاش.......... یہاں پانی موجود ہوتا۔" وکٹر نے بے حد حسرت سے کہا۔

"ٹوائلٹ کی ٹینکی فل ہوگی' استعمال ہی کہاں کی گئی ہے۔" میسن کی ممی نے یاد دلایا۔

یہ سنتے ہی کافی کے کنٹینر بریگیڈ تشکیل دی گئی۔ کافی کے ٹن میں پانی کی سپلائی شروع ہوگئی۔ تپتے ہوئے نوٹوں پر جوتے کے بجائے پانی کی مار پڑنے لگی۔ صرف چار ٹن پانی میں آگ کا حوصلہ جواب دے گیا۔

"بھیگی ہوئی رقم۔" چارلس نے سر ہلا کر کہا۔ "خیر.......... پلاسٹک کے بیگ کہاں ہیں؟"

وہ لوگ پلاسٹک کا پورا باکس اٹھا لائے تھے۔ میگی باکس لائی اور اس نے اسے کھول کر ایک پلاسٹک بیگ چارلس کو دیا۔ چارلس اور کیلر بیگ میں نوٹ بھرنے میں مصروف ہوگئے۔ بعض نوٹ دھوئیں کی وجہ سے سیاہ ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ بھیگے ہوئے نوٹ بھی تھے اور خشک نوٹ بھی تھے۔ میگی اور وکٹر بیگ کا منہ کھولے کھڑے تھے۔

اسی وقت مسز مَرچ نے چیخ ماری۔ "زلزلہ.......... ہم ہل رہے ہیں!"

چارلس فوراً سیدھا ہوگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں نوٹ تھے۔ "واٹ؟" وہ چلایا۔

اسی وقت میسن دوڑا ہوا آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تیں۔ چارلس نے اسے اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "ہم چل پڑے ہیں۔ ٹرالر چل پڑا ہے ڈھلان کی طرف۔ یعنی ٹرالر پہاڑی سے نیچے جا رہا ہے۔ اب وہ ہمارے بس میں نہیں ہے!"

☆------☆------☆

کیلر نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اسے متحرک مضافاتی مناظر نظر آئے۔ "اس وقت تو ہم سڑک پر ہیں۔" اس نے کہا۔

عقب سے میسن نے چیخ کر کہا۔ "کودو.......... چھلانگ لگا دو۔"

ٹرالر کی رفتار پانچ یا دس میل فی گھنٹا سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود کیلر نے نیچے دیکھا.......... اور اسے چکر آگئے۔ چھلانگ لگانی ضروری تھی۔ ٹرالر کے سامنے والے

حصے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی کہ پتا چلتا' وہ کہاں جارہے ہیں۔ وہ تو اندھا سفر تھا۔ ٹرالر کسی بھی وقت کسی بھی چیز سے ٹکرا سکتا تھا اور انہیں پتا ہی نہ چلتا۔ اس وقت رفتار کم تھی کیونکہ ڈھلوان ہلکی تھی لیکن آگے ڈھلان کو یقیناً گہرا ہونا تھا۔ اس صورت میں رفتار بھی بڑھنا تھی اور اس وقت چھلانگ لگانا ناممکن ہوجاتا۔

کیلر نے سب سے پہلے چھلانگ لگائی۔ پھر وکٹر نے۔ کیلر دو قلابازیاں کھا کر اٹھا تو اس کی پتلون گھٹنوں پر سے پھٹ چکی تھی۔ گینگ کے باقی لوگ بھی کود رہے تھے۔ جلد ہی وہ سب سڑک پر بکھرے پڑے تھے.......... اور بینک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اڑا جارہا تھا۔ اس کی رفتار بتدریج بڑھ رہی تھی۔

کیلر نے سر گھما کر دیکھا۔ وکٹر ریسٹورنٹ کی طرف بھاگا جارہا تھا۔ ایک لمحے کو تو کیلر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وکٹر اپنی کار لینے گیا ہے تاکہ بینک کا پیچھا کرسکے۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریسٹورنٹ کی طرف دوڑا لیکن اس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی وکٹر اپنی کار نکال لایا تھا۔ کیلر کو دیکھ کر اس نے بریک لگائے اور کیلر کے بیٹھتے ہی کار کو پوری رفتار سے چلادیا۔ وہ چارلس کے پاس کار روکنے والا تھا جو ہاتھ میں نوٹوں کا بیگ لئے کھڑا تھا لیکن چارلس نے اسے اشارہ کیا کہ وہ کار نہ روکے۔ "ان کی فکر نہ کرو۔ وہ وین میں آجائیں گے۔" کیلر نے وضاحت کی۔ وکٹر نے کار کی رفتار اور بڑھادی۔

بینک طویل ڈھلوانی سڑک پر اڑتا جارہا تھا۔ جو بارش کی وجہ سے پھسلواں بھی ہورہی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ بارش کی وجہ سے سڑک سنسان تھی۔ بینک سڑک کے عین درمیان بھاگ رہا تھا..........

"اب موڑ آئے گا.......... اور بینک نیچے.........." کیلر نے کہا۔ "تاہم' ہم رقم نکال سکیں گے۔"

لیکن ٹرالر موڑ پر بڑی نفاست سے گھوم گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"لعنت ہو اس پر۔ اسے پکڑو وکٹر!" کیلر چلایا۔

"ضرور پکڑوں گا۔" وکٹر نے کہا۔ "پتا ہے.......... ہوا کیا تھا؟"

"سیدھی سی بات ہے' ٹرالر چل پڑا تھا۔"

"دھماکے کی وجہ سے۔" وکٹر نے مربیانہ انداز میں کہا۔ "دھماکے نے اسے تحرک دیا اور وہ تھا بلندی پر۔ چنانچہ پستی کی طرف چل پڑا بدبخت۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" کیلر نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں اندازہ نہیں کہ چارلس کو کتنا غصہ آرہا ہوگا۔"

وکٹر نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ "ابھی تک نظر نہیں آئی ہے وین۔"

"وہ یقیناً چل پڑے ہوں گے۔" کیلر بولا۔ "ہمیں تو صرف بینک کی فکر کرنا چاہئے۔"

وکٹر نے موڑ کاٹا۔ موڑ کاٹتے ہی انہیں بینک نظر آیا۔ درمیانی فاصلہ بڑھ گیا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں مچھیروں کا گاؤں تھا۔ بینک سیدھا گاؤں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وکٹر نے رفتار بڑھادی۔

درمیانی فاصلہ سمٹنے لگا۔ سڑک بھی اب اتنی ڈھلوان نہیں رہی تھی۔ بینک کی رفتار کم ہونے لگی۔ گاؤں میں پہنچتے پہنچتے اس کی رفتار ۲۵ میل فی گھنٹا سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ بینک کو سرخ لائٹ کا بھی احساس نہیں تھا۔ سڑک کراس کرنے والی ایک عورت اس کی زد میں آتے آتے بچی۔ اس نے ٹرالر کو گالیاں دیں' لیکن ٹرالر نہیں رکا۔

"اب بینک رک جائے گا۔ آگے ڈھلوان نہیں ہے۔" کیلر نے کہا۔

"وہ آگے سمندر ہے۔"

"اوہ.......... میرے خدا.......... نہیں۔" کیلر نے کراہتے ہوئے کہا۔

سڑک کے اختتام پر ایک پشتہ تھا جو تیس فٹ آگے پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وکٹر کی پیکارڈ بینک تک پہنچی تو بینک پشتے پر پہنچ چکا تھا۔ اب اسے روکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ایک مچھیرا پشتے پر ایک کرسی بچھائے' سر پر زرد ہیٹ رکھے' زرد برساتی پہنے بیٹھا سمندر کو گھور رہا تھا۔ اس نے جو بینک کو دیوانہ وار آتے دیکھا تو کرسی سے اٹھ کر بائیں جانب سمندر میں چھلانگ لگادی۔ پشتے پر اس کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ صرف بینک تھا جو اب اس پشتے پر قابض تھا۔

وکٹر نے بریک لگایا۔ کیلر نے چیخ کر کہا۔ "روکو اسے.......... ہمیں اسے ہر قیمت پر روکنا ہے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" وکٹر نے آہ بھر کر کہا۔

وہ دونوں آہیں بھرتے ہوئے بینک کو سمندر کی طرف بڑھتا دیکھتے رہے۔ بالآخر بینک پانی میں گر گیا۔ کیلر کسی زخم خوردہ آدمی کی طرح کراہا۔

"ایک بات ماننا پڑے گی۔" وکٹر نے کہا۔ "یہ بے حد خوبصورت منظر تھا۔"

"مجھ پر ایک احسان کرو وکٹر۔" کیلر نے التجا کی۔ "چارلس کے سامنے یہ بات نہ کہنا۔"

"کیوں؟"

"وہ تمہاری بات سمجھ نہیں سکے گا۔"

"اچھا.......... نہیں کہوں گا۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی ممکن ہے، ہم تیر کر ٹرالر تک پہنچیں اور رقم نکال لائیں۔ خبر نہیں، پانی کتنا گہرا ہے۔"

کیلر خوش ہو کر مسکرایا۔ "اچھا آئیڈیا ہے، آج نہ سہی، کسی روشن اور چمکدار دن سہی۔"

"یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے ہی کوئی اسے دیکھ لے اور پولیس کو مطلع کر دے۔"

"اوہ.......... یاد آیا۔" کیلر نے منہ بنا کر کہا۔ "یہاں پشتے پر بھی تو کوئی موجود تھا۔"

"جی ہاں.......... ایک مچھیرا تھا۔ آیئے اسے دیکھیں۔" وکٹر بولا۔ وہ دونوں کار سے اترے اور پشتے کے اوپری کنارے کی طرف بڑھے۔ اسی وقت انہوں نے زرد برساتی والے مچھیرے کو پشتے پر چڑھتے دیکھا۔ کیلر نے سہارا دے کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دی۔

"تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ کیا ہوا ہے!" مچھیرے نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"ہم نے بھی دیکھا تھا وہ ٹرالر۔" کیلر نے کہا۔

"وہ اچانک ہی نازل ہوا مجھے پانی میں چھلانگ لگانا پڑی۔ میری کرسی گئی، میرا ہیٹ گیا.......... اور میں خود بھی جاتے جاتے بچا ہوں۔"

"برساتی بہرحال بچ گئی۔" وکٹر نے اسے دلاسا دیا۔

"ٹرالر میں نہ جانے کیا ہو گا؟" مچھیرے نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں تھا اس میں۔ خالی تھا۔" کیلر نے اسے یقین دلایا۔

"میری بیوی نے مجھے منع کیا تھا کہ اس موسم میں.........." چھینک نے مچھیرے کو بات پوری نہیں کرنے دی۔

"اب جلدی سے گھر چلے جاؤ۔ تمہیں نمونیا بھی ہو سکتا ہے۔" وکٹر نے کہا۔

مچھیرا چھینکتا ہوا، اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ وکٹر اور کیلر پشتے کے نچلے حصے کی طرف چل دیئے۔ وہ دونوں سمندر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ بالآخر وکٹر نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ "وہ رہا۔" کیلر نے اشارے کی سمت دیکھا۔ پہلے تو اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر نیلے اور سفید رنگ کی وھیل مچھلی نما کوئی شے نظر آئی۔ "ارے.......... یہ تو حرکت کر رہا ہے۔" وکٹر پھر چلایا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔ پانی کے نیچے کا تیز بہاؤ ٹرالر کو دور لئے جا رہا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا.......... لیکن یہ درست ہے۔"

اسی وقت وین رکنے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحے بعد انہیں اپنے پانچوں ساتھی نظر آئے۔ چارلس سب سے آگے تھا۔ کیلر نے اپنے ہونٹوں پر ایک سوگوار مسکراہٹ سجائی اور شامت کا انتظار کرنے لگا۔

چارلس نے آتے ہی پانی کو گھورا اور بولا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ تم دونوں غسلِ آفتابی کی غرض سے یہاں موجود ہو۔"

"نہیں۔" کیلر نے جواب دیا۔

"اور میرا خیال ہے، بینک سمندر میں گر گیا۔ ہے نا؟"

"ہاں.......... وہ دیکھو، تمہیں نظر آئے گا۔" کیلر نے اشارہ کیا۔ پھر مایوس ہو کر بولا۔ "اب تو نظر بھی نہیں آ رہا ہے۔"

"ظاہر ہے، وہ حرکت جو کر رہا تھا۔" وکٹر نے بتایا۔

"حرکت کر رہا تھا!"

"جی ہاں۔ ہوا نے اس کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ میرے خیال میں ایئر ٹائٹ ہو گیا ہو گا۔ اندر ہوا تیز ہو گی کہ وہ ڈوب نہیں پایا اور پانی کے نیچے کے بہاؤ نے اسے کھینچا

شروع کردیا۔" وکٹر نے سائنٹیفک وضاحت کی۔

کیلر نے محسوس کیا کہ چارلس اسے گھور رہا ہے لیکن اس نے اپنی عافیت اسی میں جانی کہ خود پانی کو گھورتا رہے۔

باقی لوگ بھی آئے تھے۔ "تو بینک حرکت میں ہے۔ کہیں جا رہا ہے؟" میگی نے پوچھا۔ وکٹر نے اثبات میں سرہلادیا۔

"کہاں جا رہا ہے؟" میسن کی ممی نے پوچھا۔

"فرانس۔" چارلس نے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے' اتنی محنت اور اتنی اچھی کارکردگی کے باوجود وہ ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا؟" ہرمن نے احتجاج کیا۔

"خیر.......... ہم بالکل خالی تو نہیں ہیں۔ اچھی خاصی رقم ہے ہمارے پاس۔" کیلر نے لبوں پر پیار مسکراہٹ سجاتے ہوئے' چارلس کی طرف دیکھا لیکن وہ پہلے ہی واپسی کے لئے پلٹ چکا تھا۔

وہ سب چارلس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ بارش کی تندی میں فرق نہیں آیا تھا۔

☆------☆------☆

"۲۳ ہزار ۸ سو ۲۰ ڈالر۔" چارلس نے اعلان کیا۔ فوراً ہی اسے چھینک آگئی۔

وہ سب اس وقت چارلس کے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ وہ لوگ کپڑے بدل چکے تھے۔ مسز مرچ نے میگی کے اور تمام مردوں نے چارلس کے کپڑے پہنے تھے۔ سب کو چھینکیں آرہی تھیں۔ میگی نے چائے بنائی تھی۔

"تقریباً ۲۴ ہزار ڈالر۔" کیلر نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ "کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔"

"ہاں۔ اس رقم کے لئے ہم نے ۱۴ سال قید بامشقت کا خطرہ مول لیا تھا۔" چارلس نے چڑ کر کہا۔

"ہر ایک کے حصے میں کتنی رقم آئی؟" میسن نے پوچھا۔

چارلس نے کہا۔ "پہلے تو سرمایہ کاری کے ۱۵ ہزار ڈالر نکال لو۔ بچے ۸ ہزار ۸ سو ۲۰ ڈالر۔ اسے ۷ پر تقسیم کرو۔ جواب آیا ۲ ہزار ۲ سو ۶۰ ڈالر فی کس۔"

میسن نے منہ بنایا جیسے بدبو آرہی ہو۔ "صرف ۲ ہزار ڈالر!"

"نہیں.......... اس کے ساتھ ۲ سو ۶۰ ڈالر بھی تو ہیں۔" کیلر نے دلاسا دیا۔

ہرمن اور مسز مرچ کو چھینکیں بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

"اس سے زیادہ تو ڈاکٹر کا بل بن جائے گا ہر ایک کا۔" چارلس بولا۔

وکٹر نے کہا۔ "اس کے باوجود ہم نے ایک مہم سر کی ہے.......... اور آپ اسے ناکام ہم نہیں کہہ سکتے۔"

"میں اگر چاہوں تو کہہ سکتا ہوں۔" چارلس نے تند لہجے میں کہا۔

"چائے پیو.......... چائے۔" میگی بولی۔ کیلر نے انتہائی خوفناک چھینک ماری۔

"دو ہزار ڈالر!" ہرمن نے حقارت سے کہا۔ "اتنی رقم تو محض میرے ناک سنکنے بس خرچ ہوجائے گی۔" اس کے ساتھ ہی اس پر چھینکوں کا دورہ سا پڑ گیا۔

میسن کی ممی نے آہ بھر کے کہا۔ "اب مجھے وہ منحوس پٹی دوبارہ پہننا پڑے گی۔"

"آپ نے وہ کھو دی ہے۔" میسن نے الزام دینے والے انداز میں کہا۔ "آپ نے سے بڑی بے پروائی سے بینک میں پھینک دیا تھا۔"

"یعنی اب نئی خریدنی پڑے گی۔"

"ایک اور خرچ۔" میسن نے آہ بھر کے کہا۔

"میرا خیال ہے' اب ہم اپنا اپنا حصہ لیں اور اپنے اپنے گھر کا رخ کریں۔" کیلر نے تجویز پیش کی۔

"حصہ؟" چارلس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تو آئی ڈراپر کی ضرورت پڑے گی۔"

"خیر' ایسا تو نہیں ہے۔ کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔"

چنانچہ رقم کے حصے بخرے ہوئے۔ ہر شخص نے وعدہ کیا کہ وہ کپڑے جلد از جلد واپس بھجوا دے گا۔ پھر وہ رخصت ہوگئے۔

☆======☆======☆

"بینک اسی جزیرے میں کہیں ہے۔" کیپٹن ڈیمر غرایا۔ "وہ یہیں کہیں ہے۔"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ وائٹ نے مردہ لہجے میں کہا۔

"اور میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا۔"

"یس سر۔"

وہ دونوں اس پیٹرول کار میں تنہا تھے۔ کیپٹن ڈرائیو کر رہا تھا اور لیفٹیننٹ اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ کیپٹن کی نگاہیں دائیں بائیں علاقے کو ٹٹول رہی تھیں...... کھنگال رہی تھیں۔

لیفٹیننٹ کی نگاہوں میں عجیب سا خالی پن تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس تقریر کو دہرا رہا تھا جس کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ کیپٹن کے سامنے کبھی نہیں کر سکے گا۔

"کیپٹن...... اب تین ہفتے ہو گئے ہیں۔ تم نے پولیس اسٹیشن پر خاک ڈال دی ہے اور مسروقہ بینک کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ تم ہفتے میں سات دن طلوع آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ڈرائیو کرتے ہو...... اور اس کو تلاش کرتے ہو۔ کیپٹن...... وہ بینک اب کبھی نہیں ملے گا۔ وہ چلا گیا۔ اب وہ کبھی نہیں مل سکتا۔

"لیکن کیپٹن اگر وہ بینک تمہاری کمزوری بن گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور۔ وہ میری کمزوری تو نہیں بنا۔ تم نے مجھے رات کی ڈیوٹی سے محروم کر دیا جو مجھے بہت پسند تھی۔ رات کے وقت میں پولیس اسٹیشن کا انچارج ہوتا تھا لیکن تم نے اس گھامڑ شولر کو میری جگہ دے دی۔ حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں آتا۔ کچھ دن اور گزر گئے تو وہ میرے تمام کئے کرائے پر، تمام انقلابی اقدامات پر پانی پھیر دے گا۔

"پھر کیپٹن دیکھو نا۔ تین ہفتے ہو چکے ہیں۔ چار دن بعد نیویارک پولیس اپنے تعاون سے دست بردار ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ گزشتہ ڈھائی ہفتے میں بینک بہ آسانی لانگ آئی لینڈ سے لے جایا جا چکا ہو گا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے...... افریقہ میں...... ایشیا میں۔ ڈھائی ہفتے کم تو نہیں ہوتے اس جدید زمانے میں۔ تمہاری تھیوری یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے پہلی رات بینک کو کہیں چھپایا۔ تجوری کھولی، رقم نکالی اور بینک کو وہیں چھوڑ کر کھسک لئے۔ اگر تمہاری تھیوری درست ہے، تو بھی ہمیں کیا فائدہ؟ جس بینک کو ان گنت سرچ پارٹیز تلاش نہیں کر سکیں، اسے ہم دونوں کیسے تلاش کر سکتے ہیں۔"

"یہی وجہ ہے کیپٹن کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر تم ہر روز بینک کو ڈھونڈنے نکلنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی لیکن مجھے میری نائٹ ڈیوٹی لوٹا دو۔ پلیز...... ورنہ مجھے کمشنر سے بات کرنا پڑے گی۔ میں نے آخری حد تک تمہارا ساتھ دینے......"

"مجھ سے کچھ کہا تم نے؟" کیپٹن نے پوچھا۔

لیفٹیننٹ بری طرح چونکا۔ "کیا...... کیا؟"

"میرا خیال ہے، تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نو سر۔"

"اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔"

"یس سر۔"

لیفٹیننٹ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اسے کوئی امید نہیں تھی۔ کار اب چڑھائی کا سفر طے کر کے میکے ریسٹورنٹ کے بورڈ تک پہنچنے والی تھی۔ لیفٹیننٹ کو نوجوان عورت کا وعدہ یاد آیا جس نے اسے ریسٹورنٹ کھلتے ہی کھانے پر مدعو کیا تھا لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ ریسٹورنٹ کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اس پر بلڈوزر چلا دیا ہے۔ "ارے......!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"سر...... وہ ریسٹورنٹ تو غائب ہو گیا۔"

"ہو جانے دو۔" کیپٹن نے اسے ڈانٹا۔ "ہمیں ریسٹورنٹ کی نہیں، بینک کی تلاش ہے۔ سمجھے؟"

"یس سر۔" لیفٹیننٹ نے کہا اور دل ہی دل میں اس تقریر میں اضافہ کرنے لگا جس کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ کیپٹن کے سامنے کبھی نہیں کر سکے گا۔

☆=====ختم شد=====☆